۱۸۰

وسیلۃ الخادم الی المخدوم

در شرح صلوات

چہاردہ معصومؑ

مؤلف

فضل اللہ بن روزبہان خنجی اصفہانی

بکوشش: رسول جعفریان

مترجم

نثار احمد زین پوری

وسیلة الخادم الی المخدوم

در شرح صلوات

چہاردہ معصومؑ

مولف

فضل اللہ بن روزبہان خنجی اصفہانی

مترجم

نثار احمد زین پوری

بکوشش: رسول جعفریان

انصاریان پبلیکیشنز
پوسٹ بکس نمبر ۳۷۱۸۵-۱۸۷
قم جمہوری اسلامی ایران ٹیلی فون نمبر ۷۴۱۷۴۴

مشخصات

نام کتاب: ـــــــــ چہاردہ معصومؑ

مؤلف: ـــــــــ فضل اللہ بن روزبہان خنجی اصفہانی

مترجم: ـــــــــ نثار احمد زین پوری

ناشر: ـــــــــ انصاریان پبلیکیشنز

کتابت: ـــــــــ کوثر نقوی، بجنوری

سال طبع: ـــــــــ ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۴۱۷ھ

تعداد: ـــــــــ ۲۰۰۰

مطبع: ـــــــــ صدر

حرف مترجم

زیر نظر کتاب علامہ فضل اللہ بن روزبہان کی وہ گراں مایہ تالیف ہے جو پانچ سو سال سے گوہر نایاب بنی ہوئی تھی. اگرچہ مولف کے بعض آثار سے محققین کو اس گوہر بے بہا کا سراغ مل چکا تھا لیکن مدت دراز تک اس کا کوئی کامل نسخہ دستیاب نہ ہو سکا. بنا برایں اس کی افادیت محدود رہی چند سال قبل حجۃ الاسلام والمسلمین جناب رسول جعفریان کو اسکے نسخوں سے متعلق معلومات فراہم ہوئی چنانچہ انہوں نے دو نسخوں کی مدد سے کتاب کی تکمیل کی اور اپنے محققانہ مقدمہ کے ساتھ زیور طبع سے آراستہ کیا، فجزاہ اللہ خیراً.

محترم انصاریان عرصہ دراز سے نشر علوم آل محمد میں ہمہ تن کوشاں اور دنیا کی کثیر الاستعمال زبانوں میں ائمہ معصومین ؑ کے فضائل و مناقب اور علوم و معجزات کو طبع کرانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے ہیں انہوں نے کتاب ہذا کی افادیت کے پیش نظر اردو میں ترجمہ کی پیشکش کی میں نے قبول کر لی اور بحمدہ دو ماہ میں ترجمہ مکمل ہو گیا.

کتاب کی زبان پانچ سو سال پرانی ہے اور نسخوں کے نواقص کی بنا پر متعدد جگہوں پر حجۃ الاسلام و المسلمین رسول جعفریان صاحب نے حاشیہ پر لکھ دیا ہے کہ عبارت میں سکتہ ہے یا چھوٹ گئی ہے. ان تمام چیزوں کے باوجود ہم نے دیگر کتب کے تعاون سے ابہام کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے اب بھی اگر کہیں پر ابہام یا کوئی نقص رہ گیا ہو کہ جن تک ہماری نظر نہ پہونچ سکی ہو تو ارباب علم و مطالعہ اس سے ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشنوں میں تصحیح کر دی جائے.

یہ کتاب ایک ایسے سنی عالم کی تالیف ہے جو کہ شیعہ و سنی علماء کے درمیان محتاج تعارف تو نہیں ہیں لیکن اپنی بعض تالیفات کی وجہ سے فریقین کے درمیان جس انداز سے پہچانے گئے ہیں اس کے برعکس اس کتاب میں نظر آئیں گے، حجۃ الاسلام والمسلمین رسول جعفریان صاحب نے اپنے مقدمہ میں مؤلف کی سوانح حیات، علمی شخصیت، مذہب اور ان کی سیاست کے سلسلہ میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور مؤلف کے بارے میں نئی اور معتدل رائے قائم کی ہے۔

یوں تو صلوات سے متعلق ہر مفسر نے آیۂ صلوات کے ذیل میں اور بعض علماء فریقین نے اپنی نظر و عقیدہ کے مطابق تفصیل و اختصار سے خامہ فرسائی کی ہے، بعض نے صلوات بھیجنے کا طریقہ بھی صحیح احادیث کی روشنی میں قلم بند کیا ہے لیکن چودہ معصوم پر صلوات بھیجنے اور پھر صلوات کی شرح کے بارے میں اتنی تفصیل سے شیعہ علماء کے علاوہ کسی سنی عالم نے نہیں لکھا ہے، مؤلف نے ہر معصومؑ سے متعلق صلوات کی شرح کے ذیل میں مربوطہ فضائل و مناقب معجزات و کرامات اور عبادات و سیاسی امور بھی لکھ دیئے ہیں اور ہر موقع پر ائمہ معصومینؑ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ائمہ معصومینؑ پر صلوات بھیجنے ہی میں دین و دنیا کی کامیابی کا راز مضمر ہے مؤلف نے اس حقیقت کو اچھی طرح واضح کیا ہے۔

ہزاروں صلوات و سلام کے ساتھ دست بہ دعا ہوں کہ تمام مومنین کے ساتھ مجھ ایسے سراپا تقصیر کی بھی شفاعت فرمائیں۔

نثار احمد زین پوری

فہرست

مقدمہ

بسم الله الرحمن الرحیم الحمدلله رب العالمین
و الصلاة و السلام علی سیدنا محمد و آله الطیبین الطاهرین

خواجہ فضل اللہ بن روزبہان خنجی

خواجہ فضل اللہ بن روزبہان کی سوانح عمری کے بارے میں بہت سی معلومات فراہم ہیں یہ ان لوگوں کی زحمت کا ثمر ہے جنھوں نے ان کی سوانح حیات باب بندی کی اور تنظیم کی ہے، اولین بار جن لوگوں نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے، انھوں نے بڑی زحمتوں سے ان معلومات کو فراہم کیا ہے، اس کے بعد دوسرے افراد نے ان معلومات کی تکمیل کے لئے قدم اٹھایا اور موصوف کی فکری اور سیاسی زندگی کے پہلوؤں کو روشن کیا[1] چونکہ مفصل سوانح عمری موجود ہے اس لئے ہم اجمالی طور پر ان کا زندگی نامہ تحریر کریں گے۔

اجمالی طور پر اس بات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ مولفین نے ان کا اس طرح تعارف کرایا: فضل اللہ بن روزبہان بن فضل اللہ الامین[2] ابو الخیر ابن قاضی باصفہان امین الدین الخنجی الاصل الشیرازی الشافعی الصوفی المشہور بخواجہ ملا۔[3]

---

[1] مہمان نامہ بخارا ص ۳۳، ۳۴

[2] امین فضل اللہ بن روزبہان کا تخلص ہے۔

[3] یہ عبارت ابن روزبہان کے استاد سخاوی نے الضوء اللامع ج ۶ ص ۱۷۱ میں تحریر کی ہے۔

ابن روزبہان نویں و دسویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں شاید ۸۵۰ ھ سے ۸۶۲ کے درمیان پیدا ہوئے اور ۹۲۷ھ میں انتقال کیا۔

ان کے والد جمال الدین روزبہان بن فضل اللہ خنجی نویں صدی ہجری کے علماء اور آق قویونلو کی حکومت کے اعیان میں سے تھے۔ وہ اصفہان میں تھے، حاجی بیگ کی شورش کے بعد انھیں تبریز بلایا گیا اور وہاں سلطان یعقوب کی عنایتوں کا مرکز قرار پائے یہاں انھوں نے اپنی کتاب ثمرۃ الاشجار بادشاہ کے نام تالیف کی۔[1]

ان کے دادا قاضی امین الدین فضل اللہ روزبہان شاہ رخ کے مخالفوں میں سے ایک تھے جو ایران کے دیگر بزرگوں کے ساتھ ۸۵۰ھ میں ساوہ میں مارے گئے۔[2] انکے بھائی ابراہیم بھی مارے گئے۔ فضل اللہ کا نام ان کے دادا کے نام پر رکھا تھا، شہر خُنج فارس میں واقع تھا لیکن موصوف اپنے والد کے ساتھ اصفہان میں رہتے تھے۔ فضل اللہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد چند سال مصر میں اور اس کے بعد چند سال مدینہ میں امام محمد سخاوی، علی بن ابی عبداللہ فرجی سے تعلیم حاصل کی۔

ابن روزبہان نے اپنے والد کی مانند نویں صدی کی آخری دہائی کے چند سال آق قویونلو بادشاہوں کی خدمت میں گزارے، الحکومت کی آشفتہ حالی کے بعد اصفہان چلے آئے اور نویں صدی کے آخری تین سال اور دسویں صدی کی پہلی دہائی اسی شہر میں بسر کی چنانچہ خود موصوف نے اصفہان کو اپنے وطن کے لحاظ سے یاد کیا ہے۔ فضل اللہ ایران پر صفویوں کا قبضہ ہو جانے کے بعد ماوراء النہر و ہرات فرار کر گئے اور اپنی زندگی کے آخری سترہ سال ماوراء النہر کے سلاطین شیبانی کی خدمت میں گزارے اور ۹۲۷ھ میں انتقال کیا۔

ماوراء النہر کے دوران قیام انھوں نے بعض جنگوں میں شرکت کی، چند کتابیں تالیف کیں

---

[1] لارستان کہن ص ۱۸۲، ۱۸۳ (احمد اقتداری ۱۳۳۴ ش)

[2] المعروفون من الروزبہانیۃ فی الکتب التاریخیہ ص ۲۹۳۔

اور صفویوں سے جنگ کرنے پر ازبک بادشاہوں کو اکسایا۔

درحقیقت ان کی علمی وسیاسی کارکردگی تین جگہوں میں بٹی ہوئی ہے جو ایک مثلث کی حیثیت رکھتی ہے اس مثلث کے تین زاویئے آذربائجان، حجاز اور ماوراء النہر سے عبارت ہیں، اس کے علاوہ فضل اللہ نے چند سال مصر میں اور اصفہان میں اتنا زمانہ گزارا کہ خود کو اصفہانی لکھ سکیں۔

ان کی فعالیت کے مراکز جغرافیائی اعتبار سے پراگندہ ہونے کے علاوہ ان کے عہد میں ایک قسم کا سیاسی بحران تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک زمانہ تک وہ آذربائجان میں آق قویونلو سلاطین کے دربار میں رہے اس کے بعد چند سال عراق عجم میں بسر کئے اور جب اس علاقہ پر صفویوں نے حملہ کیا تو فضل اللہ وہاں سے ماوراء النہر چلے گئے اور ازبک سلاطین کے دربار سے منسلک ہو گئے ان کے یہاں ایک قسم کے فکری تشتت کا بھی سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ انھوں نے علم کلام کے موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے جو کہ شرح مواقف اور تجرید کے حواشی سے عبارت ہے تصوف کے موضوع پر بھی بہت کچھ لکھا ہے جس کا ذکر ان کی سوانح حیات میں موجود ہے اپنے فقیہانہ رجحانات کو سلوک الملوک میں بیان کیا ہے اس کے علاوہ وہ اچھے مورخ بھی ہیں اس موضوع سے متعلق اپنی مہارت کو انھوں نے "عالم آرائے امینی" اور "مہمان نامۂ بخارا" میں ثابت کیا ہے۔

فکری نقطۂ نظر سے بھی "شیعیت وسنیت" کے باب میں بھی وہ ایک قسم کی پراگندگی میں مبتلا تھے اپنی زندگی کے بعض موقعوں میں شیعیت کی طرف اور بعض موقعوں میں سنیت کی طرف مائل رہے ہیں اگرچہ وہ صحیح معنوں میں کبھی شیعہ نہیں ہوئے ہیں، اس سلسلہ میں آئندہ وضاحت آئے گی۔

جب ایسی پراگندہ فضا میں ابن روزبہان کی شخصیت بنے گی تو واضح ہے کہ اس کی متضاد صورتیں سامنے آئیں گی ایک صوفی منش آدمی ہے جو اپنے صوفیانہ افکار پر تکیہ کرنا چاہتا ہے اور شیعیت کے عرفان سے متاثر ہوتا ہے اور شیعیت کی طرف اپنے میلانات کی نشاندہی کرتا ہے پھر وہی بہترین مورخ بن جاتا ہے اور عین اسی وقت اپنے مخدوم اور ولی نعمت سلطان یعقوب آق قویونلو کی موافقت میں اور ایران کے شیعہ عرفان کے ستون شیخ صفی کے خاندان کے خلاف قلم فرسائی کرتا ہے۔

صفویوں کے غلبہ کے بعد دوسرے بادشاہ کے دربار میں پہونچتا ہے اور اس کے ذوق کے مطابق اپنی فقیہ کے سیاسی مبانی کو پیش کرتا ہے اور مجبوراً اپنے شیعی عقائد کو بالائے طاق رکھتا ہے تمام چیزیں اس کی ایسی شخصیت بنا کر پیش کرتی ہیں کہ جس کی مصلحت پسندی اس کے قلبی اعتقاد پر غالب تھی اور تصوف سے عقیدت غائبی دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

شیعی منابع کے لئے اس کی اہم ترین خصوصیت اس کی شدید دشمنی ہے جو اس کے آخری عمر میں ظاہر ہوئی وال اصفہانی، خواجہ مولانا اصفہانی کے عنوان کے ذیل میں لکھتا ہے: وہ۔ ابن روزبہان۔ اہل سنت والجماعت کے مشہور متعصبین میں سے تھا، جب مذہب حقہ جعفری کا آفتاب حکومت مطلع سعادت سے طلوع ہوا اور خورشید عالم تاب نے دنیا کشائی کی تلوار کے ذریعہ مذہب باطلہ کا زنگ اتار دیا تو، مولانا۔ ابن روزبہان۔ اپنے وطن مالوف میں قیام پذیر نہ رہ سکے اور ہرات چلے گئے جب خراسان پر شیبک خان کا تسلط ہوا تو وہ اس کے درباری بن گئے بمقتضائے ولِ لعن کفرہ فجرہ واہل بیتؑ کی عداوت کے اظہار میں وہ مطعون تھا۔ ۵ جمادی الاولی ۹۲۷ھ کو اس نے بخارا میں اپنے مذہب کے پیشواؤں سے ملاقات، منجملہ اسکی تالیف ایک "عالم آرائے" نامی تاریخ ہے[1]۔ اس کے بارے میں ایسا ہی تجزیہ رو ملو نے بھی کیا ہے[2]۔

مولف کی سوانح حیات کے ماخذ

الف: پرانے منابع

۱۔ خود مولف کے قلمی آثار اس کی سوانح حیات کے لئے بہترین منابع ہیں۔ یہ معلومات، عالم آرائے امینی اور مہمان نامۂ بخارا میں تفصیل سے بیان ہوئی ہیں، اس سلسلہ میں "سلوک الملوک" "ابطال نہج الباطل اور

---

[1] خلد بریں ص ۳۱۷

[2] احسن التواریخ ص ۲۲۶

"وسیلۃ الخادم الی المخدومؑ" میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے مولف کی جو آخری سوانح حیات لکھی گئی ہے اس میں ان معلومات سے مدد لی گئی ہے لیکن اس کی زندگی کی صحیح نقشہ کشی کے لیے ضروری ہے کہ ان مصادر پہ اس کے افکار پر زیادہ کام کیا جائے۔ ابھی تک اس سوانح حیات کی تکمیل میں اسی کتاب "وسیلۃ الخادم الی المخدوم" سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے، مولف کے سلسلہ میں اس کی جو معلومات ہیں ہم انھیں بیان کریں گے۔

اس کی دوسری تالیف "ہدایۃ التصدیق الی حکایۃ الحریق" ہے جو کہ یادنامہ ایرانی مینورسکی" میں چھپ چکی ہے، اس میں بھی اس کی زندگی کے حالات موجود ہیں۔

۲۔ اس کی منظم سوانح حیات اس کے استاد مشہور مورخ، شمس الدین سخاوی (ابن حجر عسقلانی کے نمایاں شاگرد) نے لکھی ہے۔[1]

۳۔ ان سے متعلق دیگر معلومات قاضی نور اللہ شوشتری کی کتاب احقاق الحق میں بیان ہوئی ہیں احقاق الحق، فضل اللہ بن روزبہان کی کتاب ابطال نہج الباطل کا جواب ہے اور ابطال نہج الباطل علامہ حلیؒ کی تالیف نہج الحق کی رد ہے۔

۴۔ مولف کی مختصر سوانح حیات روملوے احسن التواریخ[2] میں نقل ہوئی ہے کہ جس میں اس کی شیعہ ستیزی کو اجاگر کیا ہے۔

۵۔ کشف الظنون ج ۶ ص ۸۲۰

۶۔ حبیب السیر ج ۴ ص ۸۲۰

۷۔ خلد برین ص ۳۱۷ اس کتاب کی عبارت ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

---

[1] الضوء اللامع لاہل القرن التاسع ج ۶ ص ۱۷۱، ش ۵۸۰ اس کا ترجمہ مہمان نامہ بخارا میں موجود ہے، ص ۲۱

[2] احسن التواریخ ص ۲۲۶

ب: اپنے منابع

۸۔ روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات ج ۶، ص ۱۷، ۱۸

۹۔ تاریخ ادبیات ایران ایڈورڈ براون ج ۴، ص ۸۷، ۸۸

۱۰۔ تاریخ ادبیات ایران سعید نفیسی، سالنامہ فارس ۶: ۸-۳۷، ۸-۲۱-۵۴، ۱۳۹-۴۲، ۴۷-۳، ۹-۱۶۹، ۴۳-۴۰، ۱۸،۱۱۱، ۱۷-۵۹۔

۱۱۔ یادداشتہائے قزوینی ج ۳، ص ۲۲۷-۲۲۹

۱۲۔ نقش ترکان اناتولی در تشکیل وتوسعہ دولت صفوی، فاروق سومر، ص ۱۷، ۱۸

۱۳۔ تشکیل دولت ملی در ایران، والتر ہنیتس ترجمہ کیکاووس جہانداری (تہران ۱۳۶۱) ص ۱۴۷-۱۵۱ ص ۵۹، ۱۰۱، ۱۰۵، ۱۱۲، ۱۳۱، ۱۴۰۔

۱۴۔ الذریعہ ج ۱، ص ۲۹۰-۲۹۱، ج ۱۵، ص ۲۰۵، ج ۲۳، ص ۳۳۰۔

۱۵۔ فہرست مولفین مشار، ج ۴، ص ۸۵۵۔

۱۶۔ تاریخ ادبیات ایران، ذبیح اللہ صفا، ج ۴، ص ۵۳۸-۵۴۰۔ ج ۵، ص ۵۱/۱۳۶/۱۹۱، ۲۷۲، ۱۴۸۵۔

۱۷۔ تاریخ ادبیات فارسی، ہرمان اتہ، ص ۲۷۰۔

۱۸۔ فہرست نسخ فارسی کتابخانہ ملی پیرس، بلوشہ، ج ۱، ص ۲۹۶

۱۹۔ تاریخ نظم ونثر در ایران ص ۲۵۱-۲۵۲۔

۲۰۔ فہرست مخطوطات فارسی برطانیہ کے میوزیم میں، ریو ج ۲، ص ۴۴۸۔

۲۱۔ المعروفون من الروزبہانیۃ فی الکتب التاریخیہ ص ۲۹۵-۲۹۷

ج: موصوف کے زندگی نامہ کے تفصیلی ماخذ

معاصرین میں سے ابھی تک درج ذیل ارباب قلم نے موصوف کی سوانح حیات لکھی ہے۔
۲۲۔ مینورسکی نے عالم آرائے امینی (ترجمہ ملخص) کے مقدمہ میں (۱۹۵۷ء میں) اس اثر کی معلومات سے جناب منوچہر ستودہ نے مہمان نامہ کے مقدمہ میں استفادہ کیا ہے۔
۲۳۔ احمد اقتداری کی تالیف، شرح زندگی علامہ خنج پر محمد امین نے اضافہ کیا ہے۔ اس میں ابن روز بہان کی سوانح حیات بھی تحریر کی ہے۔ (۱۸۷۔۱۹۲)
۲۴۔ محمد امین خنجی، فرہنگ ایران زمین ج ۴/ص ۱۷۳، ۱۸۴ گویا فضل کی سوانح حیات کے سلسلہ میں یہ اولین تفصیلی مقالہ ہے جو کہ ۱۳۳۵ش میں طبع ہوا ہے۔
۲۵۔ منوچہر ستودہ نے اپنی وسیع تحقیقات اور متعدد منابع سے نیز مہمان نامہ بخارا کی اساس پر فضل کی مفصل سوانح حیات لکھی ہے، جو کہ مقدمہ مہمان نامہ بخارا میں (۱۳۴۱) میں چھپا ہے، ص ۱۸۔۳۴۔
۲۶۔ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ مرعشی نجفیؒ نے مقدمہ احقاق الحق میں تحریر کی ہے ج ۱/ص ۴۷۔۸۲
۲۷۔ محمد علی موحد نے سلوک الملوک کے مقدمہ میں ۱۵ صفحات میں ہے، پہلی تحریروں کی بنیاد پر فضل کی مختصر سوانح زندگی لکھی ہے جس میں چند نئے تنقیدی نکات ہیں۔

د) ابن رُوزبہان کے افکار کے مآخذ

ابھی تک ابن رُوزبہان کے افکار کے بارے میں غیر جانب دارانہ اور جامع تجزیہ نہیں ہوا ہے اس سلسلہ میں چند کتابیں ہمارے پیش نظر ہیں۔
۲۸۔ میشل۔م۔مزاوی نے اپنی کتاب پیدائش دولتِ صفوی[1] کے کچھ صفحات میں مغل حکومت کے زمانہ میں تشیع کے موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے اور علامہ حلی کی کتاب نہج الحق اور اس

[1] پیدائش دولت صفوی/ترجمہ یعقوب آژند۔ تہران نشر گستر ۱۳۶۳ش

کے جواب فضل اللہ بن روزبہان کی تالیف کے بارے میں سیر حاصل بحث کی ہے (ص ۸۳۔ ۸۵ اص ۱۰۳۔ ۱۰۵ اش ۳۶۔ ۴۱) حاشیہ پر زندگی نامہ کے بعض منابع مرقوم ہیں۔

۲۹۔ محمد علی موحد نے سلوک الملوک کے مقدمہ میں۔ صفحہ ۱۵ سے ۴۵ تک۔ سلوک الملوک اور مہمان نامہ کے مواد کی اساس پر، ان کے سیاسی نظریات اور دیگر نظریات کی تلخیص کی ہے۔

۳۰۔ جواد طباطبائی نے اپنی کتاب "درآمدی فلسفی بر تاریخ اندیشہ سیاسی درایران" کے عنوان کے تحت ایک فصل قائم کی ہے اور فضل اللہ بن روزبہان خنجی اور خلافت کی آئیڈیالوجی کی تجدید سے متعلق ص ۱۸۳ سے تا ۲۰۱ مخصوص کئے ہیں۔

۳۱۔ A.K.S. لمبتون نے اپنی کتاب دولت وحکومت دراسلام (ص ۲۹۹۔ ۳۲۵) میں فضل اللہ کی مختصر سوانح زندگی لکھی ہے اور ان کی سیاسی فکر کا تجزیہ کیا۔

۳۲۔ حسین ایزدی نے "اندیشہ سیاسی فضل اللہ بن روزبہان خنجی" کے عنوان کے تحت ایک مقالہ لکھا تھا اس کا مبنا، عالم آرائے امینی، کتاب ہے یہ مقالہ کیہان اندیشہ کے شمارہ ۲۹ میں شائع ہوا ہے۔ ص ۱۲۸۔ ۱۴۵۔

ابن روزبہان کی زندگی کی سال شماری

ابھی تک ابن روزبہان کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کی بنیاد پر اس کی زندگی کی سال شماری درج ذیل ہے۔

- جناب محمد امین خنجی نے ابن روزبہان کے احتمالی ۸۵۲ھ سال ولادت کو قبول کیا ہے (فرہنگ ایران زمین ج ۳ ص ۴ ۱۷۔ مقدمہ مہمان نامہ ص ۲۰ حاشیہ ۵)
- جناب ستودہ ۸۶۲ھ یا ۸۶۰ھ ان کا احتمالی سال ولادت صحیح سمجھتے ہیں (مقدمہ مہمان نامہ ص ۲۲)
- سخاوی نے خود روزبہان سے نقل کیا ہے کہ وہ ۸۵۰ھ۔ ۸۶۰ھ کے درمیان پیدا ہوئے ہیں (الضوء اللامع ج ۶ ص ۱۷۱)
- سترہ سال کی عمر میں پہلی مرتبہ حج کو گئے۔

- سنہ ۸۷۷ھ میں بغداد میں تھے (مقدمہ مہمان نامہ ص ۲۰ حاشیہ ۵)
- پچیس سال کی عمر میں دوبارہ حج کو گئے اور آٹھ ماہ تک مدینہ میں رہ کر وہاں کے علماء سے علم حاصل کیا (سخاوی کے بقول یہ سنہ ۸۸۶ھ کا واقعہ ہے سخاوی مزید لکھتے ہیں وہ اس سے قبل کچھ مدت تک اورشلیم میں تھے جب وہاں ان کے استاد جمال اردستانی کا انتقال ہوگیا تو ان کی تشیع جنازہ میں شرکت کے بعد مدینہ آگئے۔
- یہاں یہ بات قابل گرفت ہے کہ دوسرے منابع میں جمال اردستانی کا سنہ وفات سنہ ۸۷۹ھ مرقوم ہے نہ سنہ ۸۸۷ھ یا سنہ ۸۸۶ھ (مقدمہ مہمان نامہ ص ۲۲) یہاں فضل کہتے ہیں کہ وہ مسجد نبوی میں آتش سوزی کے واقعہ کے ایک سال بعد مدینہ گئے اس لحاظ سے سنہ ۸۸۶ھ میں انھیں مدینہ میں ہونا چاہیئے اس سے پہلے وہ مصر میں تھے اور وہاں سے مدینہ آئے تھے۔
- سنہ ۸۹۲ھ کے ماہ شعبان میں گرمیوں کے کیمپ میں وہ سلطان یعقوب سے ملحق ہوئے اور اپنی کتاب، بدیع الزمان اس کی خدمت میں تقدیم کی۔
- سنہ ۸۹۶ھ کے ماہ صفر میں انھوں نے، عالم آرائے امینی، کتاب کی پہلی جلد تالیف کی۔
- سنہ ۸۹۷ھ سخاوی کہتے ہیں کہ اس سال کے بارے میں مجھے بتایا گیا کہ وہ سلطان یعقوب کے دیوان میں مشغول ہیں۔
- سنہ ۸۹۸ھ احتمال ہے اسی سال وہ سلطان یعقوب کے بیٹے کی سلطنت کی آشفتہ حالی کی بنا پر اصفہان آئے۔
- سنہ ۹۰۶ھ اصفہان آنے سے اس تاریخ تک وہ اصفہان کے شہر جی میں ساکن رہے
- سنہ ۹۰۶ھ اس سے انھوں نے شہر اصفہان کے شہر جی میں رسالہ "ہدایۃ التصدیق الی حکایۃ الحریق لکھی۔
- سنہ ۹۰۹ھ کے ماہ جمادی الثانیہ میں شہر کاشان میں علامہ حلی کی کتاب نہج الحق کی رد میں ابطال نہج الباطل لکھی۔

٭ ۹۰۹ھ کے ماہ رجب میں کاشان ہی میں "وسیلۃ الخادم الی المخدوم" تالیف کی
٭ ۹۱۰ھ میں کاشان کو خیر باد کہہ کر راہی خراسان ہوئے[1]
٭ ۹۱۰ھ کے ربیع الاول میں امام رضاؑ کے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے گئے[2]۔
٭ ۹۱۱ھ شہر ہرات میں گزارا اور (تاج الدین احمد وزیر کی بیاض پر) مذکورہ تاریخ میں ایک یادداشت لکھی، کہ جس کی فوٹو کاپی مذکورہ بیاض کے مقدمہ کے اختتام پر (۱۳۵۳ اصفہان میں) چھپی ہے۔
٭ ۹۱۳ھ میں شہر ہرات میں رہے اور اپنی کتاب وسیلہ پر ہرات میں اپنے وقف نامہ کی یادداشت لکھی۔
٭ ۹۱۴ھ میں محمد خان شیبانی (م ۹۱۶) کے ساتھ قزاقان سے جنگ پر گئے، اس سفر کا مفصل حال مہمان نامہ بخارا میں قلم بند کیا ہے[3]۔
٭ ۹۱۴ھ۔ ۹۱۵ھ۔ ۹۱۴ھ میں مہمان نامہ بخارا کی تالیف کا آغاز کیا اور جمادی الاولی میں تالیف کا کام مکمل کیا۔
٭ ۹۱۸ھ میں محمد خان کے بھتیجے اور جانشین عبیداللہ خان ازبک نے انھیں سمرقند سے بخارا بلایا اور اسی سال فضل بن روزبہان صفاہانی نے بابر شاہ پر عبیداللہ خان کی فتح کے بارے میں تاریخ کہی جسے راقم سمرقندی نے نقل کیا ہے، اس کا آخری شعر یہ ہے[4]

---

[1] مہمان نامہ ص ۳۵۱

[2] مہمان نامہ ص ۳۵

[3] مقدمہ مہمان نامہ ص ۲۴۔ ۲۷

[4] تاریخ راقم سمرقندی ص ۲۳۹ نسخہ عکسی

اقبال داشت بابر تا بود زاہلسنت　　　چون یار رافضی شد افتاد در تدابر

۹۲۰ھ کے ماہ ربیع الاول کی آخری تاریخ بروز جمعہ "سلوک الملوک" کتاب کی تالیف مکمل کی۔[1]

۹۲۱ھ میں قصیدہ بردہ کی شرح کا کام مکمل کیا۔[2]

۹۲۷ھ حسن بیگ روملو کی تحریر کی مطابق اس سال انتقال کیا۔[3] والہ نے تحریر کیا ہے کہ مذکورہ سال کے ماہِ جمادی الاولیٰ کی پانچ کو انتقال کیا ہے۔[4]

ابن روزبہان کے علمی آثار

محمد امین خنجی نے ان کی تالیفات کا ذکر ان کی سوانح حیات کے ضمن میں کیا ہے جو کہ ہفت آثار میں شامل ہے۔ ان سات کتابوں میں سے ایک "دیار بکریہ" کا اشتباہ ہے کہ اس نے ابن روزبہان سمجھا۔ جناب منوچہر ستودہ نے انکے ۲۲ آثار نقل کیے ہیں۔ ان کے علاوہ آج ہمارے پاس ان کے چند رسائل اور کتابوں کی اطلاع بھی ہے کہ جن کی کُل تعداد ۲۸ ہے۔ آئندہ یہ بات واضح ہو جائے گی کہ بعض تو ایک قصیدہ یا معمولی سی چیز پر مشتمل ہے اگرچہ بعض مفصل کتاب اور قابل توجہ رسالہ ہے۔

۱۔ بدیع الزمان فی قصۃ حی بن یقظان۔ ابھی تک یہ کتاب دستیاب نہیں تھی لیکن کچھ عرصہ قبل اس کا ایک ناقص نسخہ دستیاب ہوا ہے۔[5]

۱۔ سلوک الملوک ص ۱۶۴۔　　　۲۔ مقدمہ مہمان نامہ ص ۳۲

۳۔ احسن التواریخ ص ۲۲۶　　　۴۔ خلد بریں ص ۲۱۷

۵۔ آیۃ اللہ العظمیٰ مرعشی نجفیؒ کے کتاب خانہ میں اس رسالہ کے نسخہ کا نمبر ۵۷۴۳ ہے نصف آخر ناقص ہے لیکن اس کی بھی حفاظت کی جاتی ہے۔

۲۔ تاریخ عالم آرائے امینی۔ اس کتاب کے بہت سے نسخے موجود ہیں، مینورسکی نے اس کی تلخیص کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے یہ کتاب "جان وودز" کی کوشش اور برطانیہ میں ایشیائی انجمن سلطنی مطالعات پبلیکیشنز کے توسط سے ۱۹۹۲ء میں مینورسکی کے مختصر انگریزی ترجمہ کے ساتھ چھپ چکی ہے۔

۳۔ ابطال نہج الباطل واہمال کشف العاطل۔ یہ کتاب علامہ حلیؒ کی کتاب نہج الحق کی رد ہے۔ ہماری دست رس میں اس کے بہت سے نسخے ہیں، قاضی نوراللہ شوستری نے اس کی رد میں احقاق الحق لکھی تھی، کہ اسی بنا پر ۱۰۱۹ھ میں انھیں شہید کیا گیا تھا۔ چند سال قبل محمد حسن مظفر نے اس ۔ ابطال نہج الباطل۔ کی رد میں ایک قیمتی اور باقی رہنے والی کتاب، دلائل الصدق رقم کی ہے، مذکورہ کتاب میں ابن روزبہان کی وہ عبارت بھی درج کی ہے جس کی رد کی ہے۔

۴۔ مہمان نامہ بخارا، درشرح سلطنت محمد خان شیبانی۔ یہ کتاب جناب منوچہر صاحب کی تحقیق و وساطت سے (تہران ۱۳۴۱ش) چھپی ہے۔ اس سے پہلے بمبئی سے طبع ہوئی تھی۔

۵۔ سلوک الملوک؛ اسلام کی فقہ سیاسی یا احکام سلطانیہ کے موضوع پر ایک مبسوط رسالہ ہے، جناب محمد علی موحد نے تدبیر و تحقیق (تہران ۱۳۶۲ش) سے طبع کرایا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کتاب کا جو نسخہ خود فضل اللہ نے اپنے قلم سے ۹۲۰ھ میں بخارا میں لکھا تھا وہ ایشیا کے اقوامی انسٹیوٹ کے کتب خانہ، سن پیٹرز بورگ میں اس شمارہ A ۳۱۶ پر موجود ہے۔ اس سے پہلے بھی یہ کتاب ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے۔

۶۔ چالدران میں سلطان سلیم کی فتح یابی کے سلسلہ میں فارسی میں ایک قصیدہ

ہے۔ جو منشآت فریدون میں ہے[1]۔

۷۔ اسی منشآت میں ترکی چغتائی میں ۱۴۱ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ ہے

۸۔ اسی منشآت میں سلیمان کے تخت نشین ہونے کی تاریخ کے سلسلہ میں ایک غزل ہے۔

۹۔ نسب نامۂ محمد خان شیبانی، شجرہ نسب کے نام سے ہے۔

۱۰۔ رسالہ حارثیہ

۱۱۔ شرح قصیدہ بردہ

۱۲۔ ۹۱۸ھ کے حوادث میں عبید اللہ شیبانی کی ظفریابی کی تاریخ ایک قطعہ میں ہے دوسری جگہ ہم نے اس کی ایک بیت نقل کی ہے۔

۱۳۔ حل تجرید

۱۴۔ تعلیقات بر محالات۔ عالم آرائے امینی کے شمارہ ۱۳، ۱۴ پر اس کا ذکر ہوا ہے

۱۵۔ حواشی بر حواشی شرح جدید (تجرید)

۱۶۔ مقاصد در علم کلام

۱۷۔ علی بن عیسیٰ اربلی کی کتاب، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ کی؛ تلخیص و ترجمہ مولف نے ابطال نہج الباطل میں اس کتاب کو ترجمہ کشف الغمہ کے عنوان سے یاد کیا ہے۔

۱۸۔ شرح وصایائے خواجہ عبد الخالق غجدوانی مشتمل بر احوال شیخ و سلسلہ مشائخ و خلفا وے۔

۱۹۔ حواشی و تعلیقات بر شرح مواقف

---

[1] منشآت السلاطین ج ۱ ص ۳۱۶۔ ۳۱۷، شاہ اسماعیل اول پارسا دوست ص ۸۳۱۔

۲۰۔ حواشی و تعلیقات بر کشاف۔ یہ حواشی تبریز میں لکھے تھے۔

۲۱۔ پیر جمال اردستانی کے مناقب میں ایک رسالہ۔ سخاوی نے مولف کے حالات میں لکھا ہے اور خود مولف نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۲۲۔ شرح صحیح مسلم، عالم آرائے امینی مکمل کرنے کے بعد ابن روزبہان شرح مسلم کی تالیف کا قصد رکھتے تھے۔ اس تالیف کا ابھی تک کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے۔

۲۳۔ ہدایۃ التصدیق الی حکایۃ الحریق۔ اس رسالہ کا ایک نسخہ، خود روزبہان کا لکھا ہوا، کتابخانہ ملک میں تھا جو کہ جناب ایرج افشار اور جناب محمد تقی دانش پژوہ کی کوشش سے یادنامہ ایرانی مینورسکی میں "تہران ۱۳۴۸" طبع ہوا ہے، یہ رسالہ ۸۸۶ھ میں مسجد النبیؐ میں آگ لگ جانے کے بارے میں ہے ۸۸۷ھ میں ابن روزبہان مدینہ گئے اور اس سلسلہ میں جو کچھ سنا اسے اس واقعہ کے بارے میں دقیق رپورٹ کی صورت میں لکھ دیا۔ اس رسالہ پر ایک ریویو ہم نے مجلہ میقات میں شائع کیا ہے۔

۲۴۔ وسیلۃ الخادم الی المخدوم در شرح صلوات چہاردہ معصومؑ۔

۲۵۔ جامع المعجزات، مولف نے وسیلۃ الخادم، میں، جامع المعجزات کے نام سے ایک کتاب لکھنے کے قصد کا اظہار کیا ہے۔

۲۶۔ فضائل علیؑ۔ وسیلۃ الخادم، ہی میں اس کتاب کی بھی تالیف کا اظہار کیا ہے ممکن ہے کہ تالیف نہ کی ہو۔

۲۷۔ تفسیر سورہ حمد۔ اس کتاب کا ایک نسخہ کتابخانہ مجلس۔ پارلیمنٹ کے کتب خانہ۔ میں شمارہ ۱۲۰۲۸ پر موجود ہے۔

۲۸۔ شرح قصیدہ خمریہ عبدالقادر گیلانی کا ایک نسخہ ایشیا کے اقوامی انسٹیوٹ کے کتب خانہ میں سن پطرزبورگ میں موجود ہے۔

فضل بن روزبہان کا مذہبی رجحان

الف: بارہ ائمہ کے عقیدہ کے نفوذ کے اسباب

تاریخی لحاظ سے یہ کہنا چاہئے کہ ابتدائی اسلامی صدیوں میں مذہب عثمانیہ کی نشرواشاعت کے ساتھ ساتھ، یعنی ان افراد کے ساتھ جو حضرت علیؑ کی خلافت کو اصلاً شروع نہیں سمجھتے تھے کچھ ایسے اشخاص بھی تھے جو کہ امام علیؑ اور تمام اہل بیتؑ کے فضائل سے متعلق احادیث کی نشر و اشاعت پر مصر تھے۔ اہل سنت کی رجال کی کتابوں میں ایسے لوگوں کو شیعہ قرار دیا گیا ہے اور فضائل اہل بیتؑ سے متعلق احادیث بیان کرنے کے جرم میں ان کی احادیث قبول نہیں کی جاتی ہیں۔

ابن قتیبہ "جو کہ تیسری صدی کے علماء میں سے ایک ہیں" نے اپنی ایک مختصر کتاب میں "الاختلاف فی اللفظ" کے عنوان کے تحت اہل حدیث۔ عثمانی مذہب کے پیروکار۔ پر جو کہ حضرت علیؑ کے فضائل کا انکار کرتے ہیں، شدید تنقید کی ہے۔ ذہبی کی میزان الاعتدال میں بھی سیکڑوں راوی ایسے موجود ہیں کہ جنھیں صرف فضائل علیؑ بیان کرنے کے جرم میں شیعہ قرار دیدیا گیا ہے۔

اہل حدیث کے اس افراط پسند اقدام کو جاری رہنے والے سلسلہ میں اہل سنت کے پایہ کے عالم احمد بن حنبل اس لحاظ سے نقطۂ اتصال ہیں کہ انھوں نے حضرت علیؑ کے فضائل قبول کئے ہیں وہی اہل سنت کے درمیان حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ تسلیم کرنے والے عقیدہ کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ احمد بن حنبل اپنی کتاب "مسند" میں ایسی بے شمار روایات نقل کی ہیں جو کہ اہل بیتؑ کے فضائل کے بارے میں ہیں، افسوس ہے کہ ان میں سے بہت سی احادیث صحیحین اور دیگر صحاح میں نقل نہیں کی گئی ہیں۔

احمد بن حنبل نے جو کچھ مسند میں بیان کیا ہے اس کے علاوہ، کتاب الفضائل الصحابہ میں سے بھی بہت سی فضائل والی روایات نقل کی ہیں خصوصاً حدیث غدیر کو متعدد طرق سے نقل کرکے عثمانی مذہب میں تعادل پیدا کرنے کے سلسلہ میں مستحسن کوشش کی ہے۔

احمد بن حنبل کے بعد بغداد کے حنابلہ کو بغداد میں شیعوں کی روز افزوں ترقی کا سامنا کرنا پڑا۔ آل بویہ کی شیعہ حکومت کے برسراقتدار آنے سے، اس نظریہ میں سرعت پیدا ہوگئی چنانچہ معتزلہ اور شیعوں کے ڈھائی سو سالہ جھگڑے ایک طرف اور دوسری طرف نزاعِ حنابلہ کا آغاز ہوگیا۔ اس وجہ سے حنبلی مذہب کے اہل حدیث کو شیعوں اور معتزلیوں سے اور زیادہ پرخاش ہوگئی اور اس تعصب میں اتنی شدت پیدا ہوگئی کہ عالم اسلام کا مشہور مورخ جریری طبری سے جیسا دانشور بھی صرف اس بنا پر مطعون ہوا کہ اس نے طرق حدیثِ غدیر کے موضوع پر ایک کتاب لکھدی تھی۔ یہ بات طبری کی سوانح حیات خصوصاً یاقوت حموی کی معجم الادباء سے اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے۔

ان جھگڑوں کو دبانے کے لئے چھٹی صدی میں اہل بیتؑ کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور پہلے سے زیادہ آئمہ اہل بیتؑ کے بارے میں اہلسنت میں تعادل و میانہ روی کے آثار نمودار ہوئے۔ اس کے علاوہ بعض شیعوں نے اہل سنت کے علماء کے درمیان حدیث کے جلسوں میں شرکت کر کے ان احادیث کو جو کہ ان کے طریقوں سے فضائلِ اہلبیتؑ میں نقل ہوئی ہیں، ایک جا کیا اگرچہ ان کے مولف شیعہ ہیں۔

سبط بن جوزی اگر ایک شدت پسند حنبلی خاندان سے تھے لیکن وہ بغداد میں حنابلہ کی میانہ روی اور تعدیل کے قائل و موید تھے۔ جن لوگوں نے طبری کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے یہاں تک کہ کسی کو اسکی حدیث سننے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ شدت پسند اہل تسنن کے درمیان سبط بن جوزی کی کتاب "تذکرۃ الخواص" میانہ روی کی روح پھونکنے کا بہترین ثبوت ہے۔ ہر چند متعصبوں نے انھیں شیعہ قرار دیا ہے۔ مگر خود انھوں نے اپنے کو اس حیثیت سے پیش کیا ہے کہ شیعہ و سنی کی سرحد نظر آتے ہیں۔

دوسرا نمونہ چھٹی صدی سے مربوط ہے امام ابوالفضل یحیی بن سلامت الحصکفی (م ۵۵۱ یا ۵۵۳) ہے، ابن طولون نے نقل کیا ہے کہ اس نے بارہ ائمہ کی مدح میں قصیدہ کہا ہے اس قصیدہ کے بعض حصہ میں بارہ ائمہ کے نام اس طرح درج ہیں:[1]

حیدرةٌ و الحسنان بعده	ثم علی وابنه محمدُ
و جعفر الصادق و ابنُ جعفرٍ	موسی، و یتلوه علیّ السیّدُ
أعنی الرضا، ثم ابنه محمد	ثم علیّ وابنه المُسدَّدُ
الحسن التالی و یتلو تلوَهُ	محمّدُ بن الحَسَنِ المُعتَقَدُ[2]

ترجمہ:

پہلے حیدر اور ان کے بعد حسنینؑ، پھر علی اور ان کے بیٹے محمد ہیں

اور جعفر صادقؑ اور ان کے فرزند موسیٰ اور ان کے بعد علی سید ہیں

میری مراد رضا ہیں پھر آپ کے لخت جگر محمد پھر علیؑ اور ان کے

نور نظر حسن ہیں اور آپ کے بعد محمد بن الحسن المعتقد ہیں[2]

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رشید الدین میبدی (جو کہ ۵۲۰ھ ق میں زندہ تھے) اہلسنت کے پایہ کے عالم اور صاحب تفسیر کشف الاسرار وعدۃ الابرار کی وہ عبارت بھی نقل کر دوں جو کہ فاطمہ زہراؑ سے متعلق ہے۔ یہ عبارت ادبی حسن کے اوج پر ہے اور شیعی پارسی ادب کی نشانی ہے۔ وہ کتاب الفصول میں ایک روایت کا ترجمہ کرتے ہیں (جس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے)

احادیث میں معروف ہے، لخت دل مصطفیؐ فاطمہ زہراؑ، گوہر دریائے نبوت ثمرۂ رسالت میوۂ جنت، بلند آشیاں، سرمایہ حسنات، بہترین خلائق، سیدہ سادات جاہ وحشم کی مالک...

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں معجم الادباء ج ۲۲ ص ۱۸

[2] الشذرات الذہبیہ فی تراجم الائمۃ الاثنا عشریہ عند الامامیہ (یہ الائمہ الاثنا عشر کے عنوان کے تحت، صلاح الدین کی تحقیق کے ساتھ چھپ چکا ہے ص ۱۴۱)

رسولؐ سے دریافت کرتی ہیں کہ، اس شب قدر و منزلت اور قرب و کرامت میں، اس بلند آسمان، اس عالم بالا کی ولایت میں میرے جگر گوشوں، حسنؑ و حسینؑ کا کچھ قدر و شرف اور نشان دیکھا ہے اور ان کی عظمت و جلالت کے متعلق کچھ سنا ہے؟

رسولؐ نے فرمایا: ہاں میری آنکھوں کی ٹھنڈک! میں نے ایک ندا سُنی ہے کہ کہتے تھے: اے اللہ کے رسولؐ مبارک ہو کہ حق تعالیٰ نے آپؐ کو دو ایسے نورِ نظر عطا کئے ہیں کہ عرش و کرسی ان ہی کی برکت سے باقی ہیں۔ اور آسمان و زمین کا نور ان کے جاہ و حشم سے ہے، خزانہ کرسی اور حملہ فرش کی قوت ان کی قوت سے ہے اور قیامت میں آپؐ کی امت کا فخر ان کی محبت و ولایت سے ہے اور جنت میں ان کے اسماء و کنیت سید و سردار ہیں۔ شہادت و سعادت اور حلیت ان کی صفت ہے۔ ملکوت کے ملائکہ اور مقربین میں اور صفوف و صافات میں اور فرشتوں میں حسنؑ و حسینؑ اس طرح روشن و آشکار ہیں جیسے آسمان پر چودھویں کا چاند جو ان سے محبت رکھتا ہے کامیابی کی کنجی اس کے ہاتھ میں ہے اور دارِ بقاء میں اسے تحفہ ولقاء نصیب ہوگا اور جو کوئی العیاذ باللہ ان سے ذرہ برابر دشمنی و حسد رکھتا ہے اور رائی برابر ان سے عداوت رکھتا ہے اگر وہ جرجیس کی عبادت اور خدمتِ ادریس رکھتا ہے اور تمام نیکیوں اور حسنات کا حامل ہے حتاکہ اس کا نام جریدۂ اشقیاء میں سرفہرست ہے اور دوزخ میں زوبیع و ابلیس کا ہمنشیں ہوگا۔[1]

شیعوں سے حسن سلوک اور رواداری اہل سنت کے ایک مخصوص گروہ ہی سے مخصوص نہیں ہے۔ شافعیوں میں سے محمد بن طلحہ شافعی (م ۶۵۲) نے، مطالب السؤول فی مناقب آل الرسولؐ، کتاب لکھی ہے جس میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ کسی اثناعشری شیعہ کی تالیف ہے۔ جیسا کہ محمد بن یوسف بن محمد گنجی شافعی (م ۶۵۸) نے فضائل امیرالمومنین

---

[1] فرہنگ ایران زمین ج ۱۲، ص ۴۴ - ۵، نیز ملاحظہ فرمائیں مقالہ استاد گنجی در یادنامہ علامہ امینی۔

واہل بیتؑ میں، کفایۃ الطالب لکھی ہے۔

حنابلہ میں سے ابو محمد عبد الرزاق بن عبد اللہ بن ابی بکر عز الدین اربلی (م ۶۶۰) نے موصل کے امامی مذہب حاکم بدر الدین لؤلؤ کی درخواست پر امیر المومنینؑ کے فضائل میں ایک کتاب رقم کی۔ اس کتاب سے صاحب کشف الغمہ نے بہت استفادہ کیا ہے۔[1]

ابو محمد عبد العزیز بن محمد بن مبارک حنبلی جنابذی (م ۶۱۱) نے بھی، معالم العترۃ النبویہ و معارف اہل بیت الفاطمیہ العلویہ میں گیارہویں امام تک ائمہ کی سوانح عمری لکھی ہے۔[2]

ابن خلکان شافعی نے بھی وفیات الاعیان میں ائمہ کی سوانح حیات تحریر کی ہے۔ البتہ اس کی مثال دیگر مولفین کی سی نہیں ہے۔ لیکن شیعہ آئمہ پر اس کی توجہ اس بات کی غماز ہے کہ ائمہ اس کے ذہن میں تھے۔

آٹھویں صدی میں حمد اللہ مستوفی (م بعد از ۷۵۰ ھ) نے تاریخ گزیدہ میں اولین خلفاء کے تذکرہ کے بعد محترم ومعمول کے عناوین کے ساتھ حضرت علیؑ کا تذکرہ کیا ہے اور پھر امیر المومنین نواسۂ رسولؐ رب العالمین امام المجتبیٰ حسن بن علی المرتضیٰؑ کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کے بعد ذیل کے عنوان کے تحت ایک فصل قائم کرتے ہیں در ذکر تمامی ائمہ معصومین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہ حجۃ الحق علی الخلق تھے" اور ان کی امامت کا زمانہ چوتھی صفر ۴۹ھ سے رمضان ۲۶۴ھ تک دو سو پندرہ سال اور سات ماہ ہے۔ پھر اضافہ کرتے ہیں ائمہ نے اگرچہ خلافت نہیں کی ہے لیکن چونکہ خلافت کے مستحق تھے اس لئے بہ تبرک کے طور پر ان کی زندگی کا مختصر حال سپرد قلم کر رہا ہوں۔[3]

---

[1] ملاحظہ فرمائیں کشف الغمہ ج ۱ ص ۷۷، ۹۴، ۱۱۶، ۱۲۷، ۱۶۱، ۲۳۱، ۳۱۴، ۳۲۵-۳۲۶

[2] ملاحظہ فرمائیں علی بن عیسی اربلی و کشف الغمہ ص ۴۳، دقم ۱۳۷۲ھ ش کانفرنس شیخ مفید،

[3] تاریخ گزیدہ ص ۱۹۸، ۲۰۱۔ تحقیق: عبد الحسین نوائی۔

نویں صدی میں ابن صباغ مالکی (م ۸۴۳ ـ ۸۵۵) نے الفصول المہمہ فی معرفۃ احوال الائمہ لکھی ہے۔

دسویں صدی میں شمس الدین محمد بن طولون نے (م ۹۵۳) کتاب الشذرات الذہبیہ فی تراجم الائمہ الاثنا عشریہ عند الامامیہ، لکھی ہے وہ تصوف و عرفان کی طرف مائل تھے۔ معتبر مصادر سے آئمہ کے حالات قلم بند کرنے کے بعد انھوں نے آئمہ اثنا عشر کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں:

عـليك بـالأئمة الاثـنى عَشَر	من ال بيت المصطفى خير البَشَرْ
ابــو ترابٍ حَســنٌ حُسَـينٌ	و بُـغْضُ زَيْـنُ الْـعابدينَ شَـيْنٌ
مُـحمّدُ البـاقرُ كَـمْ علمٍ دَرىٰ	والصادقُ ادعُ جعفراً بين الورى
موسى هُوَ الكـاظم وابْنُهُ علىٌّ	لقّـبْه بـالرِّضا و قَـدْرُهُ عـلىّ
مـحمد التـقى قَـلْبُهُ مَـعْمُورٌ	عــلى التــقى دُرُهُ مَـنْثُورٌ
والْـعَسْكَرِىُّ الحَسَـنُ المـطهَّرُ	محمّد والمهدى سَوْفَ يَظْهر [1]

ترجمہ:

خیر البشر مصطفیٰؐ کے اہل بیتؑ میں سے آئمہ کا اتباع تم پر واجب ہے۔

اور وہ ہیں ابو ترابؑ، حسنؑ و حسینؑ اور زین العابدینؑ

محمد باقرؑ ایسے علم کی تہ تک پہونچنے والے اور صادق جنھیں لوگوں میں

جعفرؑ کہا جاتا ہے موسیٰ کاظمؑ اور ان کے فرزند علی ہیں کہ جن کا قلب تقوے سے معمور ہے جس کے موتی بکھرے ہوئے ہیں اور عسکری، حسن مطہر ہیں، پھر محمد مہدی ہیں جو عنقریب ظہور فرمائیں گے[1]

مولف نے اسی کتاب میں اظہار کیا ہے کہ انھوں نے، المہدی الی ماورد فی المہدی، ایک

---

[1] الائمۃ الاثنا عشر ص ۱۱۸۔

کتاب تالیف کی ہے۔[1]

عرفاء اور صوفی حضرات میں عقائد کے اعتبار سے محی الدین بن عربی شیعہ عقائد کے عروج پر ہیں واضح ہے کہ وہ بھی کچھ دوسرے معاملات سے متاثر تھے لیکن جن اہم چیزوں نے انہیں متاثر کیا ہے وہ شیعوں میں ولایت کا نظریہ ہے۔ ان کی کتاب، المناقب، سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے ہر امام کی بہترین توصیف کی ہے۔[2]

صوفی حضرات نویں اور دسویں صدی میں آئمہ اثنا عشر سے بہت عقیدت اور لگاؤ کا اظہار کرتے تھے۔ ہر چند ان میں سے بعض شیعوں کو رافضی کہتے تھے اور ان کے بارے میں اچھے خیالات نہیں رکھتے تھے نمونہ کے طور پر "جامی" کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ جناب مائل ہروی لکھتے ہیں کہ: نفس تشیع سے انھیں کوئی تعصب نہیں تھا کیونکہ وہ ہمیشہ اہل بیتِ رسولؐ کی روش و راہ کی تائید کرتے تھے، ان کی عظمت کو ملحوظ رکھتے تھے لیکن شیعوں سے ان کا برتاؤ مستحسن نہیں تھا جامی کے اس سلوک کا سبب شیعوں کے تبرے کو سمجھنا چاہیئے محض جامی کے تولائی عقیدہ کو نہیں۔[3]

عبد الواسع نظامی باخرزی، مقامات جامی، کے مولف، شیعوں سے برسر جنگ رہتے تھے اور آئمہ اثنا عشر سے اپنی عقیدت اور لگاؤ کو شیعوں کے طریقۂ عقیدت سے جدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ وہ ابوالحسن کربلائی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ برسر منبر خلفائے راشدین کا نام حذف کر دیتے اور خطبہ میں ان کی جگہ آئمہ اثنا عشر کا نام لیتے تھے، موصوف مزید لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں علماء نے ان پر تنقید کی اور بادشاہ کو ان کی مخالفت پر ابھارا، البتہ اتہام

---

[1] حوالہ سابق۔

[2] شرح مناقب محی الدین عربی، از سید محمد صالح بن محمد موسوی خلخالی تہرانی (م ۱۳۰۶)

[3] مقدمۂ مقامات جامی ص ۱۳

سے بچنے کے لئے کہتے ہیں کہ ویسے خطبہ معہود میں بر سبیل اجمال وعلی آلہ الاطہار کا جملہ مسلسل استعمال ہوتا تھا[1]
دوسری جگہ شیعوں کے تبرے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اہلبیتؑ رسولؐ جو کہ ائمہ اثنا عشر سے عبارت ہیں۔ علیہ وعلیہم الصلوات والسلام۔ کا یہ ناپاک اعتقاد نہیں تھا۔ اور اہل بیتؑ سے اپنے عقیدہ کے ثبوت میں اضافہ کرتے ہیں، کہ باللہ العظیم۔ خدا کی قسم۔ اگر ہمیں یقینی طور پر یہ بات معلوم ہو جائے کہ نبیؐ کی عترتِ طاہرہ یہ عقیدہ و اعتقاد تھا تو سب سے پہلے میں اس کو قبول کر دوں گا۔[2]

اس صدی کے صوفیوں کا ایک اور گروہ بھی بتدریج شیعہ آئمہ کا معتقد ہوا کہ جن میں سے اہم ترین شیخ صفی کا خاندان اور ان کے مرید تھے۔

جن آثار کا تذکرہ ہو چکا ہے ان میں شبراوی (م ۱۱۷۲) کی کتاب، الاتحاف بحب الاشراف شبلنجی کی نور الابصار اور قندوزی کی (م ۱۲۹۴) ینابیع المودة کا اضافہ کرنا چاہیئے۔

دسویں صدی کے شروع میں صفویوں کی حکومت کی تشکیل نے مذکورہ تحریک کی رفتار میں سستی پیدا کر دی تھی لیکن اس کا خاتمہ نہیں کیا تھا۔ اس صدی میں ان لوگوں نے بھی ائمہ سے عقیدت وارادت کو فراموش نہیں کیا تھا جو کہ شیعوں کی رد میں کتابیں لکھتے تھے۔ یہاں تک صاحب صواعق محرقہ کہ جس نے شیعوں کی رد میں مذکورہ کتاب لکھی تھی وہ بھی ائمہ سے عقیدت رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ حکومتِ عثمانی بھی ائمہ اثنا عشر سے اتنی عقیدت رکھتی تھی کہ اس کے معماروں نے دو مین حرم اسلام، مسجد نبوی کی دیواروں پر بعض صحابہ اور ائمہ و مذاہب اربعہ کے نام کے ساتھ ائمہ اثنا عشر کے نام لکھے ہیں۔[3]

---

[1] مقدمہ مقامات جامی ص ۱۴۸۔

[2] حوالہ سابق ص ۱۵۰

[3] مجلہ میقات حج ش ۲ ص ۱۳۵۔

ایک اور نمونہ محیی الدین لاری ہیں انھوں نے اپنی منظوم کتاب فتوح الحرمین میں ائمہ اثناعشر کی مدح میں اشعار قلم بند کیے ہیں ایسے ہی خلفاء اربعہ کے بارے میں کچھ اشعار لکھے ہیں[1] ائمہ اثناعشر کی مدح میں ان کے اشعار درج ذیل ہیں۔

چونکه **علی** داشت به خاک انتساب   کرد نبی کنیت او بوتراب
سنبل و گل را به چمن زیب وزین   موی **حسن** آمد و روی **حسین**
گلشن دین یافته زین، زیب و زین   گلبن توحید **علیِ حُسَینْ**
علم که در روی زمین وافرست   از دم عیسی نفس **باقر** است
صادق صدیق به صدق و صفا   ناظر و منظور به صدق و صفا
کام ولایت شده شیرین ازو   یافته تمکین عجبا دین ازو
آنکه ببرد از دل اغیار بیم   **کاظم** غیظ است به خلق کریم
خلق محمد کرم مرتضی   هر دو عیان ساخت **علی الرضا**
برد به تقوی گرو از ماسبقی   شهرت از آن یافت به عالم **تقی**
زنگ زُدای دل هر متقی   کنیت او گشت از آن رو **نقی**
زاده از آن زبدهٔ پیغمبری   محسن احسن، **حسن عسکری**
باز چه گویم چو گلی زو دمید   اه چه گل، گلشنی آمد پدید
نکهت او برده زدلها گمان   پر شد ازو دامن آخر زمان
رشته که از حق به نبی بسته شد   باز به آن سلسله پیوسته شد
نقطهٔ اول چو به آخر رسید   کار بدایت به نهایت کشید
هادی دین **مهدی** آخر زمان   خلق جهان یافته از وی امان
گفت نبی کز پی ظلم و فساد   روی زمین پرکند از عدل و داد
قاتل دجال به شمشیر کین   یا دم عیسی، نفس او قرین
هر یک از آن گوهر گیتی فروز   داده به شب روشنی نیم روز

[1] یہ اثر ہماری کوشش اور انصاریان پبلیکیشنز کے توسط سے چھپ چکا ہے۔

هریک از ایشان عجب و من عجب	سلسله‌شان سلسلة من ذهب
هر که به آن سلسله پیوسته شد	از ستم حادثه وارسته شد[1]

ترجمہ:

چونکہ حضرت علیؑ کو خاک سے نسبت تھی اس لئے نبی نے آپؑ کی کنیت ابوتراب رکھی تھی۔

چمن کی زینت و بہار گل و سنبل سے ہوتی ہے چنانچہ زلف اور روئے حسینؑ سے چمن نبوت کی زینت ہے۔

علی بن حسین سے گلشن دین نے اور گلبن توحید نے زینت پائی۔

روئے زمین پر جس کے پاس وافر علم ہے وہ دم عیسیٰ نفس باقرؑ ہیں۔

صدق و صفا میں صدیق، صادق ہیں وہی صدق و صفا کے ناظر و منظور ہیں۔

ان سے ولایت شیریں دہن ہے، دین نے ان سے عجب تمکین پائی ہے۔

جس نے غیروں کو بے خوف بنایا وہ خلق کریم میں کاظم غیظ ہیں۔

محمدؐ کا خلق مرتضیٰ کا کرم دونوں علی الرضا میں جلوہ گر ہیں۔

تقوے میں وہ دوسروں سے سبقت لے گئے اس لئے عالم میں انھوں نے تقیؑ کے نام سے شہرت پائی۔

انھوں نے ہر متقی کے دل سے زنگ چھڑایا ہے اس لئے نقیؑ آپؑ کی کنیت ہو گئی ہے۔

ان کی نسل سے پیغمبرؐ کی لب لباب وجود میں آیا ہے وہ محسن احسن حسن عسکری ہیں۔

میں کیا کہوں ان سے ایک گل و پھول وجود میں آیا ہے کتنا بہترین وجود میں آیا ہے ایک گلشن وجود میں آگیا ہے۔

اس کی خوشبو نے دلوں کو موہ لیا ہے اور دلوں کو افکار و خیالات سے آزاد کر دیا ہے آخر زمانہ کا دامن ان سے بھر گیا ہے۔
حق کی طرف سے جو رشتہ نبیؐ کا بند ہوا تھا پھر اس کا سلسلہ شروع ہوا جب نقطۂ اول اپنے اختتام کو پہونچا ہے ابتدا کی انتہا ہو جاتی ہے۔
ہادی مہدی آخر الزمانؑ کہ جن کے ذریعہ خلق جہان نے امان پائی ہے۔
رسولؐ کا ارشاد ہے جب ظلم و فساد پھیل جائے گا اس وقت وہ۔ مہدی۔ زمین کو عدل و انصاف سے پر کریں گے۔
شمشیر کین سے دجال کو قتل کریں گے دم عیسیٰ ان کے نفس سے مقرون ہے۔
اس گوہر سے روئے زمین کی ہر شے فیض یاب ہوگی رات میں ایسی روشنی ہوگی جیسے دن میں اس وقت ہوتی ہے جب سورج نصف النہار پر ہوتا ہے۔
ان سے عجیب و غریب چیز دیکھنے میں آئیں گی ان کا سلسلہ سلسلۃ الذہب ہے۔
جو اس سلسلہ سے متمسک ہو گیا حوادث کے ستم سے نجات پا گیا۔[1]
اسی شاعر نے خلفاء اربعہ کی مدح میں درج ذیل اشعار کہے ہیں۔

مخترع عالم کون و فساد　　　چار گہر در کف گیتی نہاد
خاک نشینان کہ شدند استوار　　　داد قوام ہمہ شان زین چہار
عنصر دین آمد از این چار یار　　　عنصر ہر چیز چو باشد چہار
رشتۂ جان را شدہ ہر یک دری　　　ہر یک از ایشان بہ مثل عنصری[2]

ترجمہ:
کون فساد کے خالق نے گیتی کا دامن چار گوہروں سے بھر دیا۔
جب خاک نشیں استوار ہو گئے تو انھیں چار کے ذریعہ ثبات دیا۔

---

[1] فتوح الحرمین ص ۲۱-۲۳۔

ان ہی چاروں سے دین کا عنصر آیا ہے، جیسا کہ ہر چیز کے چار عنصر ہوتے ہیں۔
ان میں سے ہر ایک روشن چراغ ہے ان میں سے ہر ایک کی مثال ایک عنصر کی ہے[1]
جہانشاہ قراقویونلو نے جو سکے ڈھلوائے تھے ان پر ایک طرف "علی ولی اللہ" اور دوسری طرف خلفائے اربعہ کے نام لکھوائے تھے[2] یہ بھی نویں صدی ہجری کے اس نظریہ کا ثبوت ہے۔
دسویں صدی کا ایک، کنز الاخبار، نام کا اثر محفوظ ہے، اس میں بھی بعض حیرت انگیز آثار کی مانند، خلفاء اور بارہ ائمہ کے حالات بیان کئے گئے ہیں[3]۔
اس سلسلہ میں ایک اور قابل استناد عنوان، کتاب، المقصد الاقصی فی ترجمۃ المستقصی ہے اصلی کتاب عربی میں تھی، کمال الدین حسین خوارزمی نے اس کا مذکورہ نام سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے یہ کتاب رسولؐ اور خلفاء کے حالات پر مشتمل تھی۔ لیکن انھوں نے اہل سنت کے مقصد سے اپنے اعتقاد کے باوجود اس میں بارہ ائمہ اور فاطمہ زہراؑ کی سوانح عمری کا بھی اضافہ کر دیا ہے[4]۔
دوسرا نمونہ درویش محمد کربلائی کی روضات الجنان وجنات الجنان ہے کہ سنی العقیدہ ہونے کے باوجود انھوں نے اپنی کتاب کی دوسری جلد میں شیعہ ائمہ کے مفصل حالات لکھے ہیں اور اس کتاب میں خواجہ محمد پارسا کی فصل الخطاب سے زیادہ استفادہ کیا ہے۔ اس خواجہ محمد نے بھی سنی ہونے کے باوجود اپنی کتاب میں ائمہ کے مفصل حالات لکھے ہیں[5]۔ محمد علیم بن محمد

---

[1] حوالہ سابق ص ۲۰

[2] پیدائش دولت صفوی، مزاوی ص ۱۴۴ تاریخ النقود العراقیہ ص ۸۰ کے بعد

[3] نشر دانش، سال چہاردہم شمارہ ۲ اسفند ص ۵۸

[4] ادبیات فارسی، استوری ص ۷۷۵

[5] اس کی کتاب کا یہ حصہ میراث اسلامی ایران کے چوتھے دفتر میں چھپا ہے شمارہ اسفند ص ۵۸

الٰہ آبادی نے بھی اپنی کتاب، غایت الہمۃ فی ذکر الصحابہ والائمہ، یا رسالۂ محمدیہ، میں رسولؐ، اولین صحابہ اور شیعہ ائمہ کے حالات لکھے ہیں[1]

ب: ابن روزبہان اثنا عشری سنی

کتاب وسیلۃ الخادم الی المخدوم، سے ابن روزبہان کی ایک ایسی نئی تصویر سامنے آتی ہے جس کو ان کے دیگر آثار میں بھی تلاش کیا جا سکتا ہے یہ اور بات ہے کہ اس کتاب میں یہ تصویر زیادہ صاف و روشن ہے اور اس میلان و رجحان نے ظہور کی ہمت پائی ہے۔ اس کتاب میں موصوف ان اہل سنت کی صف میں شامل ہوتے ہیں جو اپنے قوی شیعی میلان سے سرحد تشیع تک پہونچے ہیں البتہ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ، مولف شیعہ ہونا چاہتے تھے لیکن صفویوں کے برسر اقتدار آنے سے جو حوادث سامنے آئے انھوں نے، صفویوں کے اجداد کے بارے میں ابن روزبہان کی اس شدت پسندی کے علاوہ کہ جس کا انھوں نے عالم آرائے امینی میں اظہار کیا ہے، انھیں مزید متعصب بنا دیا اور اس کتاب میں انھوں نے جو بارہ امامی تسنن والا موقف اختیار کیا تھا اس سے انھیں دور ہٹا دیا ہے۔ جب ہم اس موقف سے بحث کرتے ہیں جو کہ انھوں نے اس کتاب میں اختیار کیا ہے تو ہماری مراد وہ مطالب ہوتے ہیں جو انھوں نے پوری کتاب میں شیعہ ائمہ کے فضائل و سوانح عمری میں لکھے ہیں، یہاں ان سب کو قلم بند کرنے کی گنجائش نہیں ہے ہم صرف ان نئی معلومات کی تدوین کوشش کریں گے جو کہ اس کتاب میں تاریخی اور فکری لحاظ سے ابن روزبہان سے مربوط ہیں۔ لیکن زیر نظر کتاب میں مشغول ہوتے قبل ہم ان کے دوسرے آثار ان کے شیعی نظریات کا ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں۔ یہ سرسری جائزہ اس ہم آہنگی کا غماز ہے جو کہ یہاں تفصیل سے اور دوسری جگہ مختصر طور پر بیان کیا ہے

---

[1] ادبیات فارسی استوری ص ۹۴۹

ابن روزبہان کے آثار میں سے ایک، تخلیص و تحقیق کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمۂ (مولفہ علی بن عیسیٰ اربلی) ہے[1] ہم جانتے ہیں کہ یہ اثر چہاردہ معصومین کے حالات پر مشتمل ہے یہ شیعہ و سنی منابع سے رقم ہوا ہے اور ابن صباغ مالکی ۔ م ۸۵۵ ۔ کے بعد سے بارہ امامی اہل سنت کے آثار کے لئے اہم ماخذ ہے۔ خود ابن روزبہان نے بھی موجود کتاب میں مذکورہ کتاب سے استفادہ کیا ابن روزبہان نے علامہ حلی کی کتاب "نہج الحق" کی رد میں جو کتاب لکھی ہے اس میں اپنے ترجمہ میں اربلی کی کشف الغمہ کا تذکرہ بھی کیا ہے[2]۔

ابن روزبہان کو کتاب "کشف الغمہ" سے جو دلچسپی تھی اس کا انکشاف زیر نظر کتاب سے بھی ہوتا ہے انھوں نے متعدد جگہوں پر اس کے حوالے دیئے ہیں اور اس سے عبارت نقل کی ہے۔ نیز ان کی کتاب، نہج الباطل، سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیتؑ کے فضائل کے معترف تھے۔ لیکن اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اس کتاب کی تالیف ۹۰۹ھ میں ٹھیک اس زمانہ میں ہوئی جب ابن روزبہان نے عراق عجم سے ماوراء النہر کی طرف فرار کیا تھا۔ اور یہی اس کے سنی تعصب کے اظہار کا زمانہ ہے۔ اس کتاب میں اس کا طریقہ اہل بیتؑ کے فضائل سے انکار کا نہیں ہے بلکہ اس بات کا انکار کیا ہے کہ ان نصوص کی دلالت خلافت پر نہیں ہے۔ ابن روزبہان حدیث " لایزال امر الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفۃ کلہم من قریش " کی اصل حدیث کی تائید کے ضمن میں لکھتے ہیں۔" اگر خلافت سے علم و معرفت اور حجت کو روشن کرنا اور منصب نبوت کی تکمیل مراد ہے تو یہ حدیث صحیح ہو سکتی ہے لیکن پھر بھی دنیوی خلافت اس سے ثابت نہیں ہو سکتی ہے[3]۔

---

[1] فرہنگ ایران زمین ج ۳ ص ۱۸۳، مقدمہ مہمان نامہ بخارا ص ۲۳

[2] دلائل الصدق ج ۲ ص ۵۰ یہ کتاب ابن روزبہان کی کتاب کا جواب ہے جو اس نے علامہ حلی کی کتاب کے جواب میں لکھی تھی۔

[3] دلائل الصدق ج ۲ ص ۳۱۵

دوسری جگہ آئمہ اثنا عشر سے روافض کی مخالفت کا اظہار کرتے ہیں اور ائمہ سے متعلق لکھتے ہیں۔

وہ ایوان انتخاب و اصطفاء کے راس و رئیس وہ آسمان اجتباء کے بدر و قمر، ابواب جود و کرم کی کلید، نعمتوں کے برستے بادل وہ بیشہ، شجاعت کے شیر، بوستان رحمت کے بادل، مظاہر عظمت کے پشت پناہ لوگوں کی اماںتوں کے امین، ارشاد و ہدایت میں منارے، فہم و درایت میں کوہ رواسخ۔ اس کے بعد ان کی مدح میں کچھ اور اشعار کہے ہیں ان ہی میں سے ایک بیت یہ ہے[1]

بنو علی وصی المصطفی حقا   احلاف صدق نموا من أشرف السلف

علیؑ کے فرزند مصطفیٰؐ کے برحق وصی، سلف کے بہترین خلف وجود میں آتے ہیں

دوسری جگہ سنی صوفیوں کی مانند بارہ آئمہ علم کے وارث و عالم اور نبوت کا مکمل مانتے ہیں لیکن خلافت کو قبول نہیں کرتے۔ ان کے صوفیانہ نقطۂ نظر سے حکومت و ریاست کی طلب اصلاً آئمہ کے شایان شان نہیں ہے۔ چنانچہ اس بات کو وہ اپنی اسی کتاب میں آئمہ ہی میں سے بعض سے ثابت کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ علاء الدولہ سمنانی جو کہ حضرت علیؑ سے شدید عارفانہ لگاؤ رکھتے ہیں وہ کہتے تھے کہ حضرت علیؑ اپنے لئے خلافت کے خواہاں نہیں تھے بلکہ اپنے فرزند حسنینؑ کے لئے چاہتے تھے[2]

ابن روزبہان اپنی اسی کتاب "ابطال نہج الباطل" میں اشعار کے قالب میں بارہ آئمہ کی مدح و ستائش کرتے ہیں کہ جس سے ان کا بارہ امامی سنی ہونا اچھی طرح واضح ہوتا ہے۔ یہ اشعار انھوں نے حضرت فاطمہ زہراؑ کے فضائل سے بحث کا سلسلہ شروع رکھتے ہوئے اپنی کتاب "ابطال نہج الباطل" میں نقل کئے ہیں۔

---

[1] دلائل الصدق ج ۱ ص ۵،

[2] اندیشہ تفاہم مذہبی فصل، علاء الدولہ سمنانی، راہی نو برای تفاہم مذہبی ص ۹۰-۹۱

سلام علی المصطفی المجتبی — سلام علی السیّد المرتضی
سلام علی ستنا فاطمة — من اختارها اللّٰه خیر النّساء
سلام من المسک أنفاسه — علی الحسن الألمعی الرضا
سلام علی الأوزعی الحسین — شهید ثوی جسمه کربلا
سلام علی سیّد العابدین — علی بن الحسین الزکی المجتبی
سلام علی الباقر المهتدی — سلام علی الصادق المقتدی
سلام علی الکاظم الممتحن — رضی السجایا امام التقی
سلام علی الثامن المؤتمن — علیّ الرضا سید الأصفیاء
سلام علی المتقی التقی — محمدالطیب المرتجی
سلام علی الاریحی النقی — علیّ المکرم هادی الوری
سلام علی سید العسکری — امام یجهز جیش الصفا
سلام علی القائم المنتظر — ابی القاسم العزم نور المهدی
سیطلع کالشمس فی غاسق — ینجیه من سیفه المرتضی
تری یملاء الارض من عدله — کما ملئت جور اهل الهدی
سلام علیه و آبائه — و انصاره ما تدوی السماء

مصطفٰے و مجتبٰی پر سلام، سید المرتضٰی پر سلام
ہماری سیدہ و سردار فاطمہؑ کہ جن کو خدا نے خیر النساء کے عنوان سے منتخب کیا، پر سلام
ذہین و زیرک حسنؑ، رضا کے مشک سے معمور انفاس پر سلام
زیرک فراست والے حسینؑ کہ جن کا لاشہ کربلا کی ریت پر ہے، ان پر سلام
سید العابدین علیؑ ابن الحسینؑ زکی، مجتبٰی پر سلام
ہدایت کرنے والے باقرؑ اور مقتدٰی صادقؑ پر سلام
رنجور کاظمؑ امام التقی پسندیدہ خصلت تقی پر سلام
ثامن و موتمن علی رضاؑ سید الاصفیاء پر سلام

طیب وخشیت کے پیکر متقی وتقی محمدؑ پر سلام
دنیا کے ہادی، علی المکرم مستغنی نقیؑ پر سلام
صفائے آراستہ لشکر کے امام سید العسکریؑ پر سلام
ابوالقاسم نور مہدی قائم منتظرؑ پر سلام
عنقریب ایسے طلوع ہونگے جیسے اندھیری رات میں سورج، اپنی منتخب تلوار کے ذریعہ دنیا کو نجات دلائیں گے۔ تم ان کے عدل سے زمین کو مملو دیکھو گے، جیسا کہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔
آپؑ پر آپ کے آباء اور آپؑ کے ان انصار پر سلام آسمان جن کا طواف کرتا ہے[1]
ابن روزبہان نے کتاب، عالم آرائے امینی، اگرچہ آق قویونلو اہل سنت کے دربار میں لکھی تھی لیکن اس میں بھی امیرالمومنینؑ کے خاص فضائل تحریر کئے تھے جب وہ خلفائے رسولؐ کے تذکرے اور پھر ایک ایک حالات سپرد قلم کرنے کے بعد حضرت علیؑ تک پہونچتے ہیں تو حدیث غدیر اور کچھ فضائل لکھتے ہیں لیکن فضائل نقل کرتے وقت ان کا ارادہ کسی طرح بھی خلافت بلا فصل کے اثبات کا نہیں تھا اور کسی تقیہ کا بھی محل نہیں تھا(نہ یہ کہ وہاں تقیہ کا موقعہ نہیں تھا بلکہ ان کا قلبی عقیدہ یہی تھا)، ہاں یہ واضح ہے کہ وہ امام کے مرتبہ کو دوسروں سے بلند و برتر سمجھتے ہیں وہ اس کتاب میں حضرت امیرالمومنین علیؑ کے بعد آپؑ کے فرزند حسنؑ کو اور ان کے بعد حسینؑ کو آپؑ کا شائستہ جانشین سمجھتے ہیں، وہ کسی طرح بھی امویوں کے معتقد نہیں تھے چنانچہ امام حسینؑ کی

---

[1] فرہنگ ایران زمین ج ۳ ص ۱۷۹، ۱۸۰، مقدمہ احقاق الحق ج ۱ ص ۸۰ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ مرعشیؒ کو اس بات پر تعجب تھا کہ اتنے حسد وبغض کے باوجود مولف نے ایسے اشعار کیسے کہدیئے ہیں جبکہ اس کتاب سے یہ واضح ہے کہ وہ بارہ امامی سنی تھے۔

شہادت کے بعد حاکم سعادلہ کو مذموم و ملعون سمجھتے ہیں[1] وہ حضرت علیؑ کے مناقب اس طرح لکھتے ہیں۔

(F 10a) مناقب مرتضى علي رضي آلله عنه

چهارم خلفای کرام که چون خورشید أوج چهارم نور کمالش آفاق را منوّر ساخته است و علم علمش در مشارق و مغارب برافراخته أمیر المؤمنین ولي المسلمین سیّد الأولیاء سند الأصفیاء جامع المکارم الزّاهره و المفاخر الباهره صاحب قربت « أنت أخي في الدّنیا و الآخرة » ولی مؤمنان و مولی أهل ایمان بی ریب و اشتباه فایز بدعوت « اللهّم من کنت مولاه فعلي مولاه » است رضي آلله عنه و أرضاه آنکه درّ گرانمایهٔ ذات او را لقد منقبت « أنا مدینة العلم و علي بابها » بابها ساخته و در مصاف إجتباء فرمودهٔ « لا عطین هذه الرّایة غدا رجلاً یفتح آلله علی یدیه یحبّ آلله و رسوله و یحبّه آلله و رسوله » رایت رفعتش برافراخته شهد محبّت او بحکم « لا یحبّ علیاً منافق » مذاق أرباب نفاق را موافق نیست و حبّ حبّ او جز مزرع سینهٔ مؤمنان را بحکم « و لا یبغضه مؤمن » لایق نه در غدیر خم جرعهٔ « اللهمّ من کنت مولاه » بر او پاشیده و وعای دعای « اللهمّ وال من والاه و عاد من عاداه » از خمخانهٔ موالاة رحماني بمذاق آمال و اماني او چشانیده همای سعادت « اللهمّ ایتني بأحبّ خلقك إلیك یأکل معي هذا الطّیر » بر کنگرهٔ شرف و کرامت او نشسته و باب منقبت أمر رسول آلله صلی آلله علیه و سلّم بسدّ الأبواب إلاّ باب علی بر روی غیر او بسته جبهٔ پاکش در سجدهٔ بت (F 10b) هیچگاه بخاك نرسیده و دامن إدراکش را خار کفر و اشراك هرگز نکشیده نهال وجود مکرّمش در جویبار ایمان نشو و نما یافته و بعهد صبی در طرق صفاء و جادّهٔ وفاء شتافته است شب هجرت در جامهٔ خواب پیغمبر صلّی آلله علیه و سلّم آسوده و بدین إفتخار سر بر گرد بالش خورشید سوده است

إجتهادات آنحضرت ـ خورشید تیغش روز بدر ذرّات أرواح أعداء را بظلمات عدم رسانید و در دامن أحد شربت هلاك بکفّار ناپاك از دم تیغ زهرناك چشانیده در دعوای کمال شجاعت و فیروز مصافی الحقّ فرق شکافی عمرو بن عبد ودّ در جنگ خندق گواه حال او و بیّنة « لضربة علي یوم

[1] دربارۂ مناقب امیرالمومنین علیؑ و امام حسنؑ ۔ عالم آرائے امینی ص ۱۵-۱۷

خندق توازی عمل الثقلین » سرمایهٔ أعمال است روز خیبر بیضهٔ فرق مرحب یهود را به ضربه تیغ < تباه >۱ کرده، و در مصاف حنین بقوّت اصطبار لشکر أنصار را در پناه آورده چون نوبت خلافة < دررسید > در قتال بغات شاقه بمعاونت أغیار راضی نه و بحکم « أقضاکم علي » جز بحکم حق قاضی نه در ظلمت قتال جمل و صفین جز چراغ دین نیفروخته و علمای شریعت را سیرت قتال أهل بغی آموخته تا آنکه نیلوفر تیغ ابن ملجم بر سمن عارضش گل سرخ شکفانیده و سوسن دم بستهٔ خنجر آن پر ستم ارغوان بر بهارش ریزانیده چون گل خنده زنان « فزتُ و ربّ الکعبة » گویان بروضهٔ رضوان خرامیده و در گلستان لطف و (F 11a) إحسان ذی المنّ و الاکرام آرمیده

ابن روزبہان محمد خان شیبانی ۔ مقتول ۹۱۶ھ ۔ سے ملحق ہونے کے بعد اسی عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں، انھوں نے اہل بیتؑ کی الفت و محبت کو تسنن کے ساتھ جمع کر دیا ہے جبکہ اہلسنت کی اولین کھیپ اور دوسری صدی کے بعد والی نسل میں ایسا عقیدہ نہیں تھا۔

ابن روزبہان نے، مہمان نامہ بخارا،[1] جس کی تالیف ۹۱۵ھ میں مکمل کی تھی، ایک فصل زیارت امام رضاؑ کی فضیلت سے متعلق قائم کی ہے، وہ امام رضاؑ کو مظہر علوم نبیؐ اور وارث صفائے مصطفوی، امام برحق، راہنمائے مطلق، اپنے زمانہ امامت کا صاحب الزمان اور اپنے وقت سے استقامت میں وارث نبویؐ جانتے ہیں جب انھوں نے مشہد مقدس کی زیارت کا قصد کیا تھا تو اس وقت ایک قصیدہ کہا تھا جس کے بعض اشعار میں بارہ ائمہ کے بارے میں اپنے اعتقاد کا اظہار کیا ہے۔

(اشعار مع ترجمہ امام رضا علیہ السلام کے حالات میں ملاحظہ فرمائیں)

فصل اس زیارت کے بعد "خلیفۃ الرحمانی" یعنی محمد خان ازبک کا ذکر کرتے ہیں "امام رضاؑ کی درگاہ کے اوپر، جہاں امام رضاؑ کا نقارہ بجاتے ہیں، ہمایوں کے کیمپ کے نقارہ چی اور نفیری بجانے والے منتظر کھڑے تھے کہ جب ہمایوں اپنے لشکر کے ساتھ یہاں پہونچے تو نقارہ و شہنائی

---

[1] مہمان نامہ بخارا ص ۳۳۸

بجا ئیں"[1] اس کے بعد امام رضاؑ کی بارگاہ میں سلطان کے خضوع کے ذکر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے تبرک کے طور پر "سلسلۃ الذہب" والی حدیث مع ترجمہ لکھتے ہیں۔[2] بادشاہ کے خضوع کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کچھ ایسے مطالب لکھتے ہیں کہ جن کا نقل کرنا ابن روزبہان کے موقف کو سمجھنے کے لئے مفید ہے"....

جب دسترخوان سمیٹ لیا گیا تو روضۂ مطہر کے نقباء و سادات اور خدام نے ایک سبز علم کہ اہل بیت کا سبز علم جو کہ اہل اسلام پر سایہ فگن اور اہل ایمان کا دولت افزا رایت ہے عصا اور شمشیر سے سجایا جس کا غلاف فولاد سے بنایا گیا اور نفیس و بہترین بنایا کہ سالہا سال سے روضۂ مقدس کے خزانہ میں اس کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح دوسری بادشاہانہ چیزیں رسم کے مطابق نذر کی گئیں اور سب کے سامنے پیش کی گئیں کہ یہ علم و شمشیر امام رضاؑ کا حق ہے وہی زمانہ کی خلافت اور لوگوں کی امامت کے مستحق ہیں۔ جب علم و شمشیر خلیفۃ الرحمانی کے سامنے لائے تو خلیفۃ الرحمانی نے تعظیم و اکرام اور ادب کی رعایت کی، اور استقبال کے لئے بڑھے اور علم و شمشیر لینے کے سلسلہ میں بادشاہوں کی پرتکلف رسوم بجا لائے ایسے تعظیم و ادب اور احترام بجا لائے جو اہلِ بیتؑ کی مودت و موالات پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ آئمہ اہل بیتؑ سے ان کی محبت و مودت سب پر ظاہر و آشکار ہو گئی جبکہ اعمال و افعال اور اعتقادات میں بادشاہ جادۂ اہل سنت سے ایک قدم بھی نہ ہٹے جیسا کہ قزل بورک۔ صفویوں۔ کی منحوس جماعت خدا انہیں غارت کرے کہ اہلِ بیتؑ کی محبت صحابہ کرام پر لعن و طعن کرنے میں منحصر جانتے ہیں جبکہ محبت کا کمال یہ ہے محبوب کے تمام احباب و اقارب اور دوستوں کا احترام ملحوظ رکھا جائے۔

ابن روزبہان نے اس کے بعد کچھ اشعار قلم بند کئے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ محبت اہلبیتؑ

---

[1] حوالہ سابق ص ۳۴۳ - ۳۴۵

[2] مہمان نامہ بخارا ص ۳۴۶ - ۳۴۷

کے ساتھ صحابہ کی محبت بھی ضروری ہے۔[1]

مہمان نامۂ بخارا سے یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ سلسلۃ الذہب والی حدیث نقل کرنے کے سلسلہ میں اپنے شیوخ میں سے مکہ کے شرفاء میں سے "الشریف محیی الدین عبدالقادر الحسنی الحنبلی المکی، قاضی القضاۃ الحنبلیۃ بالحرمین الشریفین وامام الحنابلۃ فی حرم مکہ بحذاء الحجر الاسود وقدس اللہ روحہ" کا نام لیتے ہیں کہ جن کے پاس، شیخ الامام ابن صباغ المالکی رحمۃ اللہ کا نقل روایت کا اجازہ تھا اور خود مالکی نے بھی اپنی کتاب، الفصول المہمۃ فی معرفت الائمہ میں حدیث سلسلۃ الذہب نقل کی ہے۔ اس ارتباط سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ابن روزبہان صوفی منش ہونے کی بنا پر ولایت اہل بیتؑ سے لگاؤ رکھنے کے علاوہ مکہ میں ائمہ از حنبلی ومالکی سنیوں سے بھی متاثر تھے ابن صباغ مالکی کی کتاب بارہ امامی سنیوں کے مشہور آثار میں سے ایک ہے کہ جس کے بعض مطالب کشف الغمہ سے ماخوذ ہیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود ابن روزبہان کو ۸۹۸ھ میں آق قویونلو کے سلاطین کے دربار سے اصفہان واپس آنے کے بعد، ایران میں آہستہ آہستہ صفویوں کے ظہور کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس سے قبل انھوں نے اپنی کتاب "عالم آرائے امینی میں" جو کہ سلطان یعقوب۔ م ۸۹۲۔ کی سلطنت کے وقائع کے بارے میں لکھی تھی، شاہ اسماعیل کے اجداد کے سلسلہ میں بڑی شدت پسندی سے کام لیا تھا۔ چونکہ اس کے اجداد آق قویونلو کے سلاطین سے برسرپیکار رہتے لہٰذا ابن روزبہان نے اپنے مخدومین کے دفاع میں شیخ صفی کے خاندان کے خلاف قلم اٹھایا۔ اس سلسلہ میں انھوں نے سخت وتند لہجہ اختیار کیا تھا۔[2] صفوی مولف سے بہت ہی کبیدہ خاطر تھے۔

---

[1] مہمان نامہ بخارا ص ۳۴۶۔ ۳۴۷

[2] ابن روزبہان اجدادِ صفویہ خصوصاً شیخ صفی الدین طریقہ ارشادی کی ستائش کے ساتھ اس کے بیٹوں کی سلطنت طلبی کے بارے میں شیخ جنید اور اس کے بعد والوں کی بہت بدگوئی کرتے ہیں۔ کہتے ←

اس دارو گیر کے زمانہ میں ۹۰۹ھ میں علامہ حلّی کی کتاب "نہج الحق" ان کے ہاتھ آگئی اور علامہ پر خوب دل کھول کر طعن تشنیع کی اور نئی حکومت سے اور زیادہ دور ہو گئے۔ سیاسی مسائل

تھے۔ شیخ جنید نے اپنے اجداد کی سیرت کو بدل دیا اور اس کے خیال کے آشیانہ میں وسواس کے پرندہ نے بادشاہت کی خواہش کے انڈے دیدیے ہیں اور مملکت شکار کرنے کے لیے اپنی فکر کے شاہین کو ہر گھڑی کسی ملک کے تسخیر کرنے کے لیے اڑاتا ہے۔

چہ شد کز فقر میل جاہ کردی　　بہ جای خانقہ خرگاہ کردی

بہ تیغ از خلوت وحدت بریدی　　عصا افکندی و نیزہ گزیدی

کیا ہو گیا کہ فقر کو چھوڑ کر جاہ و حشم کی طرف مائل ہو گئے بجائے خانقاہ کے بڑے محل کو اختیار کر لیا تیغ سے خلوت کی وحدت کے ٹکڑے کر دیئے، عصا پھینک دیا اور برزہ اٹھا لیا۔

مزید لکھتے ہیں کہ اپنے مقصد کے حصول میں صفویوں کے صوفیوں نے ہر چیز کو مباح سمجھ لیا تھا، لوگوں پر ظلم کرتے تھے۔ اگر ان میں کسی کو اردبیل کے کسی آدمی سے عداوت ہوتی تو اسے عبرتناک سزائیں دیتے تھے، اپنے دشمن سے ان کے برتاؤ میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے ایک کتّے کو مٹی کے تیل میں تر کیا اور اس پر ماچس کی تیلیاں پھیلا دیں اور رات کے وقت جب وہ غریب اپنے بچوں کے ساتھ گھر میں بیٹھا ہوا تھا تو اس کے مریدوں نے اس میں آگ لگا کر روشن دان سے اسے اس فقیر سرائے کے صحن میں ڈھکیل دیا۔ آگ سے پریشان ہو کر کتّا چاروں طرف بھاگتا تھا جس سے گھر کا تمام اثاثہ آتش زدگی کی زد میں آ گیا۔ اگر اس شنیع حرکت کے بارے میں سوچے تو اسے بہت بڑا ظلم سمجھے گا.... کہتے ہیں کہ اسے سب اپنا معبود سمجھتے تھے۔ نماز و عبادت کے فرائض سے روگرداں ہو کر شیخ نے بھی ان کے لئے دین عبادت کو رواج دیا ہے اور شریعت کے قواعد خرمیان بابکی نے رائج کئے ہیں، نہایت ہی مکاری سے سر پہ صوفیانہ ٹوپی اور بر میں درویشانہ خرقہ و جوشن پہن لیا ہے اور جنگ کے لیے تلواریں کھینچ لی ہیں۔ (فرہنگ ایران زمین ج ۳ ص ۱۸۰ - ۱۸۲ صفویوں سے ابن روزبہان کے

سے ان کے لگاؤ اور ان کی خصوصیت تفحص نے انھیں اس بات پر ابھارا کہ وہ صفویوں سے کے دشمن ازبکان کے پاس چلے جائیں اور انھیں صفویوں کے خلاف جنگ پر ابھاریںؑ۔ شاہ اسماعیل کے اجداد سے اس کے سیاسی برتاؤ اور منہج الحق کے ساتھ اس کے فکری برتاؤ نے انھیں نئی حکومت اور شیعوں کے درمیان بدنام کر دیا۔

برتاؤ کی وضاحت کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے)

لہ صفویوں سے ان کی مخالفت کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں: مہمان نامہ ص ۴۳، ۴۵، ۴۷، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۳۴۶- ۳- مقدمۂ مہمان نامہ ص ۲۸، ۲۹- تاریخ ادبیان ایران، براون ج ۴ ص ۸۸ مقدمہ سلوک الملوک ص ۱۱۶ اور اس کا متن ص ۳۹۸- ابن روزبہان مہمان نامہ کے ص ۱۰۴ پر لکھتے ہیں۔ سلطان شیبانی کی بادشاہانہ شان وشوکت اس بات کی طرف متوجہ ہے کہ جو ننگ وعار کی گرد منافق وذلیل قزلباش کی راہ سے اڑکر سرزمین آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیٹھ گئی ہے اسے چمکدار تلوار سے صاف کر دے اور ان ملعونوں کے منحوس آثار کو اپنی لشکر کشی سے مٹا دے...... ابھی تک قزلباشوں کا یہ منحوس وبے وقوف گروہ اسلام کے عظیم ممالک آذربایجان، فارس، کرمان اور عراق میں ظاہر ہوا ہے اور مطلق طور پر اہل سنت والجماعت کی بنیادیں ہلا دی ہیں اور باطل راویوں کو پھیلا کر اور بے ہودہ عقائد کی اشاعت کے ذریعہ کفر وعدوان کی بنیادیں محکم کر دی ہیں...... مقتضا یہ ہوا کہ خدا ان ذلیلوں کے پھیلائے فساد کے قلع قمع کرنے کے لئے مصلح فی الارض کو بھیج دے اور اس فجار گروہ کی باتوں اور کردار سے صاحبان مناقب وفضائل اور طیب وطاہر جماعت آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو طعن وننگ کی گرد پڑ گئی ہے اسے اپنی شمشیر آبدار سے پاک کریں۔

عثمانی بادشاہ کو قزلباشوں کے خلاف بھڑکانے کے سلسلہ میں انھوں نے اشعار کے پیرایہ میں کہا:

اگر ملک شریعت مستقیم است　　همه از دولت سلطان سلیم است
زیمت در تزلزل فارس و ترک　　چو افکندی به سر تاج قزل بُرک

قاضی نوراللہ شوشتری نے سنہ ۱۰۱۴ھ میں ان کے جواب میں کتاب احقاق الحق لکھی[1]

فکندی تاجش از سر ای مظفر — کنون بفکن بہ مردی از تنش سر
قزل برک است ہمچون مار افعی — سرش را تا نکوبی نیست نفعی
توبی امروز ز اوصاف شریفہ — خدا را و محمد را خلیفہ
روا داری کہ گبر و ملحد دو — دہد دشنام اصحاب محمد

اگر کشور شریعت صحیح و سالم ہے تو سب سلیم بادشاہ کی حکومت کی وجہ سے ہے۔
تو نے اپنے رعب و دبدبے سے ترک و فارس میں قزل و برک کے سر سے تاج گرا دیا ہے۔
تو نے کامیابی کے سر سے اس کا تاج اتار پھینکا ہے اب اس آدمی کے تن سے سر جدا کر دے
قزل برک ایک اژدھا کی مانند ہے اگر تو اس کا سر نہ کچلے گا تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔
آج تو ہی بہترین اوصاف کا مجسمہ ہے، تو ہی خدا و محمد کا خلیفہ ہے کیا تمہیں یہ بات پسند ہے
کہ مجوس و ملحد اصحاب محمدؐ کو گالیاں دیں۔

مقدمہ سلوک الملوک ص ۱۶۔ اس کے باوجود انصاف سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیئے کہ ابن روزبہان صفویوں کے خلاف اپنی تمام کوششوں کے باوجود فرقہ امامیہ کو اسلامی فرقوں کا جزو سمجھتے تھے، چنانچہ وہ سلوک الملوک ص ۳۹۷ پر لکھتے ہیں: اس میں شک نہیں ہے کہ شیعہ امامیہ اسلامی فرقوں میں سے ایک ہے، وہ جمعہ و عید کی نمازیں اور قضاوت۔ فیصلے۔ اہل اسلام کے طریقہ سے انجام دیتے ہیں۔

[1] آخری دہائیوں میں علامہ محمد حسن مظفر نے ابن روزبہان کی رد میں دلائل الصدق لکھی ہے اس کتاب میں ابن روزبہان کی ابطال نہج الباطل کا متن بھی موجود ہے۔

اس سے ایرانی مورخین نے ابن روزبہان کو ایک متعصب سنی کے عنوان سے پہچانا اور خصلت شیعہ ستیزی میں انھیں ابن تیمیہ کے زمرہ میں قرار دیا۔ ان کے بارے میں ان کے معاصر حسن روملو لکھتے ہیں "محمد خان "ہمیشہ انھیں عداوت اہل بیت کا طعنہ دیتا تھا[1] معاصرین صاحبان قلم نے بھی بڑے شیعہ ستیز سنی کے عنوان سے متعارف کرایا ہے[2]۔ واضح ہے کہ اس تصویر کا ابن روزبہان کی شخصیت سے کوئی ارتباط نہیں ہے۔ وہ صفویوں کے مخالف تھے اور ازبکان کے علاوہ عثمانی بادشاہ سلطان سلیم کو بھی صفویوں کے خلاف بھڑکایا تھا لیکن ان کی اس حرکت کو فکری اقدام سے زیادہ سیاسی اقدام سمجھنا چاہیے۔

یہ بحث وسیلۃ الخادم الی المخدوم کے سرسری مطالعہ سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

ابن روزبہان وسیلۃ الخادم الی المخدوم میں

اس کتاب میں ابن روزبہان ایک سنّی مصنف اور محب اہل بیتؑ۔ اہل بیت چودہ معصومینؑ کے بارے میں شیعوں کے عقیدہ و لگاؤ سے نزدیک۔ کی صورت میں ابھرتے ہیں۔ انھوں نے خود کو کبھی بھی بارہ امامی کے عنوان سے نہیں پہچنوایا اگرچہ اپنے سنی ہونے کی بھی تصریح نہیں ہے لیکن یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ کتاب خاص ایک بارہ امامی سنی کے نظریہ کے تحت لکھی گئی ہے۔ ان پہلے خلفا کا بھی۔ برائی یا اچھائی کے ساتھ۔ کوئی ذکر نہیں کیا ہے[3] اگرچہ معاویہ کو بُرا کہا ہے۔ اور اہل بیتؑ سے اس کے برتاؤ کو کفر قرار دیا ہے اور اس بنیاد پر اس پر لعنت کو جائز جانا ہے۔

---

[1] احسن التواریخ ص ۲۲۶ [2] درآمدی فلسفی بر تاریخ اندیشہ سیاسی در ایران ص ۱۹۳

[3] غزوۂ خیبر کا جہاں ذکر کیا ہے وہاں اُن صحابہ کا بالکل ذکر نہیں کیا ہے جنھوں نے پہلے علم لیا اور فتحیاب نہ ہو سکے واضح ہے کہ دو صحابی خلیفۂ اول و دوم تھے۔

ابن روزبہان اس کتاب، جوکہ چودہ معصومینؑ کے حالات پر مشتمل ہے، کی تالیف کے محرک کے بارے میں لکھتے ہیں، اما بعد، واضح رہے کہ، ۲ رجب المرجب ۹۰۹ھ میں یہ حقیر، فضل اللہ بن روزبہان امین اصفہانی، خدا آئمہ معصومینؑ کی برکت سے اسے تمام ہم و غم سے نجات عطا کرے، حوادث زمانہ اور چرخ ناپائیدار کی گردش سے مختلف قسموں کی بلاؤں اور مصیبتوں میں پھنس گیا تھا۔ غربت کی تکلیف کے ساتھ خوف و شدت کا بھی اضافہ ہوگیا تھا، وطن کی فرقت کے ساتھ بھائیوں کی جدائی تھی، حالات بھی ناموافق تھے اور انصار و احباب کا فقدان نہایت ہی افسوس کا موجب تھا.... فی الجملہ رنج و الم کی بھرمار اور عوام کی شدت پسندی نے متحیر کر دیا تھا" دراصل یہ پریشانی شاہ اسماعیل کے برسر اقتدار آنے عراق عجم سے صفویوں کے تعلقات محکم ہونے کی بنا پر وجود میں آئی تھی، جس چیز نے مولف کو خوف زدہ کر دیا تھا اور اصفہان چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ اس نے انھیں اہل قبور سے متوسل ہونے والی فکر میں ڈبو دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ مدد مانگنے کے لئے اصحاب میں اس جماعت کو اختیار کروں کہ جس میں سے ہر ایک کی قبر دنیا نے آخرت میں بیت المعمور اور اہل حاجت کے لئے کعبۂ مقاصد ہو، ابن روزبہان نے اپنا مقصد چودہ معصومینؑ سے کہ جن کی قبور افلاک کے صندوق کی مانند زمین کی زینت ہیں، حاصل کیا اور چونکہ ان بزرگوں کے مراقد کی زیارت نہیں کر سکتے تھے، لہذا صدق دل اور پوری توجہ سے محبت و ولایت اہل بیتؑ کے شیفتہ ہو گئے تھے۔

اس کے بعد یہ ارادہ کیا کہ ان پاک ہستیوں کی صلوات کے متن کی تدوین کریں۔ کیونکہ مُیں نے بلاؤں سے نجات پانے اور حاجات و مقاصد کا حصول صلوات بھیجنے ہی میں منحصر پایا۔ یہاں مراتب صلوات کی ترکیبی صورت جلوہ گر ہوئی جو کہ چودہ معصومینؑ کے بعض فضائل و مناقب اور مفاخر پر مشتمل تھی جو کہ ذہن میں محفوظ تھے، انھیں لوح دل سے نکال کر قلم کی مدد سے سینۂ قرطاس کی زینت بنا دیا ہے۔ لیکن صلوات کا متن عربی میں تھا اور آئمہ کے

بعض مناقب کی جانب صرف اشارہ ہی ہو سکا تھا، اس لئے فارسی شرح کی ضرورت تھی" چونکہ اس صلوات کی ترکیب معصومینؑ کے احوال و مناقب اوصاف والقاب اور ان کے مراقد کے واقعات پر مشتمل تھی۔ میرے ایک دوست نے، جو کہ اس کا مطالعہ کرچکا تھا، درخواست کی اس صلوات کی ایسی شرح کر دیجئے کہ جس میں حلِ لغت اور اشارات و احوال و واقعات کی وضاحت وفات کے اسباب اور ان کے القاب کی وجہ تلقب ہو مختصر یہ کہ وہ چودہ معصومینؑ کی اجمالی سوانح حیات پیش کر سکے، مولف نے مقدمہ کے آخر میں لکھا ہے" اتمام کے بعد انشاء اللہ یہ (تحریر) وسیلۃ الخادم الی المخدوم در شرح صلوات چہاردہ معصومین سے موسوم ہوگی۔

مقدمہ میں مولف غربت، بھائیوں اور وطن کے بزرگوں کے فراق کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ معلوم ہے کہ ۹۰۹ھ ہی میں انھوں نے قاسان (کاشان) میں، ابطال نہج الباطل لکھی تھی لیکن قاسان سے یہی عراق عجم والا کاشان مراد ہے یا ماوراء النہرؔ والا قاسان مقصود ہے اس سلسلہ میں اختلاف ہے۔ اس کتاب کے متن سے ایسا لگتا ہے کہ اس سال مولف کاشان میں تھے اور وہیں اس کتاب کی تالیف کی تھی، چنانچہ وہ اسی کتاب میں تصریح کرتے ہیں کہ کاشان سے خراسان کے سفر کا ارادہ ہے۔

اس کے علاوہ مولف نے کتاب کے نسخہ پر ایک یاد داشت بھی لکھی ہے جس کو ہمارے نسخہ کے کاتب نے من و عن یہاں نقل کیا ہے۔ اس یاد داشت میں مولف نے اپنے ان

لہ جناب محمد امین خنجی نے "لارستان کہن" میں داز: احمد اقتداری) اسے کاشان جانا ہے۔ پھر فرہنگ ایران زمین کی ج ۴ ص ۱۷۲ پر اسے غلط قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ کتاب قاسان ماوراء النہر میں تالیف کی گئی ہے۔ جناب ستودہ صاحب نے اس نظریہ کو قبول نہیں کیا ہے وہ اس کا محل تالیف کاشان ہی سمجھتے ہیں (مقدمۂ مہمان نامہ ص ۲۴) جناب محمد علی موحد نے ستودہ صاحب کے نظریہ کو رد کیا ہے (مقدمہ سلوک الملوک ص ۱۱) البتہ ستودہ صاحب کا نظریہ صحیح ہے۔

چند اشعار کے بعد جو کہ امام رضاؑ کی مدح میں ہیں۔ چونکہ آخری شعر میں اپنا تخلص امین لکھا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سنہ ۹۱۲ھ میں وہ ہرات میں تھے اس یادداشت کو اس نسخہ پر لکھا ہے جو کہ آستانۂ قدس رضوی کے لئے وقف ہے۔ اس یادداشت میں سے انھوں نے نقیب سادات خراسان، جمال الدین محسن الحسینی الموسوی الرضوی کو اس نسخہ کا متولی قرار دیا ہے اگر وہ اس کتاب کی جہاں مصلحت سمجھیں حفاظت کریں اور اجتماعات کے موقع پر اسے آستانہ قدس رضوی میں حاضر کریں تاکہ لوگ اسے سنیں۔"

مولف نے اس یادداشت اور کتاب کے مقدمہ میں جو مطالب اپنے متعلق بیان کئے ہیں ان کے علاوہ کتاب میں بھی بعض مواقع پر اپنے بارے میں کچھ اشارہ کئے ہیں۔ ایک موقع پر وہ رسولؐ کے معجزات کے بارے میں کچھ مطالب بیان کرنے کے بعد اظہار کرتے ہیں " اگر مہلت ملی تو انشاء اللہ تعالیٰ اس موضوع پر عربی میں ایک ضخیم کتاب لکھیں گے اور اس کا نام جامع المعجزات لکھیں گے" مولفین نے ان کے جن آثار کا ذکر کیا ہے ان میں اس کا ذکر نہیں ہے، ممکن ہے کہ وہ تالیف ہی نہ کر سکے ہوں۔ اس طرح حضرت علیؑ کے فضائل نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ کسی بھی شخص کے فضیلت میں اتنی احادیث نہیں آئی ہیں جتنی حضرت علیؑ کی فضیلت میں آئی ہیں، یہاں اگر ہم ان آیات و روایات کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں تو اس کتاب میں اس کی گنجائش نہ رہے گی انشاء اللہ انھیں ہم الگ کتاب میں جمع کریں گے۔"

ابن روزبہان امام حسینؑ کے حالات اور آپؑ پر پڑنے والے مصائب کے بارے میں لکھتے ہیں: " اس حقیر میں ان حکایات کی تفصیل لکھنے کی طاقت نہیں ہے کیونکہ اس سے میرے جوڑ و بند میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے اور آپؑ کے مصائب اس طرح میرے دل پر اثرانداز ہوتے ہیں کہ میرے ہوش و حواس اور عقل و دانائی معطل ہو جاتے ہیں پھر ان کی تکرار میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔" اس سے خوارج و دشمنان خوش ہونگے اور ان ملعونوں

کی فتحیابی کا بیان ہوگا۔" البتہ مولف سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان مصائب کو یاد کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے شخصی مصائب کا بار ہلکا ہوجاتا ہے۔ دو صفحوں کے بعد لکھتے ہیں "حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایسا عظیم سانحہ نہیں ہوا تھا، جس نے آپؑ سے جنگ کا قصد کیا، جنگ میں شریک ہوا اور اس سے خوش ہوا تو خدا اس پر اپنے علم کے برابر لعنت کرے اسی طرح ان لوگوں پر تا قیامت خدا کی لعنت ہو جنھوں آپؑ کے والد ماجد اور جد عالی قدر اور بھائی و والدہ ۔ علیہم الصلوات والسلام ۔ پر ظلم کیا اور انھیں تکلیفیں پہونچائیں مولف حرز امام صادقؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "بحمد اللہ تعالیٰ اس فقیر کو وہ یاد ہے اور حقیر کے اورادیں سے ہے کہ سالہا سال سے اس کی مداومت کرتا ہوں اور میں بحمد اللہ دشمنوں کے شر سے اس حرز کی پناہ میں محفوظ و مصون ہوں" وہ حدیث سلسلۃ الذہب کی، کہ تمام رواۃ آئمہ معصومینؑ ہیں، برکتوں کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں: "مجھ کمترین نے اس کا تجربہ کیا ہے کہ میں نے جس مریض کی عیادت کی اور میں نے اس حدیث کو اسناد کی صداقت کے ساتھ اس پر پڑھا اور اس کے حق میں شفا کی دعا کی، اگر اس کا وقت پورا نہیں ہوا تھا تو اسے ضرور کی شفا نصیب ہوئی اور اسی وقت میں شفا کے آثار نمودار ہوئے. یہ حقیر کے مجربات میں سے ہے"۔

وہ دوسری جگہ امام رضاؑ کے فضائل اور طوس میں آپؑ کے دفن کے ضمن میں لکھتے ہیں "کمترین فضل اللہ بن روز بہان امین کی بڑی امید ہے کہ اس حقیر فقیر کو امام رضاؑ کے مرقد مطہر اور مشہد منور کی بخیر و عافیت زیارت نصیب ہو اور اس کتاب "وسیلۃ الخادم الی المخدوم" کو اہل بیتؑ کے دوستوں کے لئے آپؑ کے آستانہ مطہر کی نذر کروں، آپؑ سے تولا تو اس حقیر کی دیرینہ عادت ہے اور آپؑ سے محبت و عقیدت حقیر کے سینہ کا نقد خزانہ ہے۔ جو حادثہ بھی میرے سامنے آتا ہے اس میں آپؑ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں اور آپؑ کو ذریعہ نجات سمجھتا ہوں اور ہر رنج و الم میں آپؑ کی روح پاک سے مدد

چاہتا ہوں۔

اس کے بعد وہ اپنا وہ خواب بیان کرتے ہیں جو کہ ۹۰۶ھ کے ماہ صفر میں شب جمعہ اصفہان۔ جس کو اپنا مسکن و محل نشو ونما سمجھتے ہیں۔ میں دیکھا تھا۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ امام رضاؑ ایک شیر پر سوار ہیں اور مولف بھی ان کے ہم کاب ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے کچھ اشعار کہے ہیں جو کہ متن میں بیان کئے ہیں۔ اس کے بعد اپنی ان مصیبتوں کا ذکر کیا ہے جو اس کتاب کی تالیف کے زمانہ میں پیش آئی تھیں لکھتے ہیں؛ کمترین حوادث زمانہ سے اور گردشِ چرخِ ناپائیدار کی وجہ سے اوطان واخوان سے دور کاشان میں خراسان کے سفر کے عزم سے قیام پذیر تھا" انھیں بڑی تمنا تھی اس سال مرقد امام رضاؑ کی زیارت کو جائیں۔ دوسری جگہ وہ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ "اس سال ہمیں امام رضاؑ کے روضہ مقدس کی بخیر وعافیت زیارت نصیب فرما۔

جیسا کہ اس بحث کے آغاز میں اشارہ ہو چکا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے ہر وہ قاری مولف کو سنی ہی سمجھے گا جو کہ شیعہ اور سنی تہذیب سے آشنا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ معمولی سنی نہیں ہیں کیونکہ تو لا اس بات کا سبب ہوا کہ وہ چودہ معصومینؑ کے سلسلہ میں ایک مفصل کتاب تحریر کریں۔ اور اس میں وہ بہت سے معجزات نقل کریں جو کہ ان بزرگواروں کے حالاتِ زندگی میں بیان ہوئے ہیں، معمولی سنیوں میں یہ بات دیکھنے میں نہیں آتی ہے یہ یاد دہانی اس لئے کرائی گئی ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ کتاب ایک اثنا عشری کی تالیف ہے، ابن روزبہان کی نہیں ہو سکتی ہے۔ گذشتہ صفحات میں جو وضاحت کی گئی ہے اور جو چیزیں مولف نے اپنے بارے میں اپنی کتابوں میں درج کی ہیں ان کی بنا پر کسی شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس اس کتاب کے دو نسخے موجود ہیں۔ البتہ ایک جگہ کتاب میں بیان ہوا ہے کہ" وہ (امام محمد تقی) اپنے والد امام رضاؑ کے بعد والد کے نص سے امام ہوئے اور اس سلسلہ میں ہم امامیہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے" یہ ہم

کاتب کی غلطی ہے، یا یہ لفظ زائد ہے، شاید مولف نے کشف الغمہ سے اسے من وعن نقل کیا ہے اسی طرح دسویں اور گیارہویں امام علیہما السلام کے حالات میں بھی یہ عبارت کہ ان کی امامت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں" نقل ہوئی ہے۔ دوسری جگہ کتاب میں امامیہ کا عقیدہ بیان کرتے ہیں اور اس پر بس کرتے ہیں کہ یہ ہے امامیہ کا اعتقاد، جب گروہی لحاظ سے امامیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے تو ان کی طرف سے ایسی بات کیسے کہتے ہیں، ایسے ہی اہل سنت کی رائے کے مقابل میں کہتے ہیں۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولف کے موقف کی شناخت کے لئے ان کی تولّی و تبرّیٰ والی بحث کی طرف اشارہ کریں، اس بحث کی ابتدا میں انھوں نے پہلے امامیہ کا عقیدہ بیان کیا ہے پھر اہل سنت کا عقیدہ سپرد قلم کیا ہے۔ اس کے بعد فیصلہ کرتے ہیں، دونو کی نزاع کو لفظی قرار دیتے ہیں، اہل بیت سے تولّی کے بارے میں پہلے امامیہ کا عقیدہ اور ان کی دلیلیں بیان کرتے ہیں، ایک آیۂ انما ولیکم اللہ اور دوسرے حدیث غدیر ہے پھر کہتے ہیں "امامیہ کا مسلک یہ ہے کہ تولّی و تبرّیٰ دونوں ایمان کا جزء ہیں، اور اگر کوئی تولّی و تبرّیٰ کے معنائے مذکورہ پر ایمان نہیں رکھتا ہے تو وہ مومن نہیں ہے"۔ اس کے بعد اہل سنت کے عقیدہ کو بیان کرتے ہیں، اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ رسولؐ اور آپؐ کی آل سے تولّی محبت رکھنا بندہ پر واجب ہے اور ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کرنا ہر مومن کا عین فرض ہے' لیکن تفاوت اس میں ہے کہ امامیہ معتقد ہیں کہ اہل بیتؑ سے تولّی پر براہ راست نص موجود ہے جبکہ یہ کہتے ہیں کہ "علیؑ و آئمہ اثنا عشر رسولؐ کے محبوب ہیں اور رسولؐ ایمان کا جزء ہیں لہٰذا اہل بیتؑ کی محبت بھی ایمان کا جزء ہے" ما حصل یہ کہ "ظاہر ہوا کہ تولّی و تبرّیٰ فریقین کے اتفاق سے ایمان کا جزء ہیں" نزاع اس میں ہے کہ اسے علیحدہ ذکر کیا جائے اور ایمان کا علیحدہ جزء شمار کیا جائے یا یہ رسولؐ پر ایمان رکھنے کے زمرہ میں آجاتا ہے، مولف کے لحاظ سے اس سلسلہ میں جو نزاع ہے وہ معمولی ہے اور نزاع لفظی سے قریب ہے۔ اس بحث سے مولف کا

سنّی ہونا معلوم ہوتا ہے اس کتاب میں وہ شیعوں کو رنج نہیں پہونچانا چاہتے تھے۔

اس سلسلہ میں ایک حقیقت کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ مولف نے ۹۰۹ھ میں کتاب ابطال نہج الباطل لکھی۔ لیکن زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ اصفہان کے حدود تک اسماعیل کے قبضہ میں آگئے۔ مولف اس سال کے ماہ رجب میں یعنی اس تالیف کی تکمیل کے ٹھیک ایک ماہ بعد زیر نظر کتاب کی تالیف کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ البتہ اس زمانہ میں اس تالیف کا آغاز تھا، کیونکہ مقدمۂ کتاب میں، جو کہ اس تاریخ میں لکھا گیا ہے، بیان ہوا ہے کہ اگر یہ تالیف مکمل ہوگئی تو اس کتاب کو "وسیلۃ الخادم الی المخدوم" سے موسوم کروں گا۔

شاید مولف صفویوں سے قریب ہونے کے لئے ایک تحفہ تیار کرنا چاہتے تھے، شاید یہ بھی اظہار کرنا چاہتے تھے کہ اگرچہ میں نے ابطال نہج الباطل لکھدی ہے لیکن میں اہلبیتؑ سے دشمنی نہیں کرنا چاہتا یہاں تک کہ شیعہ و سنّی کے درمیان نزاع بھی نہیں ایجاد کرنا چاہتا ہوں۔ حد ہے کہ مولف تولّی و تبرّیٰ ایسی اہم بحث کے سلسلہ میں جو نزاع ہے اسے بھی لفظی قرار دیتے ہیں، اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئے تبرّے کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور معاویہ کو اس شخص کے عنوان سے پہچنواتے ہیں کہ جس پر کفر کے خصائل صادق آتے ہیں اور قابل لعنت ہے۔ لیکن پوری کتاب میں کہیں بھی اولین خلفاء کے بارے میں کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔

گفتنی ہے کہ مولف نے امام مہدیؑ کے بارے میں مفصل بحث کی ہے اور یہ کہ آپؑ زندہ ہے یا نہیں، یا آپؑ وہی مہدیؑ جس کے امامیہ معتقد ہیں یا وہ نہیں ہیں، اس سلسلہ میں مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں "اس امر میں حسب احتیاط ہم امامیہ کی موافقت کرتے ہیں اور محمد بن الحسنؑ کو مہدی موعود تسلیم کرتے ہیں وہی قائم و منتظر ہیں" دوسری جگہ لکھتے ہیں "حق یہ ہے کہ حضرت مہدیؑ پیدا ہو چکے ہیں اور آج (بھی) موجود ہیں" مولف

اس معجزہ کو نقل کرنے کے بعد جو کہ ایک مریض کے شفا پانے سے متعلق ہے اور علی بن عیسیٰ اربلی نے اسے کشف الغمہ میں نقل کیا ہے، بہت متاثر ہوتے ہیں اور حضرت مہدیؑ کی شان میں اشعار لکھتے ہیں:۔

در رهی دیدم مهی، حیران آن ما هم هنوز — عمر رفت و من مقیم آن سر راهم هنوز
چون نسیم صبحگاهی بر من بی‌دل گذشت — من نسیم وصل آن مه را هوا خواهم هنوز
می‌فزاید مهر او هر روز در خاطر مرا — گرچه من کاهیده‌ام از درد می‌کاهم هنوز
گرچه آه آتشینم خرمن جان سوخته — می‌رود تا اوج گردون آتش آهم هنوز
انتظار شاه مهدی می‌کشد عمری امین — رفت عمر و در امید طلعت شاهم هنوز

میں نے راستہ میں چاند دیکھا کہ جس سے ابھی تک متحیر ہوں، عمر گزر گئی لیکن میں ابھی تک اسی راستہ کے کنارہ کھڑا ہوں جو نسیم صبح مجھ پر ایسے اجڑ کے قریب سے گزرتی ہے تو میں اس چاند کی نسیم وصل کا ابھی تک خواستگار ہوتا ہوں، میرے دل میں ہر روز ان کی محبت بڑھتی جاتی ہے اگرچہ درد سے گھل گیا ہوں اور ابھی تک گھل رہا ہوں، اگرچہ میری آہ کی آگ نے میرے خرمن جان کو جلادیا ہے لیکن میری آہ کا دھواں ابھی تک آسمان تک پہونچتا ہے۔ شاہ مہدی کا عمر بھر امینؔ نے انتظار کیا، عمر گزر گئی مگر شاہ کو دیدار کی ابھی تک امید ہے۔

ہر نہج سے کہا جا سکتا ہے کہ زیر نظر کتاب ایک قیمتی اثر ہے جس کے بارے میں ابھی تک کوئی آگاہی نہیں تھی، اس کتاب کی قیمت علاوہ اس کے کہ یہ آئمہ معصومؑ کے حالات پر مشتمل ہے ایران میں مذہبی فکر کے ایک مرحلہ کی غماز بھی ہے اس مرحلہ سے پتہ چلتا ہے کہ علما کی کثیر تعداد اور ان کے اتباع میں عام لوگ آئمہ معصومینؑ کے معتقد رہے ہیں اور تشیع کی ترقی کے لئے زمین ہموار کی ہے۔ رہی یہ بات کہ فضل اللہ صفویوں سے کیوں ملحق نہ ہوئے شاید پندرہ سال قبل جو اس خاندان کے بارے میں تندروی اختیا

کی تھی اس نے ملحق ہونے کی اجازت نہیں دی تھی ہم جانتے ہیں کہ ایران میں تشیع کے گسترش میں صفویوں کو کسی قسم کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اس مرحلہ کو سنیوں کے تشیع سے قریب ہونے کا سرچشمہ سمجھنا چاہیے۔

مولف نے جب زیر نظر کتاب کی تالیف کی اس وقت منابع دست اختیار میں نہیں تھے، یہ چیز مولف نے مقدمہ میں بیان کی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض ائمہ کی احادیث و اخبار کی دوسرے ائمہ سے نسبت دیدی ہے، یا بعض مواقع پہ تاریخی اشکالات سے دوچار ہوئے ہیں، ہم نے ایسے موارد میں سے بعض کی حاشیہ پر وضاحت کر دی ہے، زیر نظر کتاب دینی معلومات کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ ادبی لحاظ سے قابل توجہ ہے اس چیز کی طرف ماہرین فن کو توجہ دینا چاہیے۔

صلواتیہ

مسلمانوں کے خصوصاً شیعوں کے دعائی ادب میں "صلواتیہ" عنوان کے تحت ایک فصل موجود ہے آیۂ إنّ الله و ملائكتهٗ يُصَلُّونَ عَلَى النّبِىّ يا أيُّها الذّين آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوا تسليما سے مسلمانوں کے درمیان اس فصل نے رواج پایا، رسولؐ خدا سے ایسی بہت سی روایات نقل ہوئی ہیں جن میں آپؐ نے لوگوں کو صلوات کا طریقہ تعلیم فرمایا۔ اس صلواتیہ کے مباحث کا حصہ اہل بیتؑ کو درود بھیجنے میں رسولؐ سے ملحق کرنے کے بارے میں ہے اس سلسلہ میں شیعہ اور اہل سنت کے درمیان اختلاف ہو گیا ہے فضل بن روزبہان نے اپنی تحریر صلواتیہ پر جو مقدمہ لکھا ہے اس میں اختلاف کو بیان کیا ہے۔

صلوات کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں منجملہ ان کے شیخ ابو عبداللہ محمد بن سلیمان حسنی دم ۸۹۴ھ، کی کتاب دلائل الخیرات و شوارق الانوار فی ذکر الصلاۃ علی النبی

المختار ہے۔[1]

دوسری کتاب ابو عبد اللہ محمد نمیری (م ۶۴۴ھ) کی اعلام بفضل الصلواۃ علی خیرالانام ہے، تیسری کتاب تاج الدین ابو حفص عمر بن علی اسکندری (م ۷۳۱) کی الفجر المنیر فی الصلواۃ فی البشیر النذیر ہے۔ چوتھی کتاب شہاب الدین تلمسانی (م ۷۷۶) کی دفع النقمہ فی الصلواۃ علی نبی الرحمۃ ہے۔ پانچویں کتاب شمس الدین ابوالخیر محمد مصری شافعی (م ۹۰۲) کی القول البدیع فی الصلواۃ علی الحبیب الشفیع ہے۔ چھٹی کتاب احمد بن حجر ہیتمی (م ۹۷۳) کی الدر المنضود فی الصلواۃ علی صاحب المقام المحمود ہے۔[2]

ملا حسین کاشفی کی کتاب "تحفۃ الصلواۃ"[3] میں صلوات کے کلی مباحث بیان ہوئے ہیں۔ مولف نے اس کتاب کی چند فصلوں میں صلوات سے متعلق مطالب بیان کئے ہیں آیۂ صلواۃ سے متعلق نکات، صلوات و تسلیم کے معنی، صلوات کے وجوب و استحباب کے مباحث، صلوات و تسلیمات کی کیفیت، صلوات کے فضائل و فوائد، تارک الصلوات کی مذمت، صلوات شروع کرنے سے پہلے مصلی کے آداب اور خاتمہ صلواتِ متنوعہ کے بیان میں کاشفی نے سلطان حسین بایقرا کی شریک حیات خدیجہ بانو کے حکم سے اس کتاب کی تلخیص کی جس کا نسخہ موجود ہے۔[4]

---

[1] فہرست مرعشی ج ۵ ص ۸۸ شمارہ ۱۶۹۲، کشف الظنون ج ۱ ص ۵۹۷، فہرست کتاب ہائے چاپی عربی مشار ص ۲۶۶ کتاب خانہ مجلس شمارہ ۲۴۳۷، ۱۲۳۳۱۔

[2] میراث اسلامی ایران، دفتر سوم ص ۶۵۷-۶۵۸۔

[3] اس کتاب کے نسخے ایران کے کتب خانوں میں موجود ہیں منجملہ کتب خانہ مجلس میں: شمارہ ۱۲۴۹۸۸۔ تہران یونیورسٹی میں: شمارہ ۸۹۹۴-۹۱۸۲ ہے۔

[4] فہرست نسخہ ہائے خطی کتابخانہ ہائے اصفہان ج ۱ ص ۲۶۔

ان صلواتیوں کے درمیان کچھ انشائی صلواتیہ بھی موجود ہیں جو کہ رسولؐ اور اہل بیتؑ کی ستایش میں مولف کے ذوق کے مطابق ہیں۔ ان صلواتیوں کے نمونے زمانۂ قدیم سے دسترس میں ہیں منجملہ صلواتیہ ہے جو محی الدین عربی کی طرف منسوب ہے اور آئمہ معصومینؑ کے بارے میں ہے۔ ایک صلواتیہ خواجہ نصیر طوسی کا ہے جو دوازدہ امام کے نام سے مشہور ہے اور میر قوام الدین حسینی نے اس کی شرح میں رسالۂ الباقیات الصالحات لکھا ہے[1] خود میر قوام نے، تحیات طیبات، کے نام سے ایک صلواتیہ لکھا ہے۔ دوسرا صلواتیہ، انشاء الصلوات والتحیات، شیخ علی بن حماد اور سید عبدالکریم جزائری نے لکھا ہے۔

اس موضوع سے متعلق بعض رسائل وکتب درج ذیل ہیں۔ دوازدہ امام، مولف محمد دہدار، صلوات کبیر بر پیغمبرؐ، مولف رضی بن ابراہیم شعبی۔ سر ورصدور الاولیا مولف علم الہدیٰ صلوات وفضائل آن مولف سید محمد رضوی اصفہانی، فضائل صلوات بر پیامبر، مولف سید احمد حسینی اردکانی[2]۔

دیگر وہ کتب جن کا آقا بزرگ تہرانی نے ذکر کیا ہے، الصلوات والتحیات، مولف فیض کاشانی، الصلوات المنظوم۔ مولف محسن، بن مولیٰ سمیع بن حسین بن علم الہدیٰ بن فیض کاشانی، الصلواتیہ، دوسری جلد زبدۃ الاولین والآخرین کے نام سے مرقوم ہے، مولف محمد بن فرج نجفی، شیخ حر عاملی کے ہمعصر تھے[3]، ضیاء المستضیئین۔ مولف عتیق بن حسین موسوی[4]۔ فضل بن روزبہان کا صلواتیہ بھی صلواتیوں کی اسی فہرست میں ہے۔ ابتداء میں انھوں نے ایک صلوات لکھی ہے پھر اس کی شرح کی ہے۔ اس شرح میں کلی طور پر آئمہ کی زندگی اور ان کے خصوصیات کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

---

[1] یہ رسالہ ابوالفضل حافظیان کی کوشش سے، میراث اسلامی کے دفتر سوم میں چھپ چکا ہے [2] میراث اسلامی ایران دفتر سوم مقدمۂ رسالہ الباقیات الصالحات ص ۶۵۸۔ [3] ذریعہ ج ۱۵ ص ۱۸۶، ۱۸۷۔ [4] ذریعہ ج ۱۵ ص ۱۳۰

کتاب کے نسخے

میں جس زمانہ میں، بارہ امامی اہل سنت کے آثار کی جستجو میں تھا اور آیۃ اللہ العظمی نجفی رحمۃ اللہ کے کتب خانہ کے محققین کی ایک کتاب کی آمد کے انتظار میں تھا، اس زمانہ میں کتب خانہ کے قلمی نسخوں کی ایک جلد کا مطالعہ کیا، جب میں نے کتاب کھولی تو زیر نظر کتاب کو، جو کہ بارہ امامی تسنن کی تاریخ کا بہترین ثبوت ہے، اس میں پایا۔ فوراً میں نے اسے اپنے نام ایشو کرایا، مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ بہترین کتاب حاصل ہوئی ہے۔ فضل اللہ کے حالات زندگی کی جستجو کے بعد، اگرچہ ان کے آثار میں اس قیمتی کتاب کا سراغ مل گیا تھا، مثلاً کشف الغمہ کی تلخیص و ترجمہ۔ لیکن اس کتاب کا نام درج نہیں تھا، کتاب کے تجزیہ و تحقیق سے مولف سے اس کی نسبت واضح ہو گئی۔ اس زمانہ میں اس کتاب کے بارے میں ایک رپورٹ اپنی کتاب "دین و سیاست در دورہ صفوی" میں شائع کی، کچھ عرصہ بعد اس کا متن طبع کیا۔ اس زمانہ میں مجھے اس بات کا شدید افسوس تھا کہ صرف اس کتاب کا ایک نسخہ ملا تھا جس کے چند صفحات بھی غائب تھے، خوش قسمتی اب، جبکہ اس کا دوسرا ایڈیشن طبع ہو رہا ہے، دوسرا نسخہ بھی دستیاب ہو گیا ہے اور نقص برطرف ہو گیا ہے

مرعشیؒ[1] کے کتب خانہ کے فہرست نویس محقق کے مطابق مذکورہ کتب خانہ کے نسخہ کی کتابت اس نسخہ کی رو سے جس پر مولف کا وقف نامہ ہے، بارہویں صدی میں ہوئی ہے۔ مگر افسوس اس نسخہ کے کاتب نے کم علمی کی وجہ سے بہت سے الفاظ و لغات کو غلط لکھ دیا ہے یہاں تک ان کی صحیح شناخت کا امکان بھی بہت ہی کم ہے۔ اور چونکہ مذکورہ کتاب

---

[1] فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ حضرت آیۃ اللہ العظمی مرعشی نجفی ج ۱۶ ص ۶۶، ش ۶۰۶۴۔

کا ایک ہی نسخہ دسترس میں تھا اس لئے ان غلط موارد کی تصحیح کا امکان بھی نہ تھا۔ اس کتاب میں ان غلطیوں کی اصلاح کردی گئی ہے[1]۔

یہ مقدمہ اصلاحات کے ساتھ لکھا ہے، مطبوعہ کتاب کے متن کو دوسرے نسخہ سے، جو کہ ہمدان میں کتابخانہ 'مدرسہ مرحوم آخوند میں موجود ہے، ملالیا گیا ہے اور اس کے نواقص کو، جو کہ کہیں کہیں کئی صفحات تک تھے، برطرف کردیا گیا ہے، آیۃ اللہ مرعشی کے کتابخانہ کے نسخہ کے متن کے لئے 'م' اور مدرسہ آخوند کے کتاب خانہ کے لئے 'خ' کی علامت مقرر کی۔

یہ کتاب مجموعہ ۱۰۸۳۶ کے ص ۴۷ - ۹۶، کے حاشیہ پر، رسالہ ہفدہم (فہرست مقصودی ص ۴۵۳) پر شائع ہوئی ہے یہ مجموعہ بہت ہی قیمتی ہے، اس کا نصف مرعشیؒ کے کتاب خانہ میں اور نصف، آخوند کے کتاب خانہ میں موجود ہے۔

محبی دانشور جناب محمود توکلی ہمدانی کے ہم شکر گزار ہیں کہ جنھوں نے بڑی لگن سے مطبوعہ متن کا کتابخانہ مرحوم آخوندؒ کے نسخے سے مقابلہ کیا ہے اور اپنا نتیجہ کار حقیر۔ رسول جعفریان۔ کے اختیار میں دیا، انشاء اللہ اس کی جزا انھیں روز حشر، کہ جب ہم سب کو ہمیشہ سے زیادہ مدد کی احتیاج ہوگی، آئمہ طاہرینؑ کے دست مبارک سے پائیں گے۔ اسی طرح دانشور جناب عبد الحسین طالعی اور محمد حسین صفاخواہ کے بھی شکر گزار ہیں کہ زیر نظر کتاب کے ہمدان کے نسخہ سے مقابلہ میں وساطت کی۔

اپنے کاموں کے بارے میں اس کا اضافہ کردوں کہ میں کتاب کی نقول کے کامل منابع کے استخراج کا خواہاں نہیں تھا۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ کتاب کا متن منظر عام پر آجائے اس کے باوجود اگر درمیان کار کسی منبع کی طرف رجوع کیا گیا تو اسے حاشیہ پر لکھدیا ہے۔

---

[1] بعض مواقع پر عبارت کی تصحیح میں ہم نے حضرت استاد محمد رضا جعفر اور علامہ سید احمد حسینی اشکوری دامت برکاتہما سے مدد لی ہے۔

اس کے علاوہ مولف کے بعض نظریات کے بارے میں بھی وضاحت کردی ہے۔
یہاں کتابخانہ حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ مرعشی نجفی کے رئیس جناب ڈاکٹر محمود مرعشی کا شکریہ ادا کردینا بھی ضروری ہے کہ انھوں نے اس کتاب کا پہلا نسخہ میرے اختیار میں دیا۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
رسول جعفریان
۱۰ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
مقدمہ میں تجدید نظر و اضافات اور نسخۂ دوم سے متن
کی دوبارہ تصحیح جمادی الاول ۱۴۱۷ھ میں ہوئی

وسیلة الخادم الی المخدوم

در شرح صلوات

چہاردہ معصومؑ

مولف

فضل اللہ بن روزبہان خنجی اصفہانی

مترجم

نثار احمد زین پوری

بکوشش: رسول جعفریان

کتابِ وسیلہ کے اس نسخہ کے شروع میں، جو روضۂ امام رضاؑ کے لئے وقف ہے، مولف کی یاد داشت۔

شمۂ خاور که بر آفاق تابان بوده است
لمعه‌ای از قبۀ شاه خراسان بوده است

قبۀ پرنور شه را گِرد سر کردم چو چرخ
سالها گرد سر این قبه گردان بوده است

دیدۀ جان ساخت روشن میل از نیش بلی
راست میل توتیای دیدۀ جان بوده است

قبۀ شه چون صدف پنهان درو صندوق در
گر صدف پیوسته در صندوق پنهان بوده است

همچو موسی گشت بیهوش آنکه دید این قبه را
گوئیا طور تجلّیهای رحمن بوده است

دیده‌ام را، نور حق، از قبه‌اش روشن نموده
کوری چشم کسی کو اهل حرمان بوده است

ای امین از قبۀ سلطان علی موسی‌رضا
هر طرف صد آفتاب فیض رخشان بوده است

ترجمہ:

آفاق کے چمکنے والے سورج کی روشنی
شاہ خراسان کے گنبد کی ضو ہے
شاہ کے پُرنور گنبد چرخ کی مانند طواف کیا ہے
سالہاسال اس گنبد کے گرد طواف کیا ہے
میری دیدۂ جان کو سرمۂ معرفت کی سلائی سے روشن کیا
درحقیقت میری دیدۂ جان میں سرمۂ معرفت کا خط تھا
شہ کا قبہ صدف کی طرح صندوق میں پنہاں ہے
صدف ہمیشہ صندوق میں پنہاں رہتا ہے
جس نے اس قبہ کو دیکھا وہ موسیٰ کی مانند بے ہوش ہوگیا
گویا رحمان کی تجلیوں کا طور ہے
آپؑ کے قبہ نے میری آنکھوں کو نورِ حق سے منور کیا ہے
اندھا وہ ہے جو آپؑ کی زیارت سے محروم رہا ہے
اے امینؔ[1] سلطان علیؑ موسیٰ رضا کے قبہ سے
ہر سو سیکڑوں آفتابِ فیض درخشاں ہیں۔

روضۂ مقدس پر اس کتاب کو پڑھنے اور انوارِ قبول کے آثار ظاہر ہونے اور سامعین سے میں سے محبوں کے دل سرور ہونے کے بعد دار السلطنت ہرات میں اس نسخہ کی کتابت کا کام مکمل ہوا اور میری۔ مولف کی۔ طرف سے اس مشہور و معروف روضہ کے لئے وقف کی گئی تاکہ زائرین و معتکفین محب اس کے پڑھنے سے لذت اندوز ہوں۔ یہ حقیر بھی انشاء اللہ ثناخوان

---

[1] امینؔ مولف کا تخلص ہے

محبین اور درود بھیجنے والے موالیوں کے زمرہ میں شامل ہوگا۔ شرعی اعتبار سے یہ وقف صحیح ہے اور اس کا متولی عالی جناب سیادت مآب، نقابت انتساب فضائل منقبت اماثل مرتبت، افتخار اعاظم السادات والاشراف، شرف اشراف آل عبد مناف جامع صنوف المفاخر والمعالی، حارز قصبات السبق[1] عن ارباب الرتب العوالی "الامیر جمال" السیادۃ والسعادۃ والنقابۃ والملۃ والدین، محسن الحسینی الموسوی الرضوی، ابداللہ تعالیٰ ایام افادتہ افاضتہ، وہ جس جگہ وہ جیسے مصلحت دیکھیں اس کتاب کی حفاظت کریں اور اجتماع کے موقع پر، دن کے اوقات میں، امام رضاؑ کے روضۂ مقدس میں لائیں تاکہ قارئین اس کے پڑھنے سے لذت اندوز ہوں، اور اس کتاب کی نشر و اشاعت اور اس کی حفاظت کے بارے میں جو مناسب سمجھیں انجام دیں، آپ کو اختیار ہے کہ اپنے بعد جس کو چاہیں اس کی تولیت تفویض کریں۔ واحد و بے نیاز اور عیاں خدا ہی پر بھروسہ ہے کہ وہ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسے انھوں نے مولف نے اپنے قلم سے لکھا ہے اور اس پر العبد المولف فضل بن روزبہان بن فضل اللہ الاصفہانی نے گواہ بنائے، گواہی ماہ ذی قعدہ ۹۱۲ھ میں قائم ہوئی۔ اول و آخر میں حمد اللہ کے لئے اور درود و سلام رسول اللہ اور ان کی آل کے لئے سزاوار ہے۔

---

[1] اس سلسلہ میں مولف نے دوسری جگہ وضاحت کی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحیم

مقدمۂ مؤلف

ارباب فہم وادراک کی حمد وستائش، موجد افلاک کے لئے سزاوار ہے، جس نے آسمان کی بلندی سے مرکز خاک تک چودہ معصوم کی محبت میں چودہ طبق خلق کئے اور نقش و نگار والے آسمان کے بارہ برجوں کے صفحہ پر بارہ امام کی محبت میں ہستی رقم کیا اور خزانۂ پنجتن پاک سے ملا ہوا خلعت نیلوفر فلک اطلس کو پہنایا اور دو سید و سردار او بہتر و برتر کے نور سے چاند و سورج کے عالم افروز چراغ کو روشن کیا۔ رباعی:

ای دل به حدیث اهل معنی بگرو جز راه ولای احمد و آل مرو
عالم شده از برای ایشان موجود لولاک لما خلقت الأفلاک شنو

اے دل اہل معنی کی بات پر فریفتہ ہوجا، اور احمد و آل احمد کی محبت کے علاوہ کوئی راستہ اختیار نہ کر

ان کے لئے دنیا قائم ہوئی ہے لولاک لما خلقت الافلاک پر کان دھر

سرورِ کائنات محمد مصطفیٰ پر بے شمار صلوات و سلام کہ جن کا تاریکی کو مٹانے والا نور عالمِ وجود کا چراغ اور ان کا وجود قدسی ہستی کے ہر موجود کی اصل ہے۔ اور آنحضرتؐ کی آل و عترت پر خصوصاً امام ماجد و ساجد صاحب منقبت انا و علی من نور واحد!

علی مرتضیٰؑ اور فاطمہ زہراؑ پر درود وسلام کہ جن کے فضائل میں «فاطمة بضعةٌ مِنی، مَنْ اٰذاها فقد اٰذانی» وارد ہوا ہے اور ان ابنی ھذا سید کی کرامت کا شربت نوش کرنے والے حسن رضا پر درود وسلام اور الحسین سبط من الاسباط کا خلعتِ فضیلت پہننے والے شہید کربلا حسینؑ پر درود وسلام، پدرِ ائمہ ہدیٰ زین العابدین پر درود وسلام، علم وتقویٰ کے فریضہ پر قائم محمد باقرؑ پر درود وسلام، صدق وتصدیق کے مرتبے واقف جعفر صادقؑ پر درود وسلام، میدان کرامت وتوفیق کے شہسوار موسیٰ کاظمؑ پر درود وسلام، قضائے الٰہی پر راضی امام علی بن موسیٰ الرضا پر درود وسلام، لامتناہی عطایا دینے والے محمد تقیؑ، جواد پر درود وسلام، آسمانِ ہدایت کے قمر علی نقیؑ پر درود وسلام لشکر ولایت کے سرخیل حسن عسکریؑ پر درود وسلام، امام جہان اور آخری زمانہ کے امان دینے والے محمد مہدی موعود منتظر پر درود وسلام۔ رباعی:

آنکس که زمهر چهارده محروم است — محرومی او به نزد حق معلوم است

در نزد خدا وسیلهٔ روز جزا — ما را صلوات چهارده معصوم است[1]

جو شخص چودہ آفتابوں سے محروم ہے، حق کے نزدیک اس کی محرومی یقینی ہے

روز جزاء خدا کے نزدیک ہمارا وسیلہ چودہ معصومینؑ پر صلوات ہے

اما بعد۔ واضح رہے کہ فضل اللہ بن روزبہان امین اصفہانی ۔ خدا اسے ائمۂ معصومینؑ کی برکت سے غموں سے نجات عطا کرے ۔ ۲۷ رجب المرجب ۹۰۹ھ میں حوادثِ زمانہ اور چرخ ناپائیدار کی گردش سے مختلف قسم کے شدائد رنج ومحن میں گھر گیا تھا، غربت کی مصیبت جس کے ساتھ خوف وشدت، برادران اجلاّ، وطن کا فراق بھی تھا، اور حالات کی ناسازگاری، اعوان واحباب کا فقدان رنج وملال کا موجب تھا۔ رباعی:

در دار بلا اسیر احزان شده‌ام — یعقوب صفت حزین و گریان شده‌ام

میراث پیمبران برند اهل کمال — من وارث پیغمبر کنعان شده‌ام

دارِ بلا میں رنج و محن میں اسیر ہو گیا ہوں، جناب یعقوب کی طرح حزین وگریاں کناں ہوں۔

انبیاء کی میراث اہل کمال لے گئے میں کنعان کے نبی کا وارث بن گیا ہوں۔

منجملہ رنج و محن کے غلبے سے میں اپنی حالت پر متحیر تھا اور ان غموں سے نجات پانے کے لئے میرا دل تفکرات میں ڈوبا ہوا تھا۔ غیب سے الہام کرنے والے نے میرے ذہن میں یہ صورت پیدا کی، اولین و آخرین کے فرمان ہے کہ "اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور" (جب تم امور کے بارے میں متحیر ہو جاؤ تو اس وقت اہل قبور سے مدد حاصل کرو[1]) چنانچہ میرے درد کا درماں کے لئے اکابر صحابہ کی قبور سے مدد حاصل کرنے کی تجویز کی گئی تو میں نے سوچا کہ مدد حاصل کرنے کے لئے اہل قبور میں سے اس جماعت کو منتخب کیا جائے کہ جس کے ہر فرد کا مرقد دنیائے آخرت میں بیت المعمور اور اہل حاجت کے لئے کعبہ مال ہو اور امت کے تمام فرقے اس بات پر متفق ہوں کہ ان سے مدد طلب کرنا غم سے نجات پانے کا موجب اور عرب و عجم کی حاجات کے حصول کا سبب ہے اور اس سلسلہ میں اولین و آخرین کے درمیان کوئی اختلاف بھی نہ ہو۔ اور یہ صفت صرف چودہ معصومینؑ میں منحصر ہے، ان بزرگوں کی قبور افلاک کے صندوق کی مانند خاک کی زینت ہیں لہذا میں نے اپنا رخ ان ہی کے آستانۂ قبلہ کی طرف کیا اور اپنی روح تو لا کو ان ارواح کی جانب موڑا لیکن آستانہ بوسی اور قبر مطہرہ کے شرفِ زیارت کا حصول ممکن نہ تھا اور پھر چودہ معصومینؑ روئے زمین پر ایسے ہی ہیں جیسے آسمان پر تارے لہذا میں نے مکمل توجہ کے ساتھ اور دل کو ان کی محبت و ولا سے پُر کیا اور زبان کو ان بزرگوں پر، علیہم صلوات اللہ وسلام الملک العلام، درود و سلام بھیجنے میں مشغول کیا، بلاؤں سے

---

[1] کشف الخفاء، العلوجی، مکتبۃ دار التراث ج ۱ ص ۸۸

نجات اور حصولِ مقاصد و حاجات کو صلوات بھیجنے ہی میں منحصر پایا۔
اس اثنا میں، وہ مرتب صلوات جس کی صورت ترکیبی جو کہ (چودہ معصومینؑ کے) کچھ مناقب و مآثر اور مفاخر پر مشتمل تھی، میرے ذہن میں آئی۔ فی الحال اسے لوح دل سے نکال کر قلم کی مدد سے تحریر کر دیا ہے اور کتابت کی تکمیل کے بعد اس صلوات کے مکمل اخلاص نیاز کے ساتھ ان کی اعلیٰ و مقدس ارواح سے توسل کیا اور صلوات بھیجنے کے بعد واہب العطیات کی بارگاہ میں اپنی حاجتیں بیان کیں اور حصول مقاصد کی اپنی امیدوں کو قوی و محکم بنایا۔ ان بزرگ سادات، جو کہ کائنات کا لبِ لباب ہے، کی برکت سے اس غریب کے تمام مقاصد ممکن ہے غیب سے عیاں ہوں گے قلب سے رنج و کدورت کا زنگ چھوٹ جائے گا۔ رباعی:
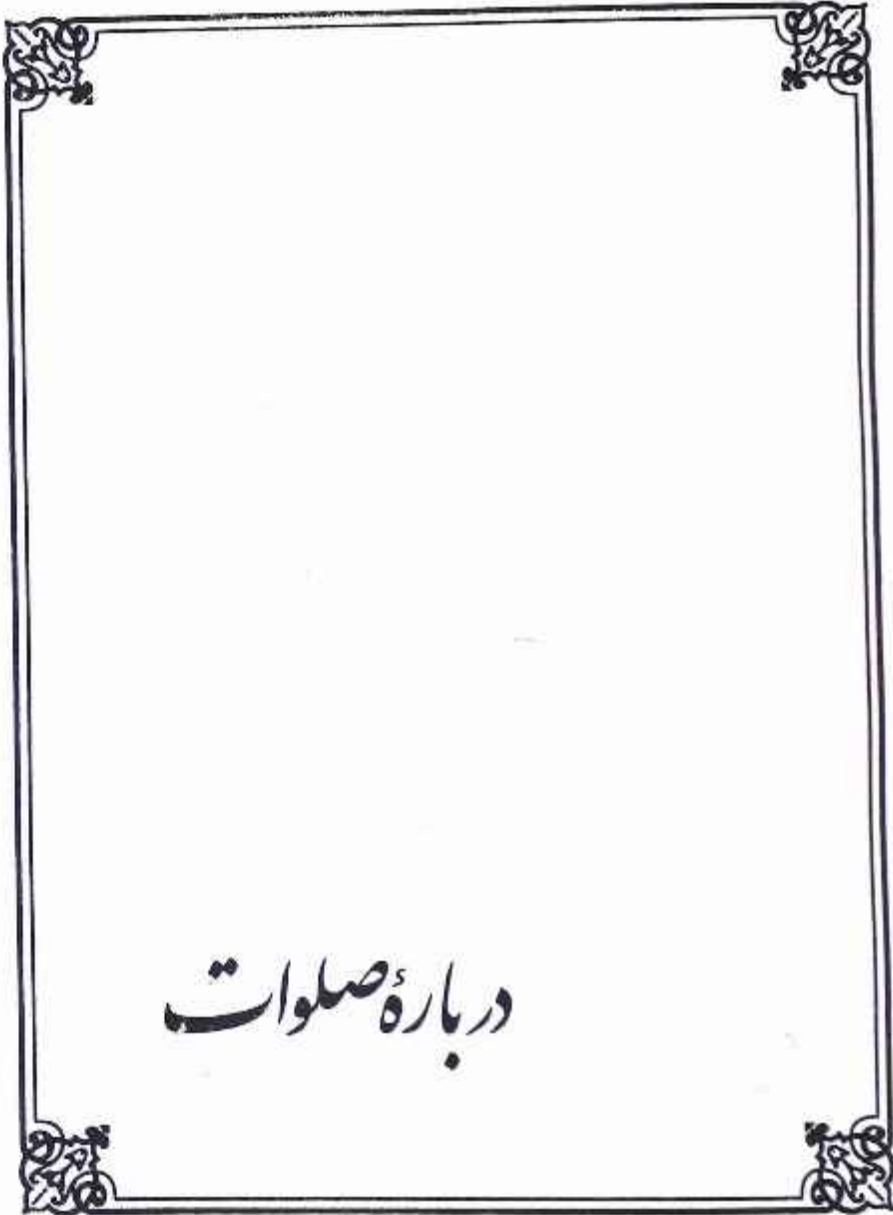
یارب به درت گریه و آه آوردم　　هرچند به خروار گناه آوردم
یارب به نبی و آل او بخش مرا　　چون از ره بندگی پناه آوردم

پالنے والے تیری بارگاہ میں گریہ کناں آیا ہوں ہر چند ایک گدھے کا بار گناہ لایا ہوں۔
اے رب! نبیؐ اور ان کی آل کے تصدق میں مجھے بخش دے چونکہ از رہ بندگی پناہ لی ہے۔
چونکہ اس صلوات کی ترکیب ان اجلۂ کے بہت سے احوال و مناقب اور اوصاف اور القاب و قبور کے بیان پر مشتمل تھی۔ لہٰذا میرے ایک دوست نے جس نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تھا، درخواست کی کہ اس صلوات کی ایسی شرح لکھی جائے جس میں حل لغات، اسباب وفات، احوال و واقعات اور چودہ معصومینؑ کے القاب کی وجہ تلقب بیان کی جائے۔ مختصر یہ کہ جس سے چودہ معصومؑ کی اجمالی زندگی معلوم ہو جائے۔
چونکہ اس دوست کی درخواست ان صالح سادات کے مزید احوال و ذکر اور

اس فرمان "عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ" کے مطابق تھی کہ صالحین کا ذکر نزولِ رحمتِ خدا اور لامتناہی سعادت کا سبب ہے لہذا میں نے اسے قبول کر لیا اور اختصار کے ساتھ شرح نویسی کا کام شروع کر دیا، چنانچہ یہ کتاب مذکورہ مطالب کی بیان گر ہے اس شرح کی تحریر میں جن کتب و دفاتر سے مدد لی جا سکتی ہے، وہ ان شاء اللہ اتمام کے بعد، یہ کتاب وسیلۃ الخادم الی المخدوم، در شرح صلوات چہاردہ معصومؑ، سے موسوم ہوگی۔ خدا ان معصومینؑ کی برکت سے ہمیں جہنم سے بچائے اور جنت میں ان بزرگوں کی خدمت میں پہونچائے لیجئے شرح شروع ہوتی ہے۔

دربارۂ صلوات

بسمِ اللّٰہِ الرّحمنِ الرَّحیم

شروع کرتا ہوں اس خدا کے نام سے جس کی رحمت مومنوں اور کافروں سب کے لئے عام ہے، سب کو اس نے اپنے حبیب کے نور سے پیدا کیا، اس خدا کے نام سے جس کی رحمت مومنوں سے مختص ہے[1]. جن کو اس نے طاعت اور محمدؐ و آل محمدؐ پر صلواۃ و تحیت بھیجنے کی توفیق عطا کی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ و مَلائِکَتَہٗ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبی، یا اَیُّھاالذین آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْہِ و سَلِّمُوا تَسلیما.[2]

بے شک خداوند عالم اور اس کے ملائکہ نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان لانے والو تم بھی ان پر درود بھیجو! اور سلام کی طرح سلام کیا کرو۔

خداوند عالم نے اس آیت میں مومنوں کو حکم دیا ہے کہ رسول پر درود بھیجا کرو۔ یہاں کوئی گریز نہیں ہے کہ جس سے صلوات وسلام کے معنی تامل کی گنجائش پیدا ہوسکے، واضح رہے آیت میں امر وجوبی ہے، اگر ترک کریں گے تو گناہگار ہوں گے اور جب امر وجوبی ہے تو اس کے محل اور وقت، اور رسولؐ پر درود بھیجنے کے لئے بہترین اور صلوات کی فضیلت کو آیت

---

[1] ازغ

[2] احزاب ۵۶

کے معنی کے بیان کے بعد چار مقاصد میں بیان کیا جائے گا۔

اول معنیٔ صلوات

عربی میں صلوات اکثر علماء کے نزدیک دعا کے معنی میں ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ فلاں پر صلاتیں[1] بھیجی اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس نے دعا کی۔ یہی معنی خداوند عالم کے اس قول کے ہیں: خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهم وَ تُزَكِّيهِمْ بِها وَ صَلِّ عَلَيْهِم إِنَّ صَلوٰتَكَ سَكَنٌ لَهُم[2]

ان کے مال سے صدقہ لے کر انھیں پاک کر دیجئے اور اس صدقہ کے ذریعہ ان کے اموال میں افزائش و اضافہ کیجئے اور ان پر صلوات بھیجئے کہ آپؐ کی صلوات ان کے لئے باعث سکون ہے۔

جب کوئی شخص اپنے مال کا صدقہ آنحضرتؐ کی خدمت میں لاتا تھا تو اس پر صلوات بھیجتے، جیسا کہ خدا کا حکم تھا اور جو شخص اپنے مال کا صدقہ آنحضرتؐ کے پاس لاتا تھا اُسے آپؐ ابن ابی اوفی کہتے تھے، اور فرماتے تھے: اللّٰھمّ صَلِّ علیٰ آلِ أبی أوْفی[3]

جب صلوات کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہو تو وہاں یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ صلوات کے معنی دعا کے ہیں کیونکہ دعا غیر سے کی جاتی ہے، جبکہ سب خدا کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ بندہ پر خدا کی صلوات کا مطلب بندہ پر اس کی رحمت ہے۔ مکمل

---

[1] غ میں صلوات		[2] توبہ ۱۰۳۔

[3] عبداللہ بن ابی اوفی ان اصحاب میں سے ہے جو بیعت رضوان میں شریک تھے۔ مجمع البیان ج ۵ ص ۵۶۸ مذکورہ حدیث کو بخاری ج ۸ ص ۱۳۹ ح ۱۳۵۹ کتاب الدعوات میں ملاحظہ فرمائیں

ترکِ ادب ہے اور عرف میں جس چیز کو ترکِ ادب شمار کیا جاتا ہے سمجھ دار کے لئے ضروری ہے کہ اس کی رعایت کرے۔ اسی لئے ذکرِ خدا کے وقت، حق سبحانہ وتعالیٰ یا عز وجل کہتے ہیں اور رسولؐ کا نام لیتے وقت، محمد عز وجل نہیں کہتے ہیں اگرچہ آنحضرتؐ عزیز وجلیل ہیں، پس اس نکتہ کی بنا پر جو کہ ہم نے بادشاہ اور امراء کے بارے میں بیان کیا ہے، رسولؐ کے ذکر کے وقت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ کہتے ہیں اور اسی طرح امت کے صالح لوگوں کے ذکر کے وقت رضوان اللہ ورحمۃ اللہ کہتے ہیں اور صلوات کو انبیاء سے مختص کرتے ہیں تاکہ مراتب محفوظ رہیں اور اس طریقہ کو ترک کرنے کو ترکِ اولیٰ یا مکروہ سمجھتے ہیں ہاں بالتبعیت جائز جانتے ہیں، کیونکہ صلوات بالتبعیت صحاح کی احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ یہ ہے بہت سے علماء کے نزدیک اس مسئلہ کی حقیقت۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ تمام مومنوں پر صلوات بھیجنا بالاصالت جائز ہے کہ رسولؐ کی آل پر بالاصالت صلوات بھیجی جاتی ہے جیسا کہ پہلے بیان گزر چکا ہے۔ پہلی جماعت نے جواب میں کہا ہے کہ یہ رسولؐ اور اس امام سے مخصوص ہے جو کہ صدقہ لینے میں آپؐ کا قائم مقام ہے اور اس حکم کو عام نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ صلوات انبیاء سے بالاصالت مخصوص ہے۔ اور رسولؐ، اکابر معصومؑ، آئمہ کرام پر اور حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا اور بارہ آئمہ میں سے ہر ایک پر بالاصالت صلوات بھیجنا چاہیئے یہ قول قوی ہے اور یہی اس کمترین۔ مولف۔ کا نظریہ ہے کہ بالتبعیت آل پر صلوات بھیجی جاسکتی ہے تو مطلق صلوات بھیجنا بھی متفقہ طور پر جائز ہے۔

مذکورہ نظریہ کے مخالف کہتے ہیں کہ حفظ مراتب کے لحاظ سے صلوات بالاصالت انبیاء سے مخصوص ہے ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ۔ آل۔ نبوت ورسالت سے اس طرح منسوب ہیں کہ صلوات وتعظیم کے زمرہ میں داخل ہو سکتے ہیں، جیسا کہ بادشاہ کے نجیب بیٹے کے لئے کہہ سکتے ہیں: خلد اللہ ملکہ اور محاورات میں اسے ترکِ ادب نہیں کہتے ہیں اس اعتبار سے یہاں حفظ مراتب کے چھوٹنے کا خطرہ برطرف ہو گیا ہے اور حقیر کمالِ رحمت کی تبلیغ کے ثواب سے، جو کہ دسیوں رحمت کے نزول کا باعث ہے، سرفراز ہو گیا ہے۔

رحمت جو لطف و فضل سے وجود میں آئے جسے اس شخص کا لطف و فضل جو کسی کے لئے دعا کرتا ہے، یہ کمالِ رحمت ہے، یہاں ان دو جملوں کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے کہ اے اللہ فلاں شخص پر صلوات بھیج یا فلاں پر رحمت نازل فرما۔

اسی فرق کی بنا پر بعض علماء صلوات کو انبیاء سے مختص جانتے ہیں کیونکہ صلوات سے جو کمالِ رحمت سمجھ میں آتا ہے اس کے مستحق انبیاء اور ان کی تبعیت میں ان کی اولاد ہے، لیکن بعض علماء کا نظریہ ہے کہ صلوات بالاصالت انبیاء سے مختص ہے اور ان کی آل و اتباع کرنے والوں پر بالتبعیت جائز ہے اور غیر انبیاء پر صلوات بالاصالت بھیجنا بعض کے نزدیک یا ترکِ اولیٰ ہے یا بعض کے نزدیک مکروہ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب انبیاء و ملائکہ خدائے عزوجل کا نام لیتے ہیں تو مستحب ہے کہ ثنا و دعا کریں چنانچہ مناسب ہے کہ خط اور مکتوبات میں مکتوب الیہ کی ثنا یا اس کے لئے دعا کریں اور ادب کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مکتوب الیہم کے مناسبِ حال ثناء و دعا کی جائے چنانچہ خط بھیجنے والوں کے ادب میں سے یہ بھی ہے کہ مکتوب الیہم کے مراتب کو ملحوظ رکھیں، مثلاً اگر بادشاہ کا نام لکھیں تو اس طرح لکھیں خلد اللہ ملکہ و سلطانہ اور اگر امراء کے نام مذکور ہوں تو یہ مناسب نہیں ہے کہ ان کے لئے بھی وہی لکھا جائے جو بادشاہ کے لئے لکھا تھا۔ کیونکہ یہ ادب کے خلاف ہے کہ بادشاہ سے مخصوص دعا سے دوسرے کو یاد کیا جائے لہٰذا امراء کے لئے اس طرح لکھیں: ابد اللہ امارتہ، اگرچہ ابد اللہ اور خلد اللہ کے ایک ہی معنی ہیں لیکن مراتب کے فرق اور ادب کے لحاظ سے عبارت میں فرق ہے۔ اسی طرح وزراء، قضاۃ اور ارباب نظر کے مراتب کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اور صاحبانِ محاورہ اور اہل زبان جانتے ہیں کہ یہ رعایت ادب اور حفظ مراتب کی وجہ سے کی جاتی ہے

اس بنا پر علماء اس چیز کو ضروری سمجھتے ہیں اور حق تعالیٰ جل و علیٰ اور ملائکہ و انبیاء کے ذکر میں ایسی ترتیب ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اس کی رعایت نہ کرنے کو ترک اولیٰ یا مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ عرف محاورات میں حفظ مراتب کا ترک کرنا عرف محاورات میں

ہم نے اکثر موقعوں پر دیکھا ہے کہ اہل بیتؑ خصوصاً اولاد فاطمہؑ ان امور سے مخصوص ہیں جو رسولؐ سے مخصوص ہیں جیسے صدقہ کا حرام ہونا، نمازیں ان پر درود بھیجنا اور ان کے لئے صلوات بالاصالت کیسے نہیں ہے کہ وہ امت کے تمام صلحاء سے ممتاز ہیں؟ اگر منصف مزاج مومن صحیح طریقے غور کرے گا تو اسی قول کو صحیح سمجھے گا اور ان مقدس ارواح پر صلوات بھیجنے کی فضیلت کو ترک نہ کرے گا۔ واللہ اعلم۔

یہ بندہ پر حق تعالیٰ کی صلوات کا بیان تھا۔ لیکن بندہ پر ملائکہ کی صلوات، علماء کا قول ہے کہ اس کا مطلب استغفار ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: "وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْاَرْضِ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ"[1] ظاہر ہے کہ استغفار بھی ایک قسم کی دعا ہے مگر اس دعا کو خداوندعالم نے استغفار قرار دیا ہے اس لئے ملائکہ کی دعا اور صلوات کو استغفار پر حمل کیا ہے۔ لیکن مومنین کی صلوات کے بارے میں علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد دعا ہے۔ بظاہر وہ دعا مراد ہے جو کہ بہترین ثنا و تعظیم کو متضمن ہو کہ تمام دعاؤں سے ممتاز ہو۔ واللہ اعلم۔

۲۔ زبان عرب میں سلام کے معنیٰ

سلام: یعنی عیوب اور مکروہات سے سالم و محفوظ ہونا۔ اور سلام علیک کے معنی یہ ہیں کہ اے بلند آپ عیوب و مکروہات سے محفوظ و سلامت رہیں لہٰذا یہ زیادہ تر دعا کے معنی میں سے استعمال ہوتا ہے اور سلامتی طلب کرنے کے ضمن میں دنیا و آخرت کی تمام نیکیاں طلب کی جاتی ہیں کیونکہ جب کسی شخص کو ہر قسم کی سلامتی حاصل ہو جاتی ہے تو اسے ہر نیکی مل جاتی ہے ورنہ مکمل سلامتی نہیں ملتی ہے۔ اور جسے کوئی نیکی نہیں ملتی ہے تو اس کی اس قابلیت میں

---

[1] شوریٰ ۵۔

نقص ہے جس کی بنا پر نیکی سے محروم رہا لہٰذا یہ کہنا صحیح ہے کہ اس نقص سے محفوظ و سالم نہیں ہے اور اسی لیے ہر کہ سلامتی کی دعا تمام نیکیوں کی طلب کو شامل ہے، حق تعالیٰ نے اسلام کا تحفہ و تحیت قرار دیا ہے اور رسولؐ پر خدا کے سلام کے معنی تمام نقائص سے سالم و محفوظ رکھنے اور کمال سلامتی سے آنحضرت کو مخصوص کرنے میں ہیں کہ یہ تمام نیکیوں کے حصول کا سبب ہے لہٰذا اس پر زور دیا اور آیت میں فرمایا: ان پر سلام بھیجنے کی طرح سلام بھیجو![1] لیکن مومنوں کے سلام سے سلامتی کی دعا اور تعظیم و تحیت مراد ہے اگرچہ علماء سلام کے بارے میں بھی وہ نظریہ رکھتے ہیں جو کہ صلوات کے متعلق تھا اور کہتے ہیں کہ انبیاء کے علاوہ کسی بھی غائب کو سلام نہ کرو اور سلام نہ بھیجو بلکہ مخاطب ہی کو اس طرح سلام کیا جاسکتا ہے۔ سلام علیک اور انبیاء کے علاوہ کسی غائب کو سلام نہ کرو۔ بعض علماء نے غائب و حاضر دونوں کو سلام کرنے کو مطلق طور پر جائز قرار دیا ہے اور بعض علماء نے صلوات کی طرح سلام کو بھی انبیاء اور اولادِ فاطمہؑ۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہا۔ میں سے اکابر اور بارہ ائمہ سے مخصوص کیا ہے اور سلام کے بارے میں ہمارا یہی نظریہ ہے جیسا کہ صلوات کے بارے میں بیان کر چکے ہیں۔

۳۔ رسولؐ پر صلوات بھیجنا واجب ہے

اکثر علماء کا نظریہ ہے کہ رسولؐ پر صلوات بھیجنا واجب ہے، نماز میں تشہد کے آخر میں صلوات بھیجنا واجب ہے صلوات کے واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں صلوات بھیجنے کے لئے امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور اصل یہ ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے پس صلوات بھیجنا واجب ہے، احادیث میں بیان ہوا ہے کہ نماز میں تشہد کے آخر میں صلوات بھیجا کرو پس تشہد کے آخر میں صلوات بھیجنا واجب ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ تمام عمر میں ایک مرتبہ

---

[1] یا ایہا الذین امنوا صلوا علیه و سلموا تسلیماً۔ احزاب۔ ۵۶۔

رسولؐ پر صلوات بھیجنا ہر مومن پر واجب ہے۔ جیسا کہ آیت میں وارد ہوا ہے[1] آیت کی دلالت اس بات پر نہیں ہے کہ نماز میں صلوات بھیجنا واجب ہے۔ ان احادیث کی دلالت اس بات پر ہے کہ رسولؐ نماز میں صلوات بھیجتے تھے۔ ہو سکتا ہے نماز میں درود بھیجنا سنت ہو لہذا واجب نہیں کہا جا سکتا لیکن آنحضرتؐ کی آل پر صلوات بھیجنے کے سلسلہ میں اکثر کا نظریہ ہے کہ تشہد میں رسولؐ پر صلوات کے بعد مستحب ہے بعض کا کہنا ہے کہ آل پر صلوات بھیجنا مستحب ہے۔

۴۔ صلوات کے بہترین صیغہ اور رسولؐ پر صلوات بھیجنے کی فضیلت

صحاح کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ لوگوں نے رسولؐ سے دریافت کیا اے اللہ کے رسولؐ ہم آپؐ پر سلام بھیجنا تو جانتے ہیں لیکن یہ بتائیے کہ آپ پر صلوات کیسے بھیجا کریں۔ آپؐ نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ إِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى ابْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ[2] یہ بہترین صیغہ ہے۔ کیونکہ لوگوں کے دریافت کرنے پر رسولؐ نے صلوات بھیجنے کا یہی طریقہ تعلیم فرمایا ہے اور اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ رسولؐ نے یہ اہتمام اس لئے فرمایا تھا تاکہ آپؐ کے ساتھ آپؐ کی آل پر بھی صلوات بھیجی جائے۔ کیونکہ صلوات و برکات دونوں میں اپنے ساتھ آل کا ذکر کیا ہے۔

محققین کا قول ہے صلوات کی حقیقت اور اس کا فائدہ خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا اور اس شخص کے ذریعہ خدا کا تقرب حاصل کرنا ہے جو کہ خدا اور بندہ دونوں سے مناسبت رکھتا ہو

---

[1] مقصود آیہ "ان اللہ و ملائکتہ ... الخ"

[2] مجمع البیان ج ۷، ۸، ص ۳۶۹، بحار الانوار ج ۲۵ ص ۲۲۹ ج ۹۱ ص ۴۹۔

قرب رکھتا ہو تاکہ تجرد کے ذریعہ کسب فیض کرے اور تعلق کی وجہ سے فیض پہونچائے اور اس طرح خدا کا فیض بندہ تک پہونچ جائے۔ معلوم ہوا کہ بغیر وسیلہ کے کسی کو ایسا فیض حاصل نہیں ہو سکتا ہے اس اعتبار سے آل آنحضرتؐ اور امت کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہے اور ان ہی کے ذریعہ رسولؐ تک پہونچا جا سکتا ہے پس ان پر صلوات بھیجنا واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

رسولؐ اسلام پر درود بھیجنے کی فضیلت کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے اور علماء کا اتفاق ہے کہ فرائض کی ادائیگی اور قرآن کی تلاوت کے بعد کسی طاعت کی اتنی فضیلت نہیں ہے جتنی رسولؐ پر درود بھیجنے کی فضیلت ہے اس سلسلہ میں صحاح میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں منجملہ ان کے وہ حدیث ہے جو کہ اُبی بن کعب انصاری۔ رضی اللہ عنہ۔ نے بیان کی ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ سے دریافت کیا: اپنے اوقات میں سے آپؐ پر صلوات بھیجنے میں کتنا وقت صرف کروں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: جتنا زیادہ صرف کروگے اتنا ہی تمہارا فائدہ ہوگا میں نے عرض کی ایک تہائی صرف کروں؟ پھر ایسے ہی فرمایا، میں نے بھی اضافہ کیا یہاں تک کہ میں نے عرض کی کہ اپنا سارا وقت آپؐ پر صلوات بھیجنے میں صرف کروں فرمایا: تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔

منقول ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: میں نے سید الشہداء حمزہ اور جعفر طیار، سلام اللہ علیہما کو خواب میں دیکھا ہے ان کے سامنے رطب کا طبق رکھا ہوا تھا جس سے وہ نوش کر رہے تھے جب اس سے کچھ کھا چکے تو رطب دوسرے میوہ میں بدل گیا، جب اس میوہ میں سے کچھ تناول کر چکے تو وہ میوہ دوسرے میوہ میں تبدیل ہو گیا۔ میں نے کہا: میرے ماں باپ آپؐ پر فدا آپ لوگوں نے آخرت میں کونسا عمل بہترین اور باثواب پایا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ: ہمارے ماں باپ آپ پر قربان آخرت میں بہترین عمل ہم نے آپؐ پر صلوات بھیجنا پایا۔ اس عمل کے برابر کسی عمل کا ثواب نہیں ہے۔[1]

---

[1] بحار الانوار ج ۹۱ ص ۔ حدیث کے باقی حصہ میں بیان ہوا ہے: وسقی المارد حب علی بن ابی طالبؑ ج ۳۴ ←

پیغمبرؐ ہی کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک صلوات بھیجے گا حق سبحانہ وتعالیٰ اس پر دس بار صلوات بھیجے گا۔
یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ رسولؐ پر صلوات بھیجنے سے افضل اور بہترین کوئی عمل نہیں ہے کیونکہ بندہ کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ خدا اس سے راضی ہو جائے اور خدا کی رضا وخوشنودی کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ خدا بندہ پر صلوات بھیجے اور چونکہ ایک صلوات کی جزا خدا کی دس صلواتیں ہیں اس لئے رسولؐ پر صلوات بھیجنے سے زیادہ کوئی عمل با فضیلت نہیں ہے۔ بعض مشائخ کا کہنا ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی دعا مستجاب ہو جائے تو اسے چاہئے کہ دعا کے اول وآخر میں رسولؐ پر صلوات بھیجے یقیناً اس کی دعا مستجاب ہوگی۔ رسولؐ پر ہمہ اوقات صلوات بھیجنا اگرچہ بہت ثواب رکھتا ہے لیکن شب جمعہ اور روز جمعہ صلوات بھیجنے کا زیادہ ثواب ہے چنانچہ رسولؐ کا ارشاد ہے شب وروز جمعہ میں مجھ پر زیادہ صلوات بھیجو کہ تمہاری صلوات میرے سامنے پیش کی جاتی ہیں، میں انھیں سنتا ہوں۔ آپؐ ہی کا ارشاد ہے کہ کوئی شخص مجھ پر سلام نہیں بھیجتا ہے مگر یہ کہ خدا میری روح کو میرے جسد میں لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس کو سلام کروں اور اس کے سلام کا جواب دوں۔

ص ۲، پر رسولؐ اور آپؐ کی آل پر صلوات بھیجنے سے متعلق روایات نقل ہوئی ہیں۔
لہ شیعوں کے آئمہ سے جو دعائیں وارد ہوئی ہیں ان میں صلوات کی تکرار ہوئی ہے یہ امر صحیفہ کاملہ میں اچھی طرح واضح ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ
رسول خدا

اللّهمّ بَلِّغ رُوحَ محمّد مِنّا تَحيّۃً و سلامًا

اے اللہ روح محمدؐ پر ہمارا اسلام و تحیت پہونچے

اس صلوات کی شرح نویسی کا کام، رجب المرجب کے آخری جمعہ کی شب میں شروع کیا۔ انشاءاللہ یہ صلوات رسولؐ اور تمام معصومینؑ کی خدمت میں پہونچے گی اور ان کی برکت سے ہماری دعا مستجاب ہوگی۔

[اللھم صلِّ و سلِّم علی محمّدٍ سیّدنا]

اے اللہ ہمارے سید و سردار محمدؐ پر رحمت و سلامتی نازل فرما۔

اللھم دراصل، یا اللہ امنا بالخیر، تھا، یعنی اے اللہ ہمارے لئے نیک قصد و ارادہ فرما۔ لیکن کثرت استعمال سے اللہ کے آخر میں میم مشدّد کا ملحق ہوگئی۔ صلوات وسلام کے معنی اس سے قبل بیان ہوچکے ہیں۔

سیّدنا

سید کے معنی سردار اور رئیس و بزرگ کے ہیں۔

آنحضرتؐ ہم اولادِ آدم کے سردار ہیں، کیونکہ آدم اور عالمؑ آپ ہی کے طفیل و تصدق میں پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ رسولؐ کا ارشاد ہے، میں اولادِ آدم کا سردار ہوں اور میرے لئے کوئی فخر نہیں ہے

یا رسولؐ ہمارے سید و سردار اس حیثیت سے ہیں کہ آپؐ خدا کی طرف سے ہماری ہدایت کرنے والے ہیں اور جس کو خدا ہدایت کرتا ہے اور دنیا و آخرت کی نجات کی راہ دکھاتا ہے یا اسے ہدایت کی بشارت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس شخص کا سردار ہے کہ جس کی ہدایت کرتا ہے۔ یا تمام حادث موجودات مراد ہیں، کیونکہ تمام موجودات حادث آپؐ کے وجود کے نور کے پرتو سے وجود میں آئے ہیں۔

وَ نَبِیِّنَا

وہ ہمارے رسولؐ ہیں

نبی نبوۃ سے مشتق ہے جس کے معنی بلندی اور رفعت کے ہیں، کیونکہ رسولؐ کا مرتبہ بلند و بالا ہے، یا نبیؐ نبا سے مشتق ہے کیونکہ وہ خدا کی طرف سے خبر دینے والے ہیں. شریعت میں اس شخص کو نبی کہتے ہیں کہ جس کو خدا اپنے بندوں تک اپنا پیغام پہونچانے کی خاطر منتخب کرتا ہے، اور وہ خدا کے پیغام کو الہام یا خواب کے ذریعہ حاصل کرتا ہے اور اگر خدا کا پیغام بصورت وحی جبریل اس کے پاس پہونچاتا ہے تو وہ رسول ہے، اور اگر اس پر کتاب بھی نازل ہوئی ہو تو اسے صاحب کتاب رسول کہتے ہیں اور رسول اکرمؐ کو کتاب دے کر تمام انسانوں اور جنوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔

وَ حَبِیبِنَا

اور ہمارے محبوب و دوست بنائے گئے ہیں۔

آنحضرت ہمارے اور ان لوگوں کے حبیب ہیں جو آپؐ کو دوست رکھتے ہیں۔ آنحضرتؐ ہمارے حبیب ہیں، اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ا۔ رسولؐ مومنوں کے محبوب ہیں، حدیث میں بیان ہوا کہ آنحضرت نے فرمایا:

کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے خود اپنے نفس اور اپنی اولاد و مومنین سے زیادہ عزیز نہ رکھے گا۔

اس حدیث کی رو سے تمام مومنوں پر آنحضرتؐ کی محبت واجب ہے۔ اور یہاں میلان سے

محبت، عطوفت اور مہربانی وشہوت والی محبت مراد نہیں ہے، متابعت وتعظیم والی محبت مراد ہے مومن کے لیے ضروری ہے کہ تمام لوگوں کی تعظیم ومتابعت کے مقابل میں آپؐ کی تعظیم ومتابعت کو مقدم کرے۔ ۲۔ رسولؐ اللہ کے حبیب ہیں۔ حبیب آپؐ کا لقب بھی ہے جیسا کہ خلیل حضرت ابراہیم کا لقب ہے۔ اس بنا پر یہ معنی ہونگے کہ آنحضرتؐ حبیب ہیں اور ہم کو آپؐ کی طرف نسبت دی گئی ہے کیونکہ ہم آپؐ کی امتِ مرحومہ ہیں لہذا وہ ہمارے حبیب ہیں۔

و شَفِیعِنا

روز قیامت آپؐ ہمارے شفیع ہیں۔

شفیع، شفاعت سے مشتق ہے اور شفاعت کی اصل شفع ہے اور جو شخص کسی کی شفاعت کرتا ہے گویا وہ اس کا ثانی وجوڑا ہو جاتا ہے تاکہ اس کی مدد کرے اور اسے نجات دلائے۔

رسولؐ روز قیامت ہماری شفاعت فرمائیں گے، حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا میں پہلا شخص ہوں جو روزِ قیامت شفاعت کرے گا اور میں پہلا انسان ہوں جس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اکثر علماء کا نظریہ ہے کہ شفاعت حق ہے اور روز قیامت انبیاء گناہگار لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ اور حق تعالیٰ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا اور انھیں عذاب سے نجات عطا کرے گا۔ انشاءاللہ۔

السیِّد السَّند

رسولؐ لوگوں کے سید وسردار اور ان کے معتمد وپناہگاہ ہیں۔

یہ آپؐ کے القاب کی طرف اشارہ ہے، پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آنحضرتؐ ہمارے سردار ہیں۔ اب یہ بتایا جارہا ہے کہ آپؐ مطلق طور پر سب کے سردار اور پیشوا ہیں اور یہ لقب آپؐ کی ذات والا صفات سے مخصوص ہے۔ اور خدا کے نزدیک آپؐ اپنی امت والوں کے لئے سند قابل اعتماد ہیں۔ پس آنحضرتؐ سند ہیں۔

البَشیرِ النَّذیر

رسولؐ مومنوں کو آخرت کی نعمتوں اور دنیا کی کامیابی کی بشارت دینے والا، کافروں اور منافقوں کو آخرت کے عذاب اور دنیا کی مصیبتوں سے ڈرانے والا ہے۔

بشارت دینے والے ہیں، بشارت یعنی ایسی خوش خبری دینا جس سے انسان کے اندر مسرت کے آثار پیدا ہوجائیں۔ نذیر، ڈرانے والے کے معنی میں ہے۔ نذرات یعنی بری خبر پہونچانا یہ دونوں آنحضرت کے القاب ہیں۔

الشاهِد الدّاعي

روزِ قیامت رسولؐ بندوں کے گواہ ہونگے جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے و يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهيداً و جِئْنا بِكَ عَلى هٰؤُلاءِ شَهيداً[1] اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپؐ کو ان سب پر گواہ قرار دیں گے۔ یا روزِ جزا، بندوں کے نگراں ہونگے جیسا کہ ارشاد ہے: امتی منی، یا ان کے حال پر نگراں ہونگے کہ انھیں دین احکام کی تعلیم دینے اور انسان کے حال سے مطلع ہیں، خدا کی طرف بندوں کو بلانے والے ہیں یہ دونوں لفظ آپؐ کے القاب ہیں۔

السِّراجِ المُنير الماحي [لِلْكفر]

رسولؐ روشن چراغ ہیں اپنی امت کو دین کے نشانات وقوانین بتانے اور کفر کو مٹانے والے ہیں۔

آپؐ عدم کی تاریکیوں میں روشن چراغ کی مانند ہیں کہ آنحضرتؐ کے وجود سے عدم کی تاریکی چھٹ گئی کیونکہ خداوند عالم نے آپؐ ہی کے نور سے کائنات کو خلق کیا ہے یہ دونوں نام بھی آپؐ کے القاب ہیں۔

اَلمُصْطَفى اَلمُجْتَبىٰ

---

[1] النحل، ۸۳۔

رسولؐ پوری کائنات سے منتخب کئے گئے ہیں۔
خداوند عالم نے کائنات سے آنحضرتؐ کو چنا ہے اور انھیں سردار و بزرگ قرار دیا ہے یہ دونوں آپؐ کے القاب ہیں۔

الْمُعلّٰی الْمُزکّٰی

رسولؐ کو بلند کیا گیا ہے۔
رسولؐ کا مرتبہ تمام مخلوقات کے مراتب سے بلند و بالا ہے، یا معراج کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ کو اعلیٰ مراتب پر لے جایا گیا تھا۔
رسولؐ کو تمام عیوب اور شرّی خواہشات سے پاک رکھا گیا ہے۔
یہ بھی رسولؐ کے القاب ہیں۔

الطَّیِّبِ الطَّاہِر

آنحضرت پاک و پاکیزہ ہیں۔
کیونکہ آپؐ حسب و نسب کے اعتبار سے ان آلائشوں سے پاک ہیں جو نسب میں ہوتی ہیں اور ان عیوب سے پاک ہیں کہ جن سے آدمی کا وجود ملوث ہوجاتا ہے یہ دونوں بھی آپؐ کے القاب ہیں۔

الْمُزَّمِّلِ الْمُدَّثِّر

آپؐ کمبلی میں لپٹے ہوئے تھے اور چادر میں چھپے ہوئے یعنی لباس میں ملبوس ہیں۔ ان دونوں القاب کے ذریعہ خدا اپنے حبیبؐ کو پکارتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے؛ یا أیها المزمّل.[1] یا أیها المدثر.[2] ان دو القاب کے ذریعہ پکارے جانے کی وجہ یہ ہے کہ جب غار حرا میں جبرئیل رسولؐ پر ظاہر ہوئے تو آپؐ کو خوف محسوس ہوا۔ حضرت خدیجہ کے پاس لوٹ آئے اور فرمایا: زملونی زملونی۔ خداوند عالم نے آیت نازل کی؛ یا أیها المزمّل. نیز فرمایا: دثرونی دثرونی۔ تو خدا نے

---

[1] مزمل/۱۔ [2] مدثر/۱۔

آیت نازل کی: «یاایھاالمدثر» یہ دونوں بھی آنحضرتؐ کے القاب میں سے ہیں اور دونوں آپؐ پر وحی نازل ہونے کے واقعہ کو بیان کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بعد میں تفصیلی بحث آئے گی۔ انشاء اللہ۔

فارقلیط[1] العظیم
فارقلیط عبرانی لفظ ہے اور انجیل میں یہ آنحضرتؐ کا نام ہے عبری زبان میں فارقلیط، حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے کو کہتے ہیں۔

الرَّؤُوفِ الرَّحِیم
رسولؐ بندوں پر مہربان اور ان کے لئے رحم دل ہیں۔
ان دو ناموں سے حق تعالیٰ آنحضرتؐ کو متصف کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: بِالْمُؤمِنِیْنَ رَؤُوْفٌ رَحِیم[2] کہتے ہیں کہ خدا نے بیک وقت اپنے دو ناموں سے رسولؐ کے علاوہ کسی کو نہیں نوازا ہے۔ یہ دونوں بھی آپؐ کے القاب ہیں۔

الصَّادِقِ الصَّدُوقِ
آپؐ گفتار میں اور کردار میں صداقت کی معراج پر فائز ہیں۔
کیونکہ مخلوقات میں آپؐ سب سے زیادہ کامل ہیں یہ بھی آپؐ کے القاب ہیں۔

نعمۃ اللّٰہ و رحمۃ اللّٰہ
رسولؐ اللہ کی نعمت ہیں جو اس نے اپنے بندوں پر نازل کی ہے چنانچہ ارشاد ہے: یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَھا و اَکْثَرُھُمُ الْکَافِرُوْنَ[3] وہ خدا کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس

---

[1] غ میں فارقلیطا۔

[2] توبہ/۱۲۸۔

[3] نحل/۸۳۔

کا انکار کر دیتے ہیں اور ان میں سے زیادہ تر کافر ہیں۔ علماء کہتے ہیں کہ اس میں نعمة اللہ سے مراد رسولؐ ہیں، یہ نعمت اس نے اپنے بندوں پر نازل کی لیکن کافروں نے خدا کی نعمت کے حق کو نہ پہچانا اور اس کا انکار کر دیا باوجودیکہ یہ خدا کی نعمت ہے، جیسا کہ حبیب نعمتِ محبت ہے۔

رسولؐ، خدا کی رحمت ہیں۔

کیونکہ وجود کی رحمت آپؐ کے طفیل میں پیدا ہوئی ہے اس لحاظ سے آنحضرتؐ رحمت کا سرچشمہ ہیں۔ اور چونکہ آپؐ نے خلائق کی خدا کی طرف ہدایت کی۔ اور ہدایت رحمت ہے۔ پس آپؐ رحمت ہیں اور چونکہ خداوند عالم نے آپؐ کی وجہ سے بندوں کو اپنے غیظ و غضب سے محفوظ رکھا ہے لہٰذا آپؐ رحمت ہیں چنانچہ ارشاد ہے: و ماأرسلناك الا رحمةً للعالمین۔ اور ہم نے آپؐ کو نہیں بھیجا ہے۔ مگر عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے[1] یہ بھی آنحضرت کے القاب ہیں۔

صِفْوَةِاللّٰه [و] خِیَرَةِاللّٰه

رسولؐ خدا کے منتخب کردہ اور چنے ہوئے ہیں۔

کیونکہ اللہ کے حبیب ہیں اور آپؐ کو فیض رسانی کے لئے چنا ہے۔ یہ بھی آپ کے القاب ہیں[2]

الأمینِ المَکین

رسولؐ امین ہیں آپؐ امانت داری سے متصف ہیں۔

کیونکہ فرائض کی امانت اور خدا کے اوامر و نواہی کی طاعت سب سے پہلے آنحضرتؐ نے قبول کی اور بندوں تک پہونچائی ہے یا وحیٔ الٰہی کے امین ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

پیغام پہونچاتے ہیں اور تبلیغ رسالت میں امانت کی ادائیگی کا حق ادا کرتے ہیں اور عرب

---

[1] انبیاء، ۱۰۷ [2] ازغ

میں آپؐ کو مبعوث برسالت ہونے سے پہلے امین کہتے تھے۔

آنحضرت مکین ہیں، مسند نبوت اور مقام رسالت پر متمکن ہیں یا خدا کے نزدیک آپؐ صاحب رفعت ومنزلت ہیں۔ یہ بھی آپؐ کے القاب ہیں

خاتَم النَّبِیّین

رسول اکرمؐ سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے والے ہیں، خدا نے انبیاء کا سلسلہ آپؐ پر ختم کیا اور آپؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہ آئے گا جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے؛ و لکِن رَسُولَ اللّٰہِ و خاتَمَ النَّبِیینَ[1]؛ لیکن وہ (محمدؐ) اللہ کے رسولؐ ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ یہ بھی آپؐ کا لقب ہے۔

قائدِ الغرّ المُحَجَّلین

رسولؐ نورانی پیشانی والوں کے پیشوا ہیں۔

یعنی روز قیامت رسولؐ اپنی امت کی قیادت فرمائیں گے، حدیث میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: میری امت عرصۂ قیامت میں روشن چہرہ اور روشن ہاتھ پیروں کے ساتھ آئے گی، مسلمان دنیا میں جن اعضاء وضو میں دھوتے ہیں وہ قیامت کے روز روشن ہوں گے۔ اور تمام خلائق میں اپنی روشن پیشانیوں اور روشن ہاتھ پیروں سے گھوڑوں کی پیشانی کی طرح ممتاز نظر آئیں گے قائد الغر المحجلین بھی آپؐ کا لقب ہے[2]

العَطُوفِ الکَریم

رسولؐ اپنی امت پر مہربان ہیں، جو چیز دنیا و آخرت میں امت کی نجات کا باعث تھی وہ امت والوں کو تعلیم دی، یا اس لحاظ سے اپنی امت پر مہربان ہیں کہ خدا سے دعا فرمائی، ان پر عذاب نہ فرما، یا اس اعتبار سے اپنی امت پر مہربان ہیں کہ روزِ قیامت ان کی شفاعت کریں گے۔ آنحضرتؐ صاحب کرم ہیں کہ عالم ان کے طفیل میں وجود میں آیا، حدیث میں ہے

---

[1] احزاب، ۴۰۔ [2] اس سے مشابہ روایت بحار الانوار ج ۲۳ ص ۱۲۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

کہ آپؐ امت والوں کے لئے ان کے والدین سے زیادہ مہربان وشفیق تھے۔ یہ دونوں بھی آپؐ کے القاب ہیں۔

عبداللہ الوَدُود

رسولؐ کا عظیم ترین لقب عبداللہ ہے خداوند عالم نے قرآن مجید میں جہاں بھی آپؐ کو کمالِ ستائش کے ساتھ یاد فرمایا ہے وہاں آپؐ کو عبداللہ ہی کے نام سے یاد کیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: فأوْحى إلى عَبْدِهِ ما أوْحى.[1] سُبْحانَ الَّذي أسْرى بِعَبْدِهِ لَيْلاً[2]

رسولؐ نے کمالِ بندگی کو اس وقت حاصل کیا ہے جب آپؐ نے خدا کے وہ تمام حقوق ادا کئے جو بندہ پر واجب ہیں اور خدا کے تمام حقوق کی ادائیگی بجائے خود بندہ کی منقبت ہے۔ رسولؐ کے علاوہ یہ چیز حاصل نہیں ہوتی ہے، لہٰذا حقیقی بندۂ خدا رسول ہی ہیں آپؐ خدا کو بہت دوست رکھتے ہیں کیونکہ جب کمالِ عبودیت حاصل ہوجاتا ہے تو خدا کا کمالِ مودت حاصل ہوجاتا ہے اور کمالِ محبت ومودت کمالِ ذات کے مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے اور اس مشاہدہ کا کمال عبودیت کے فرائض پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ یہ دونوں بھی آنحضرتؐ کے القاب ہیں۔

أحمدِ المَحْمُود

خلائق میں آپؐ کی سب سے زیادہ ستائش کی گئی ہے۔

اس نام کے معنیٰ، کسی شخص کی اس صفت کمال کے ذریعہ ستائش کرنا ہیں جو اس کے اندر موجود ہو اور ہر صفت کمال پر انسان کی ستائش کی جاتی ہے جس شخص میں صفات کمال زیادہ ہیں اسی تناسب سے اس کی ستائش زیادہ کی جاتی ہے، پس جس انسان کی تمام مخلوقات سے زیادہ تعریف کی گئی ہے، اس کے صفات کمال بھی سب سے زیادہ ہوں گے یہ صفت آنحضرتؐ میں موجود ہے۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ آسمان پر رسولؐ کا نام احمد ہے کیونکہ صفاتِ کمال

---

[1] نجم، ۱۰۔ [2] اسراء، ۱۔

کا سرچشمہ علویات ہیں اور چونکہ آسمان والوں کی طرف سے موجودات کو صفاتِ کمال و ستائش حاصل ہوتے ہیں، انھوں نے آنحضرتؐ، اور چونکہ صفات کمال وستائش موجودات کو آسمان والوں کی طرف سے ملتے ہیں لہذا آسمان والوں کو آنحضرتؐ کی معرفت تھی وہ جانتے تھے کہ آپؐ خلائق میں سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں لہذا وہ خلائق میں صفاتِ کمال سے متصف ہونے کی بنا پر آپؐ کو احمد کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ زمین کے طبقات کے نیچے "تحت الثریٰ" میں آپؐ کو محمود کہتے ہیں، گویا کوئی آپؐ کے سوا کسی کی تعریف نہیں کرتا ہے۔ یہ دو آنحضرتؐ کے نام ہیں، چونکہ آپؐ کے بعض اسماء و القاب کا ذکر نہیں ہوا ہے لہذا، اوصاف کے ذکر کے ذریعہ آپؐ کے حالات لکھتے ہیں۔

رسولؐ کے حالات

صَاحِبِ النّورِ الْمُنْتَقِلِ فِي اٰبائِهٖ مِنَ الأَصْلابِ إِلَى الأَرْحام

رسول اس نور کے مالک ہیں جو باپوں کی پشت سے عورتوں کے رحموں میں منتقل ہوتا رہا

توضیح: جابر بن عبداللہ انصاری نے رسولؐ سے دریافت کیا: خدا نے سب سے پہلے کس چیز کو خلق فرمایا؟ آپؐ نے جواب دیا کہ سب سے پہلے خدا نے جس چیز کو پیدا کیا وہ میرا نور تھا اور سالہا سال اس نور کو اپنے قرب میں رکھا، پھر اس نور کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصہ سے ایک قسم کی مخلوق پیدا کی، ایک حصہ سے عرش اور دوسرے سے کرسی اور آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے" پیدا کیا۔ پھر اس نور سے عرق پیدا ہوا اور خداوند عالم نے اس کے ہر قطرہ سے ایک نبی پیدا کیا، جب آدم کو خلق فرما چکا تو اس نور کو ان کے وجود میں منتقل کر دیا تو وہ آدم کی پیشانی میں چمکنے لگا۔ آدم کے بعد شیثؑ کے بدن میں منتقل کر دیا اسی طرح پاکیزہ صلبوں سے پاکیزہ ارحام میں منتقل کرتا رہا یہاں تک میرے والد حضرت عبداللہؑ کا زمانہ آیا اور عبداللہ کے صلب سے آمنہ کے رحم میں منتقل کیا اور پھر میں پیدا ہوا، میں خاتم النبیین ہوں اے جابر یہ ہے تمہارے پیغمبرؐ کی خلقت کی ابتداء۔

دوسری حدیث میں اسی طرح بیان ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: جاہلیت کے عیوب اور نقائص میں سے کوئی عیب میرے نسب میں نہیں ہے، میرے والدین میں سے کوئی بھی آدم تک حرام کا مرتکب نہیں ہوا ہے سب حلال زادہ ہیں۔

پیغمبر اسلام کا نسب اس طرح ہے: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ

بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

یہاں تک اہل نسب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے پیغمبرؐ کا ارشاد ہے کہ نسب کو عدنان سے آگے نہ بڑھاؤ کیونکہ آگے بہت اختلاف ہے لہٰذا ہم نے وہی تحریر کیا ہے جو متفق علیہ ہے، جس میں اختلاف ہے اسے نقل نہیں کیا ہے تاکہ اس عظیم نسب میں کہیں خطا واقع نہ ہو جائے۔

المُتَلألِیءِ فی سُرَّةِ البَطْحاءِ کَالْبَدْرِ التَّمام

آپؐ مکہ میں چودھویں کے چاند کی مانند چمکنے والے ہیں۔

یہ مکہ میں رسولؐ کی ولادت کی بشارت ہے، آپؐ کی جائے پیدائش کعبہ کے مغرب میں مکہ میں ہے[1]۔ علماء کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے روز دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول کو ولادت پائی۔

رسولؐ کی ولادت کے وقت جو معجزات رونما ہوئے۔

آنحضرت کی ولادت کے وقت عجیب و غریب آثار رونما ہوئے، ان آثار کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

ا۔ وہ علامات اور معجزات جو آنحضرتؐ کے وجود شریف سے متعلق تھے۔ آپؐ کی والدہ حضرت آمنہ سے روایت کی گئی ہے کہ انھوں نے فرمایا! حمل کے زمانہ میں عورتوں کو تکلیف و دشواری پیش آتی ہے مجھے قطعاً اس کا احساس نہیں ہوا، جب آنحضرتؐ نے ولادت پائی تو بالکل پاک و صاف تھے ختنہ شدہ اور ناف بریدہ تھے وضع حمل کے وقت میں نے اپنے پاس ایسی کچھ عورتوں کو دیکھا کہ جنھیں اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ولادت پاتے ہی آپؐ نے لا الٰہ الا اللہ کہا غیب سے سفید کپڑا آیا، ان عورتوں نے آنحضرتؐ کو غسل دیا۔

---

[1] مکہ میں آپؐ کی جائے ولادت معین ہے آج کل صفا و مروہ کی طرف مسجد الحرام کے کنارہ پر واقع ہے۔ تیس چالیس سال قبل وہاں کی عمارت کو منہدم کر کے وہاں اوقاف مکہ کی طرف سے کتب خانہ بنا دیا گیا تھا جو ابھی تک موجود ہے۔

۲۔ وہ معجزات جو آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت دنیا میں رونما ہوئے حضرت آمنہ فرماتی ہیں:
جب محمدؐ نے ولادت پائی تو ان سے ایک نور ساطع ہوا کہ جس کی روشنی سے میں نے شام کے محل اور اس کی عمارتوں کو دیکھ لیا۔[1] جس وقت آپؐ پیدا ہوئے اسی وقت فارس کا آتشکدہ جو ہزار سال سے روشن تھا، خاموش ہو گیا، دریائے ساوہ خشک ہو گیا۔[2] کسریٰ کے محل کے کنگرے گر پڑے اور بہت سے معجزات ظاہر ہوئے۔
آنحضرتؐ چودھویں کے چاند کی طرح کامل و مکمل پیدا ہوئے، یعنی ولادت کے وقت آپؐ کے وجود میں وہ نقص نہیں تھا جو بچوں میں ہوتا ہے کیونکہ پلیدی سے پاک ہوئے تھے۔ جیسا کہ دوسری قسم میں اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے، آنحضرتؐ مکہ میں درخشاں ہوئے اور آفاق میں آپؐ کا نور پھیل گیا کہ جس سے دنیا روشن ہو گئی اور کفر کی علامتیں، آتشکدۂ فارس، کنگرہ ختم ہو گئیں۔

اَلْمُنَزَّلِ عَلَيْهِ جِبْرَئِيلُ فِي الْحَرَاءِ بِاٰيَاتِ الْكَلَامِ

محمدؐ وہ ہیں جس پر غارِ حرا میں جبریل کلامِ خدا کی آیات لیکر نازل ہوئے۔
یہ وحی کے آغاز کی طرف اشارہ ہے اور صحیح حدیث میں بیان ہوا ہے کہ جب آپؐ چالیس سال کے ہوئے تو خداوند عالم نے جبریل کو آپؐ کے پاس بھیجا اور دنیا کے لئے آپؐ کو رسول مقرر کیا۔ آغازِ وحی کے بارے میں علماء نے کہا ہے کہ رسولؐ پر وحی کا سب سے پہلا اثر بہترین خواب تھا جو آپؐ نے دیکھا۔ اور جو کچھ دیکھا تھا اُسی وقت اس کا اثر ظاہر ہو جاتا تھا چھ ماہ تک خواب دیکھتے رہے۔ اس کے بعد آپؐ کو تنہائی بہت پسند آنے لگی، کچھ توشہ لیتے اور مکہ کے مشرق میں غارِ حرا میں چلے جاتے۔ اور وہاں عزلت گزیں ہو جاتے تھے۔ کئی شب عبادت کرکے خدیجہ کے پاس واپس تشریف لاتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ غارِ حرا میں آپؐ پر جبریل نازل ہوئے اور آپؐ سے

---

[1] بحارالانوار ج ۱۵، ص ۲۷۳۔

[2] بحارالانوار ج ۱۵، ص ۲۶۳۔

فرمایا پڑھیے! آپؐ نے فرمایا: میں پڑھا نہیں ہوں، جبریل نے آنحضرت کو دبایا اور پھر فرمایا اب پڑھیے! آپؐ نے فرمایا: میں پڑھا نہیں ہوں، اسی طرح تین مرتبہ ہوا اس کے بعد حضرت جبریل نے فرمایا: «اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ. خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ»[1]۔ محمدؐ اس صورت حال سے ڈرے اور حضرت خدیجہ کے پاس لوٹ آئے کہا، میں اپنے متعلق ڈرتا ہوں کہ کاہن یا مجنون نہ ہو جاؤں۔ خدیجہ نے کہا: ہرگز خدا آپؐ کو رسوا نہیں کرے گا، آپؐ صلہ رحم کرتے ہیں، اہل و عیال کی پرورش کرتے ہیں، حوادث میں لوگوں کے کام آتے ہیں، اس کے بعد خدیجہ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ خدیجہ کا چچازاد بھائی تھا، بوڑھا نصرانی تھا، اس نے انجیل کو عربی میں لکھا تھا[2]۔ جب خدیجہ نے ورقہ سے تفصیل بیان کی ورقہ نے آپؐ سے پوچھا کہ آپؐ کیا دیکھتے ہیں۔ محمدؐ نے پورا واقعہ ورقہ کے سامنے نقل کر دیا، ورقہ نے کہا: خدا کی قسم یہ ناموس اکبر ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا یعنی جبریل ہے۔ پھر ورقہ نے کہا کاش میں اس دن جوان ہوتا جس روز تمہاری قوم تمہیں وطن سے نکالے گی، اگر میں اس وقت زندہ رہا تو آپؐ کی پوری مدد کروں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کیا میری قوم مجھے باہر نکالے گی؟ ورقہ نے کہا جس شخص نے وہ چیز پیش کی جو تم لائے ہو، اسی سے لوگوں نے دشمنی کی ہے[3]۔ تھوڑے دنوں کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا اور ایک مدت وحی بند رہی اس کے بعد سلسلہ وحی شروع ہو گیا اور پھر پے در پے آنے لگی۔ اس فقرہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرتؐ کے پاس جبریل آیات لے کر نازل ہوئے۔

الْمُتَحَمِّلِ لِأَعْبَاءِ الرِّسَالَةِ وَ تَبْلِيغِ الْأَحْكَامِ

رسولؐ تبلیغ رسالت اور احکام رسانی کا بار اٹھانے والے ہیں۔

---

[1] علق، ۲

[2] غ میں عبری

[3] مذکورہ روایت کو علامہ سید مرتضیٰ جعفری نے رد کیا ہے اور غلط قرار دیا ہے۔

اس عبارت میں اس زحمت و مشقت کی طرف اشارہ ہوا ہے جو کہ رسالت کے زمانہ میں آپؐ نے اٹھائی تھی۔

منقول ہے کہ جب خداوندعالم نے آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ اپنی قوم قریش کو توحید کی دعوت دو اور بت پرستی سے منع کرو تو اس پیغام رسانی کی بنا پر قریش آپؐ کے دشمن ہو گئے اور رسولؐ کو اذیتیں دینے لگے یہاں تک کہ حالتِ نماز میں اونٹ کا پیا آپؐ کی گردن پر لٹکا دیا۔ آپؐ پر پتھر برسانے لگے تو ابوطالبؑ نے آپؐ کو بچایا اگر ابوطالب نہ ہوتے تو آنحضرتؐ کو قریش شہید کر دیتے ابوطالب مکہ کے سردار عبدالمطلب کے بیٹے اور ان کے قائم مقام تھے۔ لہذا پوری طاقت سے محمدؐ کو کافروں سے بچاتے تھے۔ قریش بھی محمدؐ اور دوسرے مومنوں کی ایذا رسانی میں اضافہ کرتے تھے چنانچہ جو شخص آپؐ پر ایمان لے آتا تھا تو اسے مرتد کرنے کے لئے قریش مارتے سخت سزائیں دیتے اور قید میں ڈال دیتے تھے۔ مومنوں میں سے کوئی بھی ایمان کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ قریش کی ایذا رسانی کی انتہا یہ تھی کہ انھوں نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بھی مکہ سے باہر نکال دیا تھا۔ جس سے یہ دونوں خاندان شعب ابوطالب میں رہنے پر مجبور ہو گئے۔ قریش نے آپس میں قسم کھائی تھی کہ ان دونوں خاندانوں سے اس وقت تک کسی قسم کا رابطہ برقرار نہ کریں گے جب تک کہ محمدؐ کو ان کے سپرد کرنے پر راضی نہ ہو جائیں گے۔ ان کا سوشل بائیکاٹ رہے گا یہاں تک کہ ابوطالب آپؐ کی ہر قسم کی مدد سے دست کش ہو جائیں۔ مگر آپؐ نے ان تمام مصائب کو برداشت کر لیا۔ تین سال تک شعب ابوطالب ہی میں زندگی گزاری۔ یہاں تک کہ خدا نے اس دستاویز پر دیمک کو مسلط کر دیا جو کافروں نے سوشل بائیکاٹ کے سلسلہ میں لکھ کر خانہ کعبہ میں آویزاں کر دی تھی۔ دیمک نے نام خدا کے علاوہ ساری دستاویزاں کو کھا لیا۔

دستاویز کی صورت حال کو جبریل نے آنحضرتؐ سے بیان کیا، آپؐ نے ابوطالبؑ سے فرمایا، کہ خدا نے قریش کی اس دستاویز پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے جو انھوں نے خانہ کعبہ میں آویزاں کی تھی اور دیمک نے اسے کھا لیا ہے، ابوطالبؑ اپنے خاندان کے بعض سربرآوردہ

حضرات کے ساتھ مسجد الحرام میں تشریف لائے اور قریش کو مخاطب کر کے فرمایا: مجھے محمدؐ نے خبر دی ہے کہ خدا نے تمہاری اس دستاویز پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے جو کہ تم نے قطع رحم کے سلسلہ میں لکھی تھی۔ چنانچہ دیمک نے خدا کے نام کے علاوہ ساری دستاویز کو کھالیا ہے۔ اور میں نے محمدؐ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا ہے۔ اور اگر محمدؐ کی یہ بات جھوٹی ہو گی تو میں انھیں تمہارے سپرد کر دوں گا۔ اور اگر ان کی بات صحیح ہے تو اس سوشل بائیکاٹ کا سلسلہ ختم کر دو، قریش نے اس بات کو قبول کر لیا۔ جب دستاویز کو دیکھا گیا تو آنحضرتؐ کے قول کے مطابق نکلی تو قریش نے بائیکاٹ ختم کر دیا اور رسولؐ نے پھر تبلیغ شروع کر دی۔

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ دونوں کا انتقال ہو گیا تو رسولؐ کے لئے مشکل کھڑی ہو گئی دوسری طرف دشمن مضبوط ہو گئے۔ اور انھوں نے آپؐ کی ایذا رسانی میں اضافہ کر دیا۔ محمدؐ طائف تشریف لے گئے تاکہ وہاں کے لوگوں کو اسلام میں داخل کریں لیکن اہل طائف نے اسلام قبول نہ کیا اور آنحضرتؐ کو تکلیفیں پہونچائیں، بے ہودہ لوگوں نے آپؐ پر پتھر برسائے رسولؐ نے قریش کے ایک سربرآوردہ شخص مطعم بن عدی کے یہاں پناہ لی۔ اس نے آپؐ کو امان دی[1] پھر آپؐ مکہ واپس آگئے اور تبلیغ شروع کر دی۔ کفار نے آپؐ کو جہاں تک ہو سکا ستایا۔ مذکورہ فقرہ میں اسی زحمت و مشقت کی طرف اشارہ ہے جو آپؐ نے فریضۂ رسالت کو ادا کرنے کے سلسلہ میں برداشت کی تھی۔

رسولؐ کے معجزات

اَلْمُظْہِرِ لِلْمُعْجِزاتِ الْباھراتِ و الایاتِ الْعِظامِ

آپؐ (محمدؐ) روشن معجزات اور عظیم آیات و علامات کے ظاہر کرنے والے ہیں۔

---

[1] بعض محققین نے اس بات کو قبول نہیں کیا ہے کہ رسولؐ نے اس سے امان طلب کی تھی۔

اس فقرہ میں رسولؐ کے معجزات کی طرف اشارہ ہے۔ معجزہ اس خارق العادہ چیز کو کہتے ہیں جس کو رسولؐ و نبیؐ اس وقت دکھاتا ہے۔ جب نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتا ہے، ایسا کام دوسرے لوگ انجام نہیں دے سکتے، ہر پیغمبر کے لئے معجزنما ہونا ضروری ہے تاکہ معجزہ اس کے دعوے کی صداقت کا ثبوت بن سکے، معجزہ دعوائے رسالت کا بہترین گواہ ہے، تمام انبیاء کے معجزات ہیں لیکن ہمارے نبیؐ حضرت محمدؐ کے معجزات تمام پیغمبروں سے زیادہ ہیں، جو معجزہ کسی پیغمبر کے پاس تھا اسی جنس کا معجزہ ہمارے رسولؐ کے پاس بھی تھا اور جو معجزات آپؐ کے مخصوص ہیں وہ کسی نبی و رسولؐ کے پاس نہیں تھے۔ اگر ہم آپؐ کے تمام معجزات کو جمع کریں تو اس کے لئے جلدیں درکار ہیں اس لئے بعض معجزات کے سپرد قلم کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

رسولؐ کا اولین معجزہ، قرآن

آنحضرتؐ کے معجزات مختلف نوعیت کے ہیں۔ اول کتاب اللہ ہے جو منظم اور بدیع و ترکیب کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اس زمانہ میں فصاحت عرب میں عروج پر تھی، خدا نے اپنے رسولؐ۔ محمدؐ۔ پر قرآن نازل کیا تو آپؐ نے فرمایا: یہ قرآن میرا معجزہ ہے، تم بلاغت و فصاحت کے لحاظ سے اس کا مثل نہیں پیش کر سکتے، عرب قرآن کا مثل لانے سے عاجز تھے اور عاجز رہے۔

اس سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ قرآن کس اعتبار سے معجزہ ہے، بعض نے کہا ہے کہ غرابت اور ترکیب کے لحاظ سے معجزہ ہے بعض کہتے ہیں اس لئے کہ قرآن کلام کے تمام اسالیب جیسے قصص احکام اور وعد وعید پر مشتمل ہے کچھ کہتے ہیں کہ قرآن کے کم الفاظ میں بے پناہ معانی موجود ہیں اس لئے معجزہ ہے۔ اس ناتواں۔ مولف۔ کا نظریہ یہ ہے کہ قرآن اس لحاظ سے معجزہ ہے کہ قرآن کے علاوہ جس کلام کو دیکھا جائے اس کے معانی و مقاصد محدود نظر آتے ہیں اور اگر اسے مکرر بھی کریں گے تو بھی وہ اپنی محدودیت سے نہیں نکل سکے گا اس کے

معانی محدود ہی رہیں گے۔ مگر قرآن کو نازل ہوئے نوسو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے اور اسی وقت سے اس کے دریائے معانی میں غواصی کرنے والے غواصی کرتے چلے آرہے ہیں اور اس کے بہت سے معانی، فوائد حاصل کئے ہیں لیکن ابھی تک ایک شمہ برابر بھی حاصل نہیں کر سکے ہیں اور اس زمانہ میں تو علماء نے ایسے معانی و مفاہیم پیش کئے ہیں کہ جن ایسے معانی و مفہوم کا کسی کے ذہن میں خطور بھی نہیں ہوا ہوگا، قرآن اتنا واضح اور عیاں ہے کہ کسی پر مخفی نہیں ہے چنانچہ اس کے نئے معانی کا سمجھنا سب کے لئے آسان ہے۔ دوسری بات یہ کہ قرآن کے علاوہ جس پر کلام کو بار بار پڑھا جاتا ہے اس سے طبیعت الجھنے لگتی ہے اور نفرت ہونے لگتی ہے اور قرآن کی تلاوت کا جب بھی آغاز ہوتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام جیسے سنا ہی نہیں گیا تھا اور تلاوت اتنی بھلی معلوم ہوتی ہے کہ جیسے پہلی بار سن رہے ہیں، یہ صفت قرآن کے علاوہ دوسرے کلام میں نہیں ہے، بشر ایسا کلام پیش نہیں کر سکتا ہے۔ صَدَقَ اللّٰهُ و صَدَقَ رَسولُهُ الكريم و نَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ و اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ العالَمين.

اس موضوع سے متعلق میرے ذہن میں یہ بات آئی ہے کہ محمدؐ کے معجزات کو مختلف قسموں پر تقسیم کیا جائے اور انھیں اس طرح کلی طور پر اور حصر کے ساتھ پیش کیا جائے کہ جس تک کسی محدث کی رسائی نہ ہوئی ہو تاکہ یہ دلیل حصر اور کلی تقسیم اس شخص کے لئے راہنما بن جائے جو کہ دلائل نبوت سے آگاہ ہونا چاہتا ہے۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ معجزہ خارق العادات فعل سے عبارت ہے اور خارق العادت کا مطلب یہ ہے کہ اس فن کے ماہروں کا اس بات پر اتفاق ہو کہ یہ کام ان کے قبضہ سے باہر ہے اور یہ فعل اس شخص سے صادر ہوا ہے جس سے عجیب کام مختص ہیں، طریقۂ خلق سے خارج ہے جس شخص سے یہ فعل صادر ہوتا ہے اگر اس کا نفس شریر ہے اور بد اعمال ہے اور لوگوں کو فسق و ظلم اور برائیوں کی طرف بلاتا ہے تو وہ شخص جادوگر و ساحر ہے۔ اور اگر وہ صالح نفس ہے نیکیوں کی طرف بلانے والا ہے، طاعت پر عمل پیرا ہے اور ایسے فعل کے صدور کے باوجود پیغمبری و نبوت

کا دعویٰ نہیں کرتا ہے تو وہ خارق العادت فعل اس کی کرامات میں سے ہے کہ جس سے خدا نے اسے سرفراز کیا ہے۔ اور اگر نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، منکروں اور جھگڑالو لوگوں کو عاجز کرنے کے لئے خارق العادت فعل انجام دیتا ہے تو وہ نبی ہے۔

یہ خارق العادت فعل ہر پیغمبر کے لئے ضروری ہے، اگر خارق العادت کام کا اظہار دعوے کے وقت کیا کرتا ہے تو اس سے اس کی نبوت ثابت ہو جاتی ہے اور دیگر خارق العادات افعال کے ذریعہ وہ اپنی صنف کے افراد کی بہ نسبت خدا کے نزدیک زیادہ مکرم ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے رسولؐ کی رسالت قرآن مجید کے اعجاز سے ثابت ہوگئی۔ کیونکہ اس کے ذریعہ آپؐ نے معارضہ کیا اور مخالفین پر غالب آگئے اور خداوند عالم کا ارشاد ہے:" وَ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا"[1]

باوجودیکہ آپؐ کی نبوت قرآن سے ثابت ہوگئی اور وہ تاقیامت وہ معجزہ رہے گا، پھر آنحضرتؐ نے مختلف مواقع پر بہت سے معجزات دکھائے ہیں، کلی طور پر یوں کہا جائے کہ رسولؐ اسلام کا معجزہ یا تو آپ کی ذات وصفات میں موجود ہے یا آپؐ کے افعال میں ہے جو آنحضرتؐ کی ذات وصفات میں ہے وہ یا کرامت ہے جو خدا نے آپؐ کی ذات میں پیدا کر دی ہے یہ تمام موجودات کی خلقت سے عادتاً باہر ہے یا ایسی کرامت ہے جو کہ خدا نے خلقت کے بعد آپؐ سے مختص کر دی ہے، اور جو کچھ آپؐ کے افعال میں ہے وہ یا مخلوقات میں تصرف ہے اور مخلوقات یا روحانیت سے قریب ہیں یا محض جسمانی ہیں، اور روحانیت جو کہ محض جسمانی نہیں ہیں یا وہ ملک ہیں یا جن ہیں اور جسمانیات میں یا فلکی ہیں یا عنصری، فلکی میں یا جرم فلک ہیں یا ستارے، عنصری میں یا بسیط ہے یا مرکب، بسیط میں، آگ، خاک، آب، دھواں شامل ہے، مرکب میں یا جمادات ہیں یا نباتات ہیں یا حیوانات ہیں اور حیوانات میں یا انسان ہیں یا غیر انسان۔

---

[1] بقرہ ۲۳

یہ پیدا شدہ مخلوقات کی قسمیں ہیں جن میں آنحضرتؐ تصرف فرماتے ہیں اور موجودات کی ان تمام قسموں میں رسولؐ تصرف فرماتے ہیں جو صحاح کی احادیث سے ثابت ہے اور ہر قسم میں نبی اکرمؐ نے معجزہ دیکھایا ہے اور اس صلوات میں ہر قسم کی طرف فقروں میں اشارہ ہے اور ہم اس فقرہ کی وضاحت کے ساتھ اس سے متعلق معجزات کو صحیح طریقوں سے پہونچنے والی احادیث کے لحاظ سے لکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ و بہ التوفیق ۔

رسولؐ کے معجزات کی قسمیں

۱۔ معجزات پیدائشی طور پر آنحضرت کی ذات وصفات میں واقع ہیں معجزات کی اس قسم کی طرف درج ذیل فقرہ میں ارشاد ہوا ہے۔

اَلْمَخْلُوقِ فی أَجْملِ جَمَالٍ و أَقْوَمِ قوام

محمدؐ بہترین جمال اور زاویہ پر پیدا کیے گئے ہیں اور بدن کی ساخت کے اعتبار سے بھی بہترین خلائق ہیں۔

۱۔ خلقت بدن: رسولؐ خلقت وآفرینش کے لحاظ سے تمام مخلوقات سے بلند ہیں بفراست رکھنے والے اور قیافہ شناس لوگ جو کہ آدمی کی خلقت کے اطوار وڈھنگ سے اس کے اخلاق پر استدلال کرتے ہیں، ان سب کا اتفاق ہے کہ آپ کے تمام اعضاء بہترین زاویہ پر پیدا ہوئے ہیں ان کی دلالت اس بات پر ہے کہ آنحضرتؐ کے تمام اخلاق اوجِ کمال پر پہونچے ہوئے ہیں اس زاویہ پر کوئی شخص پیدا نہیں ہوا ہے۔

جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ رسولؐ کا چہرہ آفتاب ومہتاب کی مانند تھا اور گول تھا اور یہ بہترین چہرہ شمارہ ہوتا ہے۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نہ بہت لمبے تھے اور نہ بہت پستہ قد میانہ قد تھا اور علم قیافہ کی رو سے یہ بہترین قد ہے۔

انس ہی سے روایت ہے کہ آنحضرت گورے نہیں تھے نہ گندم گوں تھے بلکہ آپؐ کا رنگ متوسط گورا تھا اور علم قیافہ کے اعتبار سے یہ بہترین رنگ ہے۔ پھر انس ہی کہتے ہیں، محمدؐ کے بال تہ بہ تہ نہیں تھے یعنی بہت گھنے بال نہیں تھے بلکہ ہر دو بالوں کے درمیان معمولی سا فاصلہ تھا اور یہ بالوں

کی بہترین قسم ہے آنحضرتؐ کے بال بہت لمبے نہیں تھے ہاں کنگھی فرماتے تھے تو آدھے کانوں تک پہونچ جاتے تھے اور یہ بالوں کی بہترین قسم ہے۔ انس کہتے ہیں: سر و قدم ہوٹے اور قوی تھے اور علم قیافہ کے لحاظ سے یہ سر و قدم کی بہترین قسم ہے۔

براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسولؐ کا میانہ قد تھا، آپؐ کے دو کندھوں کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ دونوں متصل نہیں تھے اور علم قیافہ کی رو سے یہ بہترین کندھے ہیں۔

جابر بن سمرہ کہتے ہیں: آنحضرتؐ کا دہن مبارک کشادہ تھا آپؐ کی آنکھوں کے حلقے لمبے تھے اور عقبی حصہ پر کم گوشت تھا اور علم قیافہ میں یہ بہترین شکل شمار ہوتی ہے۔

انس کہتے ہیں: آنحضرتؐ کا رنگ کھلتا ہوا اور چمکیلا تھا آپؐ کے پسینہ کے قطرے گویا مروارید تھے، ہتھیلی پشمینہ سے زیادہ نرم تھی میں نے رسولؐ جیسی خوشبو کسی مشک و عنبر میں بھی خوشبو محسوس نہیں کی ہے۔ انس کہتے ہیں کہ رسولؐ میری والدہ کے پاس تشریف لاتے اور وہاں سو جاتے، آپؐ کو پسینہ زیادہ آتا تھا میری ماں آپؐ کا پسینہ جمع کر لیتی تھی اور اس سے خوشبو کا کام لیتی تھی آپؐ نے دریافت کیا تم ایسا کیوں کرتی ہو؟ میری ماں نے کہا: ہمارا بہترین عطر وہ ہے جس میں آپؐ کی پیشانی کا پسینہ ہو۔

امیرالمومنین نے آپؐ کی توصیف اس طرح کی ہے۔ رسولؐ نہ بہت لمبے تھے اور نہ بہت چھوٹے سر و قدم موٹا تھا، سینہ پر بالوں کی لکیر کھنچی ہوئی تھی، ریش مبارک بہت گھنی تھی، ہتھیلی اور قدم پُر گوشت تھے، رنگ مبارک مائل بہ سرخی تھا، کندھے موٹے تھے، راستہ چلتے تو آگے کی طرف بڑھتے ہوئے معلوم ہوتے جیسے بلندی سے نشیب میں اُتر رہے ہوں، میں نے آپؐ سے پہلے اور آپؐ کے بعد ایسا آدمی نہیں دیکھا [1]

---

[1] رسولؐ خدا کی توصیف میں انس سے متعدد روایات منقول ہیں ملاحظہ فرمائیں طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۶۔

امیرالمومنین رسول اکرمؐ کی توصیف کرتے تو فرماتے: آنحضرتؐ بہت دراز قد نہیں تھے نہ پست قد تھے چنانچہ آپؐ کے بعض اعضاء کچھ بڑے تھے آپؐ کی زلفیں تہ در تہ نہیں تھیں ایک بال دوسرے پر لٹکا ہوا تھا بلکہ متوسط قسم کے بال تھے۔ بدن چھریرا تھا گوشت نہ تھا نیچے والا جبڑا پیشانی سے نزدیک نہیں تھا۔ چہرۂ مبارک گول تھا اور رنگ گورا تھا آنکھیں کالی اور مژگان لمبی تھیں ہاتھ اور پیر کی ہڈیاں بڑی اور مضبوط تھیں، پشت پر بہت زیادہ بال نہیں تھے راستہ چلتے تو ایسا لگتا کہ آپؐ بلندی سے نیچے اتر رہے ہیں، جب دیکھتے تو سارے بدن سے دیکھتے تھے۔ دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی، آپؐ خاتم النبیین تھے، سب سے زیادہ مہربان، مومنین کے درمیان بات کہنے میں سچے ترین انسان تھے، خوش خلق اور نرم لہجہ تھے، لوگوں کے ساتھ سب سے اچھے سلوک سے پیش آتے تھے، جو شخص انھیں اچانک دیکھتا تھا اس پر خوف طاری ہو جاتا تھا اور جس کی آپؐ سے صاحب سلامت ہو جاتی تھی وہ آپؐ کا گرویدہ ہو جاتا تھا[1]

یہ تھے آپؐ کی خلقت کے وہ اوصاف جو ہم نے بیان کئے ہیں، ان اوصاف سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آنحضرتؐ کی خلقت سب سے اکمل و بہتر تھی، یہ آپؐ کے پیدائشی معجزات ہیں دوسرا جملہ یہ ہے کہ رسولؐ ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے اور پلیدی و رجس سے پاک دنیا میں آئے تھے۔ اور اس جملے سے آپؐ کا شق صدر بھی سمجھ میں آتا ہے، خداوند عالم نے جبریل کو بھیجا انھوں نے رسولؐ کا سینہ چاک کیا اور آب رحمت سے دھویا تاکہ آپؐ کا باطن ہمیشہ آلودگی سے طیب و طاہر رہے۔

انس سے روایت ہے کہ جبریل رسولؐ کے پاس آئے، رسولؐ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، جبریل نے آپؐ کو لٹایا سینہ چاک کیا اور اس سے جمے ہوئے خون کا ایک ٹکڑا نکالا اور کہا

---

[1] حضرت علیؑ کی زبان سے یہ اوصاف متعدد روایات میں بیان ہوئے ہیں۔ طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۴۱۰ تا ۴۱۴

یہ شیطان کا ڈورا ہے، اس کے بعد آنحضرت کے سینہ کو سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا اور سینہ کے دونوں حصوں کو ایک دوسرے سے متصل کر دیا اور ان کی پہلی جگہ بیٹھا دیا، جو بچے آپ کے ساتھ کھیل رہے تھے وہ دوڑتے ہوئے آپ کی دایہ کے پاس گئے اور کہنے لگے، کسی نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے لوگ آپ کو دیکھنے کیلئے دوڑے، دیکھا کہ آپ کا رنگ متغیر ہو گیا ہے انس کہتے ہیں کہ شق صدر کا نشان میں ان کی طرح دیکھتا تھا۔[1]

آپ کے جسم کا سایہ نہ تھا، آپ کے بدن پر مکھی نہ بیٹھتی تھی جب آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ راستہ چلتے تو آپ کا سر سب سے بلند رہتا تھا۔ آپ کا دل کبھی نہیں سوتا تھا۔ یہ آنحضرت کے خلقی معجزات ہیں۔

۲۔ جو اخلاق حمیدہ آنحضرتؐ سے مخصوص تھے جو کہ آپ میں مکمل طور واقع ہوئے تھے وہ بھی آپ کے معجزات میں شامل ہیں۔

۳۔ آپ غیر معمولی شجاعت کے مالک تھے چنانچہ روایت ہے کہ جنگ احد میں لشکر اسلام کے شکست کھا جانے اور آپ کے زخمی ہو کر زمین پر گر جانے کے بعد بھی آپ کے استقلال وثابت قدمی میں فرق نہیں آیا کھڑے ہوئے لوگوں کو پکارا اور کفار کو دفع کرنے کی دعوت دی کفار واپس لوٹ آئے تھے، چنانچہ شکست کھا جانے کی تلافی کی۔ جنگ وشجاعت والے جانتے ہیں کہ یہ معمولی شجاعت نہیں ہے، عام پر دیکھنے میں نہیں آتی ہے۔ اسی طرح جنگ حنین میں آپ کا بارہ ہزار کا لشکر شکست کھا چکا تھا اور چند اشخاص کے علاوہ سب بھاگ کھڑے ہوئے تھے لیکن آنحضرت ثابت قدم رہے اور دشمن کو پیچھے ڈھکیل دیا ایسی شجاعت بھی عام طور پر دیکھنے میں نہیں آتی ہے یہ آنحضرتؐ کا خلقی معجزہ ہے۔

---

[1] یہ واقعہ شق صدر کے نام سے مشہور ہے، اکثر محققین اسے غلط قرار دیتے ہیں ملاحظہ فرمائیں الصحیح من سیرۃ النبیؐ ج ۱، ص ۸۲ تا ۸۸۔

۴۔ دشمنوں کے دل میں آنحضرت کا رعب بیٹھ جاتا تھا۔ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اس رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے جو کہ دو ماہ قبل ہی دشمنوں کے دل میں بیٹھ جاتا ہے اور وہ شکست کھا جاتے ہیں یہ بھی آپ کا خلقی معجزہ ہے۔

دوسری قسم

آپ کی پیدائش کے بعد جو معجزات خدا نے آپ کی ذات سے مخصوص کئے تھے وہ کچھ اس طرح ہیں:

اَلْمَخْصُوصِ مِنَ اللہ تعالی بِما یُوجِبُ اَلْعِزّ و اَلْاِکْرام

خدا نے آپ سے ہر اس چیز کو مخصوص کر دیا ہے جو آپ کی عزت و کرامت اور سرفرازی کا سبب ہو سکتی ہے۔

اس کی چند قسمیں ہیں:

۱۔ آنحضرتؐ سے معجزۂ کلام کو مخصوص کیا اور کلام خدا کی صفت ہے۔ تمام پیغمبروں کے معجزے مخلوقات کی جنس سے تھے اور آپ کا معجزہ خدا کا قدیم کلام ہے جو حق تعالیٰ کی صفت ہے۔

۲۔ معراج، اس سلسلہ میں ہم انشاء اللہ آئندہ روشنی ڈالیں گے۔

۳۔ حق سے ملاقات جیسا کہ اکثر علماء و صحابہ کا نظریہ ہے۔

۴۔ شب معراج آپ سے خدا کا ہمکلام ہونا اور عطیات سے نوازنا۔

۵۔ غیب کی باتوں کی خبر دینا، انھیں ضبط تحریر میں نہیں لایا جا سکتا ہے، غیب کی باتوں کی خبر دینا بھی ان امور میں سے ہے جو حق تعالیٰ نے آپ سے مخصوص کئے تھے اور آپ کے معجزات میں سے ہے۔ ان کی تفصیلی احادیث میں مرقوم ہیں۔

یہ مجمل معجزات آپ کی ذات و صفات سے مخصوص تھے۔

تیسری قسم

وہ معجزات جو آپؐ کے افعال سے رونما ہوئے اور جن میں ملک آپؐ کے محکوم تھے درج ذیل فقرہ میں ان کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

اَلْمُسَخَّرِ لَهُ جُنْدُ الْمَلَكِ عِنْدَ الْخِصام

دشمنوں سے جنگ کے وقت ملک کا لشکر آپؐ کے تابع کر دیا گیا تھا۔

آنحضرتؐ نے اپنی دعا سے، اسلامی جنگوں میں ملائکہ کا لشکر بلایا، جیسا کہ صحاح کی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ملائکہ آپؐ کے تمام غزوات میں آئے ہیں لیکن انھوں نے صرف معرکہ بدر میں جنگ کی ہے، لیکن پہاڑوں اور دریاؤں اور زمین کے ملائکہ کو بلانا اس لیے تھا تاکہ آپؐ پر رحمت کریں اور اہل مکہ کو ہلاک کریں اس سلسلہ میں وہ آپؐ کے تابع تھے۔

چوتھی قسم

جو معجزات آپؐ کے افعال سے ظاہر ہوئے اور ان میں جن آپؐ کے محکوم تھے۔ درج ذیل فقرہ میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

اَلْمُطيعِ لَهُ الجِنُّ فی تَلَقِّی دِینِ الاِسلام

دین اسلام کو قبول کرنے کے سلسلہ میں جن آپؐ کے تابع ہیں

اس جملہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جن آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپؐ کے مطیع ہو جاتے قرآن سنتے اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے تھے چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے: "قُلْ اُوحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الجِنِّ"[1] اور یہ آنحضرت کا معجزہ ہے

---

[1] جن / ۱۔

کہ جن آپؐ کے تابع ہیں۔

پانچویں قسم

وہ معجزات جو آپؐ کے افعال سے ظاہر ہوئے اور ان میں آسمان آپؐ کا محکوم تھا۔ وہ شب معراج آسمان کو چیرنا ہے، تفصیل آئندہ بیان ہوگی۔

چھٹی قسم

آنحضرتؐ کے وہ معجزات جن میں ستارے آپؐ کے محکوم تھے درج ذیل فقرہ میں ان دونوں قسموں کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

اَلْمُنْخَرِقِ لَهُ الْفَلَكُ فِی الْمِعْرَاجِ وَ الْمُنْشَقِّ لَهُ الْقَمَرُ فِی الظَّلَام

شب معراج آنحضرتؐ کے لئے آسمان شگافتہ ہوا اور رات میں چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ چاندنی رات میں قریش نے بطحا میں آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ آپؐ ہمیں کوئی معجزہ دکھایئے آپؐ نے انگشت مبارک سے چودھویں کے چاند کی طرف اشارہ کیا اور چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے چنانچہ دونوں ٹکڑوں کے درمیان پہاڑ آگیا، اسی طرح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت علیؑ رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر تھے اور آنحضرتؐ جناب امیرؑ کے زانو پر سر رکھے ہوئے محو خواب تھے کہ جناب امیرؑ کی عصر کی نماز قضا ہوگئی جب رسولؐ خدا بیدار ہوئے تو فرمایا؛ تمہاری نماز قضا ہوگئی ہے؟ عرض کی: ہاں۔ آپؐ نے دعا کی سورج پلٹ آیا اور جناب امیرؑ نے نماز ادا کی یہ ان معجزات میں سے ہے جن میں آپؐ نے کواکب پر حکم رانی کی۔

ساتویں قسم

رسولؐ کے وہ معجزات جن میں آپؐ نے عنصریات میں سے آگ پر حکمرانی کی اور اسے اپنا تابع بنایا، درج ذیل فقرہ میں اس قسم کی طرف اشارہ ہے۔

الْمُنقادِ لَهُ النّار لِرَجْمِ الشَّيطانِ و اِحْراقِ اللئام

شیطانوں کو بھگانے اور بدبخت دشمنوں کو جلانے کے لئے آگ آپؐ کے تابع ہے۔ یہ شہاب کی طرف اشارہ ہے کہ جس سے ملائکہ شیطان کو ہنکاتے ہیں یہ بھی آپؐ کا معجزہ ہے یہ آپؐ کے ظہور کے وقت رونما ہوا تھا، رسولؐ کی ولادت سے پہلے شیاطین آسمانی خبریں سنتے تھے جب محمدؐ نے ظہور کیا تو آگ کے شعلے سے شیاطین کو دوڑایا گیا اور آسمان کی خبریں نہ سننے دی گئیں، یہ جملہ اس صاعقہ کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جس نے اربد عامری کو جلایا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عامر بن الطفیل جو کہ بنی عامر کا بڑا تھا وہ اپنے چچازاد بھائی اربد کے ساتھ مدینہ آیا، عامر نے اربد سے کہا تھا کہ میں محمدؐ کو باتوں میں لگاؤں گا اور تم پیچھے سے جاکر ان کا سر قلم کر دینا، جب آنحضرتؐ عامر سے گفتگو کرنے لگے تو اربد ملعون نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا اور نیام سے کچھ باہر نکالی، رسولؐ نے اربد کو دیکھ لیا تو فرمایا: اے اللہ اس کے شر کو دفع کر دے چنانچہ جب آسمان پر بادل بھی نہ تھا اس وقت اچانک بجلی چمکی اور اربد کو جلا کر خاکستر کر دیا[1] یہ رسولؐ کی عنصریات پر حکمرانی تھی یہ بھی آپؐ کا معجزہ ہے۔

آٹھویں قسم

آنحضرتؐ کے وہ معجزات جن میں آپؐ نے عنصریات میں سے ہوا پر حکمرانی کی اس قسم میں پر درج ذیل فقرہ دلالت کر رہا ہے۔

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل، السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، تحقیق، مصطفیٰ السقا وغیرہ ج ۳ و ۴ ص ۵۶۸، ۵۶۹ ملاحظہ فرمائیں۔

اَلْمُنَفِّسِ بِحُکْمِہِ الْھَواءُ بِنَقْلِ الوباء و اِنْشاء الْغَمامِ
آپؐ کے حکم سے ہوا وبائے جاتی ہے اور بادلوں کو لاتی ہے۔
یہ عنصر ہوا پر آنحضرت کی حکمرانی کی طرف اشارہ ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب رسولؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور مدینہ کی ہوا میں وبا تھی، اصحاب نے مدینہ کی ہوا کے بارے میں شکایت کی آپؐ نے دعا کی: اے اللہ مدینہ کی ہوا کو بہترین و سازگار بنادے اور تپ و وبا کو یہاں سے جحفہ[1] میں منتقل کر دے کہ وہاں دوسری حکومت ہے۔ حدیث میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ لوگوں نے رسولؐ سے بارش کم ہونے کی شکایت کی تو آپؐ نے دعا فرمائی اسی وقت بادل چھا گئے اور بارش ہوگئی یہ دونوں واقعے عنصر ہوا پر حکمرانی کا نمونے ہیں۔

نویں قسم

رسولؐ کے وہ معجزات جس میں آپ نے پانی پر حکمرانی کی ہے۔ پانی بھی عناصر میں سے ایک ہے، اس قسم کی طرف، درج ذیل فقرہ اشارہ ہے۔
النّابِعِ الْمَنابِعِ[2] الْماءِ من بَیْنِ سَبّابَتِہِ و الْاِبھامِ
رسولؐ نے اپنی دو انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمہ جاری کیے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ چند جنگوں میں اصحاب نے تشنگی کی شکایت کی آنحضرتؐ نے تھوڑے سے پانی میں اپنی دو انگلیاں داخل کیں اس پانی سے ہزاروں سپاہیوں پر مشتمل لشکر سیراب ہوگیا، اونٹوں کو پلایا اور مشکیں بھر لیں ایسا متعدد موقعوں پر ہوا ہے۔

---

[1] جحفہ حاجیوں کی ایک میقات ہے چھٹی ہجری تک وہاں ایک شہر آباد تھا اب اس میں کھنڈرات ہیں ملاحظہ فرمائیں: معجم العالم الجغرافیہ فی السیرۃ النبویۃ: عاتق بن غیث (مکہ ۱۴۰۲) ص ۸۰۔

[2] بظاہر یہ منابع ہے۔

دسویں قسم

رسولؐ کے وہ معجزات جن میں آپؐ نے خاک میں تصرف کیا ہے، یہ بھی عناصر میں سے ایک ہے درج ذیل فقرہ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

اَلْخاسِفِ لَهُ الأرْضُ فَرَسَ سُراقَةَ عِنْدَ إلْقاءِ الأزْلام

آنحضرتؐ کی خاطر زمین سراقہ کے گھوڑے کو قرعہ اندازی کے وقت نگلنے والی ہے۔

حدیث میں اس کی تفصیل اس طرح وارد ہوئی ہے کہ جب آپؐ مدینہ کی ہجرت کے قصد سے غار سے باہر تشریف لائے کفار نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص بھی محمدؐ کو پکڑ کر لائے گا اسے سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے بنی کنانہ کے سربراہ اور وہ سراقہ بن مالک نے کہا: میں نے سنا ہے کہ محمدؐ ہمارے علاقہ سے گزریں گے، اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور آنحضرتؐ کی طرف بڑھا، جب میں ان کے پاس پہونچا تو محمدؐ نے زمین کو اشارہ کیا اور میرا گھوڑا چاروں پیروں سمیت زمین میں دھنس گیا میں نے فال نکالی اور سمجھ گیا کہ انؐ پر فتح نہیں پا سکتا ہوں، میں نے آنحضرتؐ سے امان مانگی اور لوٹ آیا[1] یہاں آپؐ نے عنصر خاک میں تصرف کیا ہے۔

گیارہویں قسم

آنحضرتؐ کے وہ معجزات جن میں آپؐ نے جمادات میں تصرف کیا ہے جو کہ عناصر سے مرکب ہیں۔ درج ذیل فقرہ میں اس قسم کی طرف اشارہ ہے۔

اَلْمُتَصَرِّفِ فِی الْجَمادِ بِتَحْرِيكِ الْجَبَلِ و تَكْليمِ الْجَمَلِ و زِيادَةِ الطَّعام

پہاڑوں کو چلا کر، اونٹ کو نطق دیکر اور کھانے میں برکت عطا کر کے آنحضرتؐ جماد

---

[1] ملاحظہ فرمائیں سیرت النبویہ، ابن ہشام ج ۱، ۲ ص ۴۸۹

میں تصرف کرنے والے ہیں، یہ آنحضرتؐ کے جہاد میں تصرف کی طرف اشارہ ہے اور اس کی چھ قسمیں ہیں۔

۱۔ پہاڑ کو حرکت دینا، حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرتؐ اپنے بعض اصحاب کے ساتھ کوہِ احد پر موجود تھے کہ پہاڑ کو حرکت ہوئی آنحضرتؐ نے فرمایا: ٹھہر جا کہ تیرے اوپر ایک پیغمبر اور صدیقین و شہدا ہیں۔

۲۔ پتھروں کا آنحضرتؐ کو سلام کرنا، حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: میں مکہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو کہ مجھے سلام کیا کرتا تھا[1]

۳۔ بھنی بکری کا آپؐ سے ہمکلام ہونا، حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب آپؐ جنگ خیبر سے واپس تشریف لائے، ایک یہودی عورت نے بکری کا گوشت بھونا اور اس میں زہر ملا دیا اور جیسے ہی آپؐ نے تناول فرمانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ویسے ہی بکری نے گویا ہو کر کہا: مجھے تناول نہ فرمائیے کہ میرے اندر زہر ملا دیا گیا ہے۔

۴۔ ستون کا رونا، حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب تک منبر نہیں بنا تھا اس وقت رسولؐ ایک لکڑی کے ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب منبر بن گیا تو آنحضرتؐ منبر پر تشریف لے گئے تو وہ ستون چیخ چیخ کر رونے لگے۔ چنانچہ آپؐ منبر سے نیچے تشریف لائے اور اسے تسکین دیتے ہوئے فرمایا: اگر تو چاہے تو میں تجھے دنیا میں ایک درخت بنا دوں کہ لوگ تیرا میوہ کھائیں اور اگر چاہے تو میں جنت کا درخت بنا دوں ستون نے عرض کی: مجھے جنت کا درخت بنا دیجئے۔ اس کے بعد اس کا نام حنانہ پڑ گیا[2]۔

۵۔ کھانے کا زیادہ کر دینا، چند موقعوں پر ایسا ہوا ہے، اور متواتر طریقہ سے نقل ہوا ہے، صحیح

---

[1] اخبار مکہ فاکہی ج ۳ ص ۲۶۵

[2] اب بھی اس ستون کی جگہ اسی نام کا ایک ستون مسجد نبوی میں ہے۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جنگ تبوک میں کھانا ختم ہوگیا اور لشکر والوں کو بھوک ستانے لگی۔ بعض اصحاب نے کہا: یا رسول اللہ توشہ بہت کم باقی بچا ہے، اس برکت کے لئے دعا کر دیجئے آنحضرتؐ نے فرمایا: کھال کا دستر خوان بچھایا جائے اور جس کے پاس جتنا آذوقہ بچا ہے اسے لا کر اس پر رکھدے۔ لوگ آتے تھے کوئی ایک مشت خرما لاتا کوئی ایک مشت دانے لاتا کوئی روٹی کا ٹکڑا لاتا تھا۔ یہاں تک کہ کچھ کھانے کی چیزیں جمع ہوگئیں آنحضرتؐ نے اس مختصر سے کھانے میں برکت کی دعا فرمائی اور اس کے بعد فرمایا: کھانے کے تھیلے اور ظروف لا کر بھر لو چنانچہ لشکر میں کھانا رکھنے کے لئے کوئی ظرف باقی نہ بچا سب کھانے سے پر ہو چکے تھے اور سب نے شکم سیر ہو کر کھایا تھا جبکہ لشکر میں تیس ہزار فوجی تھے اس کے بعد رسولؐ نے فرمایا: «أشهد أن لا اله الّا اللّٰه و انّي رسول اللّٰه» جو شخص اس شہادت کے ذریعہ خدا تک پہونچتا ہے بے شک وہ جنت میں جائے گا[1]

اس کھانے میں برکت کے سلسلہ میں آنحضرتؐ سے بہت سی متواتر حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان کی تفصیل کی زیر نظر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔

بارہویں قسم

آپؐ کے وہ معجزات جن میں آپؐ نے نباتات میں تصرف کیا ہے اور اس قسم کی طرف درج ذیل فقرہ میں اشارہ ہوا ہے۔

اَلْمُتَسَلِّمِ اِلَیْهِ الشَّجَرُ بِالطَّاعَةِ و السَّلام

درخت کو آنحضرتؐ کے لئے مطیع و فرمانبردار اور سلام کرنے والا بنایا ہے، یہ بات

---

[1] دلائل النبوۃ بیہقی ج ۵، ص ۲۳۰ طبع عبد المعطی قلعجی، اس کے آخر کی عبارت اس طرح ہے:

حدیث سے ثابت ہے۔ ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور کہنے لگا، ہم کیسے سمجھیں کہ آپؐ پیغمبر ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: اگر خرمے کی اس شاخ کو بلاؤں تو کیا تم اس بات کی گواہی دو گے کہ میں اللہ کا رسولؐ ہوں، پھر آپؐ نے خرمے کی شاخ کو اشارہ کیا، شاخ جھک کر آپؐ کے نزدیک زمین پر آگری اس کے بعد رسولؐ نے فرمایا: اپنی جگہ پلٹ جا شاخ اپنی جگہ پلٹ گئی اور دیہاتی مسلمان ہوگیا۔

یعلی بن امیہ ثقفی روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسولؐ کے ہمراہ تھے، ایک منزل پر اترے، آپؐ نے نماز جماعت پڑھائی اور ٹیک لگا کر بیٹھ گئے ایک درخت زمین کو چیرتا ہوا اپنی جگہ سے چلا اور آنحضرتؐ کے پاس آگیا اور پھر اپنی جگہ پلٹ گیا جب آپ بیدار ہوئے تو میں نے واقعہ سنایا۔ فرمایا: اس درخت نے خدا سے یہ اجازت طلب کی تھی کہ تیرے رسولؐ کو سلام کروں اور خدا نے اسے اجازت دیدی تھی۔ ایسے ہی اور بہت سے معجزات ہیں۔

تیرہویں قسم

رسولؐ کے وہ معجزات جن میں آپؐ نے حیوانات میں تصرف کیا ہے درج ذیل فقرہ اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

اَلْمُفْصِحِ لَہُ الْعجاء بِالْکَلامِ

آنحضرتؐ گونگے اور بے زبان کو زبان عطا کرنے والے ہیں، یعنی بے زبانوں نے آپؐ سے گفتگو کی ہے اور اس کی چند قسمیں ہیں،

۱۔ بھیڑیے کا آپؐ سے ہمکلام ہونا۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ایک بھیڑیے نے گلے سے ایک گوسفند کو پکڑ لیا تو چرواہے نے اس سے چھڑا لیا، بھیڑیا ٹیلے پر گیا اور کہا: جو روزی مجھے خدا نے دی تھی وہ تم نے مجھ سے چھین لی، چرواہے نے کہا: میں نے آج تک کسی بھیڑیے کو اس طرح بولتے ہوئے نہیں دیکھا ہے، بھیڑیے نے کہا: اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ مدینہ کی کھجوروں کے

درمیان ایک شخص ہے جو ماضی و مستقبل کی خبر دیتا ہے چرواہا یہودی تھا وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور مسلمان ہوگیا۔

۲۔ اونٹ کا ہمکلام ہونا، حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولؐ چلے جا رہے تھے ایک اونٹ نے آپؐ کو دیکھا اور آواز دی۔ آپؐ ٹھہر گئے اور فرمایا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک شخص نے کہا: اس کا مالک میں ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ اس نے کہا میں نے آپؐ کو دیا اور یہ اونٹ جس نسل کا ہے اس نسل کا اب نہیں ملتا ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس اونٹ نے شکایت کی ہے، تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور چارہ کم دیتے ہو، اس کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔[1]

۳۔ سوسمار کا بات کرنا، حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اعرابی۔ دیہاتی۔ آستین میں سوسمار رکھ کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوسمار کو آپؐ کے پاس ڈال کر کہنے لگا خدا کی قسم میں آپؐ پر اس وقت ایمان نہ لاؤں گا جب تک کہ یہ سوسمار آپؐ کی نبوت کی گواہی نہ دے گا آپؐ نے فرمایا: اے سوسمار میں کون ہوں؟ سوسمار فصیح زبان میں گویا ہوا۔ آپؐ محمدؐ خدا کے رسولؐ ہیں، سوسمار کی یہ بات سب نے سنی اور دیہاتی نے اسلام قبول کر لیا، اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

چودہویں قسم

رسولؐ کے وہ معجزات جن میں آپؐ نے انسانوں پر حکم رانی کی اور ان میں تصرف کیا ہے، اس قسم کی طرف درج ذیل فقرہ اشارہ کر رہا ہے۔

الشَّاهِدِ بِرِسَالَتِهِ الْمَوْلُودُ الرَّضِيعُ «قبل العظام»

---

[1] دوسری قسم صرف ع میں درج ہے اور م میں تیسری قسم دوسری کے عنوان سے مرقوم ہے۔

محمدؐ کی نبوتؐ کی گواہی اس نومولود اور شیر خوار بچے نے دی کہ جس کا دودھ سے ابھی گوشت و پوست بننا شروع نہیں ہوا تھا۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک نومولود بچہ آپؐ کی خدمت میں لایا گیا۔ آنحضرتؐ نے بچے سے دریافت کیا، میں کون ہوں؟ سب نے سُنا کہ بچے نے فصیح زبان میں جواب دیا: آپؐ محمد اللہ کے رسولؐ ہیں، اس بچہ کا نام ایمامہ رکھا گیا۔
انسانوں میں آنحضرتؐ کے تصرفات کی بہت سی قسمیں ہیں لیکن ان میں سب سے زیادہ واضح مومنوں کے دلوں کو نور ایمان و معرفت سے مشرف کرنا ہے چنانچہ قیامت تک اولیاء و اصفیاء سے جو کرامتیں بھی وقوع پذیر ہونگی وہ سب آپؐ کے تصرف ہی کی رہین منت ہیں۔
اس قسم کے بہت سے معجزات ہیں اور ہر ایک کی بہت سی قسمیں ہیں لیکن یہاں اختصار سے کام لیا ہے، اور اس حصر و کلی طور پر ہر ایک قسم کو بیان کیا ہے کہ کسی نے اس طرح بیان نہیں کیا ہے۔ اس کی وجہ طول سے بچنا تھا کیونکہ کتاب میں شرح کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر زندگی میں مہلت ملی تو انشاء اللہ موضوع پر ایک ضخیم جلد عربی میں تالیف کروں گا اور اس کا نام جامع المعجزات رکھونگا (یہاں مولف نے جو معجزات نقل کئے ہیں ان کا مدرک بیہقی اور ابو نعیم کی دلائل النبوۃ ہے)

معراج

یہاں ہم نے اس مجمل کو بھی مختصر کر دیا ہے لیکن معجزہ معراج چونکہ آپؐ کے مشہور ترین اور بڑے معجزوں میں سے ایک ہے۔ لہٰذا درج ذیل فقرہ میں اس کی طرف علیحدہ اشارہ ہوا ہے۔

الْمتقرّبِ إِلَى اللّٰهِ فِي الْمِعْرَاجِ حَتّٰى سَمِعَ صَرِيْرَ الْأَقْلَام

معراج میں محمدؐ خدا سے قریب ہوئے اور یہاں تک کہ آپؐ نے اقلام کی آواز سنی۔ یہ معراج کی طرف اشارہ ہے۔
یہ واقعہ حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: اس رات گھر کی چھت کھولی گئی، میں مکہ میں تھا، جبریل نازل ہوئے۔ میرا سینہ چاک کیا اور آب زمزم سے دھویا،

اس کے بعد ایک سونے کا طشت لائے جو کہ حکمت وایمان سے معمور تھا، اسے میرے سینہ میں ڈال دیا اور سینہ کو اس کی سابقہ صورت میں لوٹا دیا اس کے بعد براق لائے، یہ سفید رنگ کا دراز قد چوپایہ ہے، گدھے سے بڑا اور خچر سے کچھ چھوٹا بہت تیز رو ہے جہاں تک نگاہ کام کرتی وہاں اس کا قدم پڑتا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں: میں اس چوپایے، براق، پر سوار ہوا اور جبریل کے ہمراہ بیت المقدس آیا۔ براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیا اپنی سواری کے چوپائے باندھتے تھے۔ پھر مسجد میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھکر باہر نکل آیا، یہاں جبریل دو ظرف لائے ایک میں شراب اور دوسرے میں دودھ تھا میں نے دودھ والا اٹھالیا جبریل نے کہا آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔

اس کے بعد جبریل مجھے پہلے آسمان پر لے گئے۔ آسمانِ اول کا دروازہ کھولنے کے لئے کہا پہلے آسمان کے خازنوں نے پوچھا: تم کون ہو؟ کہا، جبریل آپ کے ہمراہ کون ہے؟ کہا، محمدؐ کہنے لگے مبعوث بہ رسالت ہو گئے ہیں؟ کہا؛ ہاں۔ خوش آمدید اور یہ خوش آمدید محمدؐ کی آمد کی بنا پر ہے، اس کے بعد دروازہ کھل گیا، جب میں وہاں پہونچا تو جبریل نے آدمؑ کی طرف اشارہ کر کے کہا: یہ آپ کے باپ ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے انھیں سلام کیا تو انھوں نے فرمایا: خوش رہو بیٹا۔ ابوذر سے منقول روایت میں وارد ہوا ہے کہ جب میں آسمانِ دنیا پر پہونچا تو میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے دائیں طرف کچھ چیزیں رکھی ہوئی ہیں اور بائیں طرف کچھ کالے چیزیں ہیں جب دائیں طرف دیکھتے تو ہنستے اور بائیں طرف دیکھتے تھے تو روتے تھے میں نے جبریل سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ کہا؛ یہ آدمؑ ہیں۔ جو ان کے دائیں طرف ہے یہ ان کی وہ اولاد ہے جو جنتی ہے اور بائیں طرف والے جہنمی ہیں۔ اس لئے دائیں طرف دیکھ کر ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔

اس کے بعد مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے۔ وہاں میں نے یحییٰؑ و عیسیٰؑ کو دیکھا انھیں سلام کیا انھوں نے جواب سلام دیا، اسی طرح تمام آسمانوں سے ہوتے ہوئے ساتویں آسمان پر

پہونچا ہر آسمان پر جبرئیل آسمان کھلنے کا مطالبہ کرتے تھے اور خازن آسمان جواب دیتا اور دروازہ کھول دیتا تھا اور ہر آسمان پر میں ایک پیغمبر کو دیکھتا تھا تو جبرئیل مجھ سے کہتے کہ سلام کر دیں میں سلام کرتا تھا اور وہ سلام کا جواب دیتے تھے، رسولؐ نے فرمایا؛ میں نے تیسرے آسمان پر یوسفؑ کو چوتھے پر ادریسؑ، پانچویں پر ہارونؑ، چھٹے پر موسیٰؑ اور ساتویں پر حضرت ابراہیمؑ کو دیکھا، اسی آسمان پر مجھے بیت المعمور دکھایا گیا اس کے بعد سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے، اس درخت کے پھل بڑے گھڑے کے برابر اور پتے ہاتھی کے کان کی برابر تھے حسن وجمال کے لحاظ سے اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی، اس درخت کی جڑ میں نہریں جاری تھیں، دو باطن میں دو ظاہر میں، میں نے جبرئیل سے دریافت کیا یہ نہریں کیسی ہیں، کہنے لگے یہ دو باطن کی نہریں جنت میں ہیں اور ظاہر والی نیل وفرات ہیں جو دنیا میں بہتی ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں جب ہم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے تو مجھے ایک ہموار مقام پر لے جایا گیا وہاں میں نے قضا وقدر رکھنے والے ملائکہ کے اقلام کی آواز سنی۔ چنانچہ پہلے فقرہ میں اسی طرف اشارہ ہے کیونکہ تقرب کے یہ اعلیٰ مراتب ہیں اور اس تقرب سے جسمانی تقرب مراد نہیں ہے کیونکہ خداوند عالم منزہ ہے اس سے کہ کوئی جسمانی تقرب حاصل کرے۔ بلکہ یہاں تقرب مراتب مراد ہے، یہ حدیث معراج کا اجمالی بیان ہے کہ جس کی طرف مذکورہ فقرہ میں اشارہ ہوا ہے، تفصیل کے لئے احادیث کی کتب ملاحظہ فرمائیں۔ اب قصۂ ہجرت۔

ہجرت رسولؐ خدا

الْمُهَاجِرِ فِي نُصْرَةِ دِينِ اللّٰهِ لِتَقْوِيمِ شَعَائِرِ الْإِسْلَامِ

محمدؐ دین خدا کی نصرت اور شعائر اسلام کے استحکام کے لئے ہجرت کرنے والے ہیں۔

مذکورہ فقرہ آنحضرتؐ کی ہجرت کی طرف اشارہ ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب محمدؐ کو مبعوث برسالت ہوئے، تیرہ۱۳ سال ہو چکے ہیں کفار قریش نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ

انھوں نے متفقہ طور پر آپؐ کے قتل کا منصوبہ بنالیا۔ ایک رات میں رسول خداؐ ان کے درمیان سے نکل گئے اور حضرت امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کو اپنے بستر پر لٹا گئے، اسی شب میں کفار نے آپؐ کے قتل کی سازش کی تھی، رسولؐ خدا غار میں تشریف لے گئے اور وہاں سے مدینہ ہجرت کر گئے۔ ہجرت کا قصہ مشہور ہے۔

المُجاهِدِ الْغازِي فی سَبيلِ اللّٰهِ بِرَفْعِ السُّيُوفِ و نَصْبِ الأعْلامِ لِكَسْرِ الأصْنام.

محمدؐ کافروں اور مخالفوں پر تلوار کھینچ کر اور بت توڑنے کے لئے[1] علم بلند کر کے راہ خدا میں جہاد کرنے والے ہیں۔

یہ فقرہ آپؐ کے غزوات کی طرف اشارہ کر رہا ہے، مدینہ ہجرت کرنے کے بعد آپؐ نے کافروں سے بہت سی جنگیں کیں، ۲۸ جنگیں وہ ہیں جن میں آپؐ بہ نفس نفیس شریک تھے چنانچہ بدر، احد، خندق، بنی قریظہ، بنی نضیر، بنی قینقاع، حدیبیہ، خیبر، فتح، تبوک، بنی مصطلق، بدر صغریٰ، بدر موعد اور حنین و طائف آپؐ کی مشہور ترین جنگیں ہیں۔

جن جنگوں میں آپؐ نے لشکر روانہ کئے ہیں ان میں سے مشہور، جنگ موتہ ہے۔ زید بن حارثہ جعفر طیار اور عبداللہ بن رواحہ نے اسی جنگ میں شہادت پائی تھی، ذات السلاسل اور دومۃ الجندل میں خالد بن ولید کو بھیجا تھا۔

بتوں کا توڑنا، یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو کہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔ کہتے ہیں فتح مکہ کے دن رسولؐ نے کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بتوں کو دیکھا کہ جن کو لوہے کی میخوں کے ذریعہ دیواروں میں گاڑ دیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی اس سے ہر ایک کی طرف اشارہ کر کے یہ آیت پڑھی: «و قُلْ جاءَ الْحَق و زَهَقَ الْباطِلُ إنَّ الْباطِلَ كانَ زَهُوقاً»[2]

---

[1] غ میں یہ جملہ نہیں ہے۔

[2] اسراء، ۸۱۔

چنانچہ بت ٹوٹ کر گرنے لگے یہاں تک کہ کوئی باقی نہ بچا۔

الْعاقِبِ الْحاشِرِ المُقَفّی لِلرُّسُلِ الْکِرام

آپؐ انبیاء کے بعد تشریف لانے والے ہیں آپؐ کے بعد لوگوں کا حشر ہوگا۔ انبیاء کرام کے بعد آپؐ کی نبوت کا ظہور ہوا ہے۔

مذکورہ فقرہ آنحضرتؐ کے لقب کی طرف اشارہ ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میرے متعدد نام ہیں، میں محمدؐ ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں، خدا نے میرے ذریعہ کفر کو مٹایا ہے، میں حاشر ہوں، میرے بعد لوگوں کا حشر ہوگا، میں عاقب ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ابوموسیٰ اشعری نے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے اپنے بہت سے نام بیان کئے ہیں۔ فرماتے تھے: میں محمدؐ ہوں، میں احمد ہوں، میں مقفی ہوں، میں حاشر ہوں، میں نبی الرحمۃ اور نبی التوبہ ہوں۔

الشَّفیعِ الْمُشَفَّعِ الَّذي هُوَ مَنْ یَنْشَقُّ عنه القَبْرُ یَوْمَ الْقِیامَة

محمدؐ روز قیامت اپنی امت کی شفاعت کرنے والے ہیں، آپؐ کی شفاعت قبول کی جائیگی اور روز قیامت سب سے پہلے آپؐ کی قبر شگافتہ کی جائے گی۔

حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی، اور سب سے پہلے میری قبر شگافتہ کی جائے گی یعنی سب سے پہلے میں قبر سے باہر آؤں گا اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔

صاحِبِ الحَوْضِ المَوْرُودِ و الشَّفاعَةِ العُظْمی و المَحْمُودِ مِنَ الْمَقام

محمدؐ اس حوض کے مالک و مختار ہیں جس پر لوگ قیامت کے روز وارد ہونگے آپؐ عظیم شفاعت اور مقام محمود کے مالک ہیں، اس فقرہ میں آپؐ کے تین مراتب کی طرف اشارہ ہے، حدیث میں وارد ہوا ہے۔

۱۔ آنحضرتؐ حوض کے مالک ہیں چنانچہ حدیث میں بیان ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میرا حوض

طول میں ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو مشک سے زیادہ دل پسند ہے۔ اس کے کوزے آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں، جو بھی اس سے سیراب ہوگا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ نیز حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میرے حوض کی مسافت ایلہ شام سے عدن تک ہے۔ اس کا پانی نمک سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے اس کے کوزے آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں، میں لوگوں کو اس سے باز رکھوں گا جس طرح حوض والا لوگوں کے اونٹوں کو باز رکھتا ہے۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ کیا اس روز آپؐ ہمیں پہچان لیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، تمہارے چہروں کی مانند کسی کی امت والوں کے چہرے نہ ہونگے درخشاں پیشانی اور نورانی ہاتھ پاؤں کے ساتھ میرے پاس وارد ہو گے اور یہ نور وضو کی وجہ سے میسر آئے گا۔ حوض کے بارے میں بہت احادیث وارد ہوئی ہیں۔

۲۔ شفاعتِ عظمیٰ حدیث میں آیا ہے کہ لوگ تمام پیغمبروں کے پاس جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ ہم شفاعت نہیں کر سکتے ہیں۔ میں تمام مسلمانوں کی شفاعت کروں گا اور انھیں نجات دلاؤں گا۔

۳۔ مقام محمود، یہ مرتبہ و مقام آنحضرتؐ ہی سے مخصوص ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا قرب خدا میں ایک مقام ہے جہاں ایک کے علاوہ کوئی نہیں پہونچ سکتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ میں ہوں۔ وسیلہ کو بھی مقام محمود کہتے ہیں۔ لیکن مقام محمود سے مراد وہ جگہ ہے جہاں اولین و آخرین آنحضرتؐ کی ستائش کریں گے۔ آپؐ کے القاب، احوال اور اوصاف کے قلم بند کرنے کے بعد اب ہم آپؐ کے اسم مبارک اور کنیت شریف کے بارے میں ایک خاکہ پیش کرتے ہیں۔

أبي القاسم مُحمّد بن عَبْدِالله الرَّسول حَبيبِ المَلِك الْعَلّام

ابوالقاسم آپؐ کی کنیت ہے، کیونکہ آپؐ کے بڑے بیٹے کا نام قاسم تھا، آپؐ کے دو بیٹے

تھے قاسم و ابراہیم ان ہی کو طیب و طاہر بھی کہتے تھے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دو بیٹے اور تھے جن کا نام طیب و طاہر تھا۔ اس روایت کی بنا پر آپؐ کے چار بیٹے تھے۔ پہلی روایت کی رو سے آپؐ کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں زینب، فاطمہ، ام کلثوم اور رقیہ تھیں۔ ابراہیم کے علاوہ کہ وہ ماریہ کے بطن سے تھے آپؐ کے سارے بچے جناب خدیجہ کے بطن سے تھے، ماریہ ایک کنیز تھیں جو کہ اسکندریہ کے بادشاہ نے آپؐ کو ہدیہ میں دی تھی۔

آپؐ کا اسم گرامی محمدؐ ہے یعنی اوصاف حمیدہ کی وجہ سے جس کی تعریف کی گئی ہو۔ آپؐ سے پہلے کسی کا نام محمدؐ نہیں تھا۔ آپؐ کے والد کا نام عبد اللہ تھا، آپؐ کا سب سے عظیم لقب حبیب اللہ ہے کیونکہ بشر کا سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ وہ خدا کا دوست ہو، اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں خدا کا حبیب ہوں جیسا کہ ابراہیم خلیل خدا ہیں۔

اَلْهاشِمِيّ «الاُمّيّ» اَلْقرشيّ اَلْمَكّي

یہ آپؐ کی نسبت کی طرف اشارہ ہے آنحضرت بہت سی نسبتوں کے حامل تھے یہاں ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ ہاشمی، یہ آپؐ کے جد ہاشم کی طرف نسبت ہے۔ عرب میں ان کی دھاک تھی۔ آپؐ کے قبیلہ کو بنی ہاشم کی بہت زیادہ اولاد تھی اور ان کی اولاد مکہ کی شرفا اور سرداروں میں شمار ہوتی تھی انھیں اس لئے ہاشم کہتے تھے کہ وہ قحط کے زمانے میں شوربہ میں روٹی چور کر لوگوں کو کھلاتے تھے، بہت بڑے سخی تھے، اصل میں ان کا نام عمرو اور ہاشم لقب تھا جیسا کہ ان کی مدح میں کہا گیا ہے۔

عمرو العُلیٰ هَشَم الثريد لأهْلِهِ و رِجالُ مَكَّةَ مُسْنِتُونَ عِجافُ

عبد المطلب ہاشم کے اور عبد اللہ، عبد المطلب کے بیٹے تھے۔

۲۔ قرشی، یہ قریش کی طرف نسبت ہے۔ مکہ کے سارے باشندے اسی کے اولاد سے ہیں، اس سلسلہ میں اختلاف ہے قریش کون ہیں؟ اکثر علم الانساب کے حامل اور مورخین کا خیال ہے کہ

نضر بن کنانہ کو قریش کہتے ہیں۔ جن کا ذکر آنحضرتؐ کے اجداد میں ہوا ہے۔ بعض کا نظریہ ہے کہ یہ مالک بن نضر ہیں کچھ کہتے ہیں کہ یہ فہر بن مالک ہیں لیکن بظاہر یہ کنانہ بن نضر ہیں اور قریش ان کا لقب ہے۔ قریش ایک دریائی جانور کا نام ہے یہ تمام جانوروں پر غالب رہتا ہے سب کو شکار کر لیتا ہے۔ چونکہ نضر بن کنانہ عربوں کے درمیان مکمل طور پہ شریف و رئیس تھے لہذا تمام عربوں پر غالب تھے اور سب کو انھوں نے مغلوب کر لیا تھا چنانچہ اس جانور سے تشبیہ کی بنا پر آپؐ کو قریش کہتے تھے[1]

۲۔ مکی، یہ مکہ کی طرف نسبت ہے آپؐ نے مکہ میں ولادت پائی تھی، بعض آپؐ کو امی کہتے ہیں۔ کیونکہ مکہ کو ام القریٰ کہتے ہیں[2] مکہ ایک شہر ہے جہاں کعبہ واقع ہے، کعبہ کو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے تعمیر کیا تھا، اس کے بعد اسماعیلؑ نے وہیں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ ایک مدت تک اسماعیلؑ کی اولاد کے اختیار میں رہا پھر اس پر بنی جرہم کا قبیلہ قابض ہو گیا اور اسماعیلؑ کی اولاد کو وہاں سے نکال دیا یہاں تک کہ قصی بن کلاب نے قبائل کو جمع کیا جس سے انھیں مجمع القبائل کہا جانے لگا تھا[3] مکہ کے قائد و رئیس بھی وہی تھے ان کے چار بیٹے تھے انھیں بڑے بڑے مناصب سے نوازا تھا، رسول اکرمؐ کے جد عبد مناف بھی ان ہی کے بیٹے تھے

---

[1] مولف نے قریش کی صرف ایک وجہ تسمیہ بیان کی ہے اور اس کی اہم وجہ تسمیہ بیان نہیں کی ہے، قریش کے معنی جمع شدہ کے بھی ہیں (قرش القوم، اذا اجتمعوا)، بعض نے قریش کو تقرش سے مشتق جانا ہے جس کے معنی تجارت کے ہیں (مترجم)

[2] بحار الانوار ج ۱۶، ص ۸۳۔

[3] مطرود بن کعب کہتا ہے:

ابوكم قصیٌ كان يدعى مُجمّعا　　به جَمَّعَ اللّٰهُ القبائلَ من فهرِ

تاج العروس ج ۱۷، ص ۳۲۴

قصی نے عبد مناف کو سقایت زمزم اور حاجیوں کی ضیافت کا منصب عطا کیا تھا اور عبد الدار کو خانہ کعبہ کی پردہ داری کا منصب اور جنگ کا پرچم دیا تھا اور بنی اسد کے مورث اعلیٰ عبد العزیٰ کو مشیر بنایا تھا، مکہ قصی کی اولاد کا مسکن و ماویٰ بن گیا۔ آنحضرتؐ مکہ ہی بڑے ہوئے وہیں سے مبعوث بہ رسالت ہوئے نبوت ملنے کے بعد بھی تیرہ ۱۳ سال تک وہیں قیام پذیر رہے پھر مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے وہیں آپ نے وفات پائی وہیں مرقد بنا۔

صاحِبِ الوَقار و السَّکینَۃِ المَقبُورِ بِالْمَدینَۃِ

آپ وقار و سکینہ کے حامل ہیں، مدینہ میں مدفن ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ فَاَنزَلَ اللّٰہُ سَکینَتَہٗ عَلَیہِ و اَیَّدَہٗ بِجُنُودٍ لَم تَرَوْھا۔[1] ہجرت کے بعد دس سال تک رسولؐ مدینہ میں قیام پذیر رہے سارے عرب اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، بحرین، عمان، یمن اور عرب قبائل کے اطراف والوں نے آنحضرتؐ کی اطاعت کر لی۔ بروز دوشنبہ ماہ ربیع الاول میں وفات پائی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کسی اور ماہ میں وفات پائی ہے، وفات کے وقت آپ کی عمر شریف قول صحیح کی بنا پر ساٹھ سال تھی آپ کو مدینہ میں آپ کے حجرہ میں دفن کیا گیا تھا مدینہ کا نام یثرب تھا رسولؐ نے اس کا نام مدینہ طیبہ رکھا، مدینہ حجاز میں ہے، آپ کی قبر کی زیارت کرنا بہترین عبادت ہے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا: جو شخص حج کرے اور میری زیارت نہ کرے اس نے مجھ پر جفا کی۔

اللّٰھُمَّ ارزُقْنَا زِیارَۃَ «نَبِیِّکَ» المُصْطَفٰی و ارزُقْنَا المَوتَ بِبَلَدِ حَبِیبِکَ المُجْتَبٰی ﷺ۔

اے اللہ ہمیں اپنے نبی مصطفیٰ کی زیارت سے مشرف فرما ہمیں اپنے حبیب مجتبیٰ کے شہر میں موت عطا فرما۔

---

[1] توبہ، ۴۰۔

امام علی علیہ السلام

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّم عَلَی الْإمامِ الوَصيِّ الْهُمامِ الوَلِيِّ

اے اللہ امامؑ، وصی اور سید و سردار ولی پر رحمت و سلامتی نازل فرما۔

یہاں سے ائمہ میں سے اولین امام حضرت علی علیہ السلام پر صلوات و درود کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ کے دو بیٹے اور امام حسینؑ کی اولاد سے نو امامؑ ہیں حدیث میں ان کی طرف اشارہ موجود ہے۔ چنانچہ جابر بن سمرہ روایت کرتے ہیں: میں نے رسولؐ سے سنا کر آپؐ نے فرمایا: اسلام اس وقت تک بلند ہے جب تک بارہ خلیفہ ہونگے اور یہ سارے خلیفہ قریش سے ہونگے ظاہر ہے کہ بارہ خلیفہ سے یہاں بارہ امام مراد ہیں[1] اور حضرت علیؑ ان میں سے پہلے ہیں تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؑ برحق امام ہیں اور جس نے بھی آپؑ پر خروج کیا ہے وہ باغی ہے۔ حضرت علیؑ کے القاب میں سے ایک وصی بھی ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: آپؑ۔ علیؑ۔ میرے بھائی اور وصی ہیں۔ وصی کے معنی یہ ہیں کہ علم و شریعت کی تبلیغ اور دین و حکمت کے مراسم کی امامت اور نبوت کے گھر کی حفاظت میں

---

[1] اس سلسلہ میں مولف نے ابطال نہج الباطل میں کچھ اور مطالب قلمبند کئے ہیں ملاحظہ فرمائیں دلائل الصدق ج ۲ ص ۲۲۵) ہم نے مقدمہ میں ان مطالب کو سپرد قلم کیا ہے۔ منتخب الاثر میں اس حدیث کے طرق بیان ہوئے ہیں۔

علیؑ رسولؐ کے قائم مقام ہیں۔

علیؑ کا دوسرا لقب ہمام ہے، ہمام کے معنی سردار اور بزرگ کے ہیں، مہمات میں لوگ اسی سے رجوع کرتے ہیں۔ تاکہ وہ لوگوں کی احتیاج کو پورا کرے آپؑ مومنین کے سردار و قبلہ ہیں۔

ولی بھی آپؑ کے القاب میں سے ایک ہے ولایت کے معنی یہاں طاعات کے ذریعہ حق تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے ہیں، پس علیؑ سید الاولیاء ہیں کیونکہ اولیاء میں سے کسی نے بھی حق تعالیٰ کی طاعات میں آپؑ سے زیادہ کوشش نہیں کی ہے، یہ متفق علیہ ہے لہٰذا علیؑ سید الاولیاء ہیں۔

أخ النبيِ و وَزيرِه الأمين

علیؑ، رسولؐ کے بھائی اور امین وزیر ہیں۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: اے علیؑ آپؑ میرے بھائی اور وصی ہیں، دوسری حدیث میں بیان ہوا ہے کہ رسولؐ نے اصحاب کے درمیان مواخات قائم کی تھی اور دو دو کرکے انھیں ایک دوسرے کا بھائی بھائی بنادیا تھا۔ حضرت علیؑ بہ چشم گریاں رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہؐ آپؐ نے اصحاب کے درمیان اخوت قائم کردی ہے لیکن مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: آپؑ دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہیں[1]۔

حضرت علیؑ کا لقب وزیر رسولؐ ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ رسولؐ نے علیؑ سے فرمایا: آپؑ میرے لئے ایسے ہی ہیں جیسے موسیٰؑ کے لئے ہارون تھے بس میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، یعنی جو نسبت بھی ہارون کو موسیٰؑ سے تھی وہی آپؑ کو مجھ سے ہے ہاں آپؑ نبی نہیں

[1] حدیث مواخاۃ اور اس کے طرق کو تاریخ مدینہ دمشق ج ۱، ص ۱۱۱ تا ۱۲۳ ملاحظہ فرمائیں ترجمہ امام علی بن ابی طالبؑ، م۔

ہیں ہارون نبی تھے۔ اور ہارونؑ کو جو موسیٰؑ سے نسبتیں تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ ہارونؑ موسیٰؑ کے وزیر تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: اجْعَل لِي وَزِيراً مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي [1]

الأَنْزَعِ الْبَطِين

یہ دونوں حضرت علیؑ کے القاب ہیں، ان میں آپؑ کی شکل وصورت کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ انزع آپؑ کو اس لئے کہتے ہیں آپؑ کے سر کے اگلے حصہ پر بال نہیں تھے یہ آپؑ کی دریا دلی اور علم وشجاعت پر دال ہے۔ بطین، یعنی علیؑ کا باطن علم وحکمت سے مملو تھا کبری آپؑ کے باطن مبارک میں تھا، جیسا کہ آپؑ کا ارشاد ہے: علم وحکمت سے مملو ہے ممکن ہے اس سے آپؑ کی دماغی قوت اور صحیح رائے اور قلب مبارک کی طرف اشارہ ہو۔

الْأَشْرَفِ الْمَكِين

یہ بھی آپؑ کے القاب میں سے ہیں یعنی علیؑ امتیوں میں شریف ترین ہیں۔

یہ آپؑ کے حسب ونسب والی شرافت کے علاوہ ایک فضیلت ہے، نسب کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آپؑ ابوطالبؑ کے بیٹے ہیں اور رسول عبد اللہ کے بیٹے ہیں اور ابوطالب وعبداللہ دونوں ایک ماں باپ سے ہیں۔ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم آپؑ کی والدہ تھیں، آپؑ پہلے ہاشمی ہیں جس کے ماں باپ دونوں ہی ہاشمی ہیں۔ علیؑ کے نسب میں کوئی نقص نہیں ہے۔ رہا حسب تو مکارم اور شرف کے سارے اسباب آپؑ میں جمع ہیں۔

مکین سے مراد یہ ہے کہ حضرت علیؑ مسند شرف وولایت اور وصایت پر متمکن اور نرم دل عظیم المرتبت تھے۔

الْأَشْجَعِ الْمَتِين

---

[1] طہ، ۲۹۔

سب کا اتفاق ہے کہ آپؑ امت میں سب سے زیادہ شجاع اور قوی و متین تھے۔
اس فقرہ میں آپؑ کی شجاعت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ شجاعت یا دل و جگر سے ہوتی ہے یا بدن کی طاقت کی تمرین سے دشمن کو ناکام بنانے اور جنگ سے وجود میں آتی ہے اور یہ ساری صفتیں آپؑ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آپؑ کی شجاعت کے بارے میں انشاء اللہ آئندہ بحث کریں گے۔

اَلْاَوْرَعِ الْمُبِین

علیؑ سب سے بڑے زاہد اور صاحب ورع ہیں، آپؑ کا امر واضح ہے آپؑ فضائل و کمالات کے روشن کرنے والے ہیں۔
مذکورہ فقرہ آپؑ کے زہد کی طرف اشارہ ہے اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔

اَلْاَعْلَمِ الرَّزِین

علیؑ ساری امت اور ہر شخص سے بڑے عالم ہیں، کمالِ علم کے مرتبہ پر فائز ہیں۔
یہ فقرہ آپؑ کے کمالِ علم و دانائی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ رسول کا ارشاد ہے: میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، تمام علوم پر آپؑ کو کمال حاصل ہے۔

أَسَدِ اللهِ الْغَالِبِ الْكَرَّارِ وَ حَيْدَرِ الْعَرِين

علیؑ شیرِ خدا ہیں، غالب ہیں، دشمنوں پر حملہ کرنے والے ہیں شجاعت و مردانگی کے کچھار کے شیر ہیں۔ اسد اللہ الکرار اور حیدر آپؑ کے القاب ہیں جیسا کہ آپؑ نے خود فرمایا ہے: أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَه[1]

---

[1] بقیہ شعر اس طرح ہے:

كَلَيْثِ غَابَاتٍ غَلِيظِ الْقَصَرَه أَكِيلُكُم بِالسَّيْفِ كَيْلَ السَّنْدَرَه

تاج العروس ج ۱ ص ۵۵۰

امیر المومنینؑ کے حالات

القابات کے تذکرہ کے بعد اب آپؑ کے حالات سپرد قلم کرتے ہیں۔

اَلْمُنْشَعِبُ نُوْرُہٗ من نورِ سَیِّدِالْمُرسلین

آپؑ کا نور سید المرسلین کے نور کا ٹکڑا ہے۔

یہ فقرہ اس حدیثِ رسولؐ کی طرف اشارہ ہے، جس میں ارشاد ہے کہ میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں، آپؑ کے نور کے بارے میں پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ یہ نور عبدالمطلب تک پاکیزہ اصلاب سے طاہر و پاک ارحام میں منتقل ہوتا رہا عبدالمطلب سے عبداللہ و ابوطالبؑ پیدا ہوئے۔ علیؑ کا نور سید المرسلین کے نور کا ٹکڑا ہے۔

المُتَوَلِّدِ فی الْحَرَمِ داخِلِ الحَطیمِ و الرُّکْنِ الرَّکینِ

آپؑ نے حرم۔ کعبہ۔ میں حطیم کے اندر، حجرِ اسود اور باب کعبہ کے درمیان، ولادت پائی ہے۔ رکن ورکین حجرِ اسود ہے۔

مذکورہ فقرہ خانہ کعبہ میں آپؑ کی ولادت کی طرف اشارہ ہے، فاطمہ بنت اسد سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب علیؑ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو گھر کے سارے دروازے بند تھے کہ مجھے دردِ زہ محسوس ہو رہا تھا، میں نے مسجد کا رخ کیا، جب میں حرم پہونچی تو کعبہ کا دروازہ کھل گیا اور میں اندر داخل ہو گئی وہیں علیؑ کی ولادت ہوئی یہ آپؑ کی وہ فضیلت ہے جو کسی کو نصیب نہیں ہوئی ہے آپؑ کے علاوہ کوئی کعبہ میں پیدا نہیں ہوا ہے[1]۔

السّابِقِ بالْاِسْلامِ و هُوَ ابنُ عَشرِ سِنین

---

[1] اس واقعہ کی تفصیل اور اس کی مختلف اسناد کے بارے میں، علی ولید الکعبۃ۔ مولفہ۔ شیخ محمد علی اردو بادی۔ میں ملاحظہ فرمائیں۔

علیؑ سابق الاسلام ہیں جبکہ اس وقت آپؑ کی عمر دس سال تھی۔

یہ فقرہ آپؑ کے سابق الاسلام ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ حدیث ہے کہ سب سے پہلے حضرت علیؑ نے اظہار اسلام کیا جبکہ اس وقت آپؑ کی عمر دس سال تھی اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔ آپؑ کا ارشاد ہے کہ سب سے پہلے میں نے سات وقت کی نماز پڑھی ہے[1] اس کے بعد دوسرے لوگ اسلام لائے ہیں، حضرت علیؑ سابق الاسلام ہیں۔

القائم بِشَدِّ أزر النبیﷺ فی إقامَةِ شَعائِرِ الدّین

حضرت علیؑ دین کے پایوں کو استوار کرنے کے سلسلہ میں رسولؐ کے بازو کو محکم کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔

یہ جملہ ان شدائد و مصائب کی طرف اشارہ ہے جو کہ آپؑ نے تبلیغ رسالت کے لیے برداشت کیے تھے۔ علیؑ ان میں اور تبلیغ میں رسولؐ کے شریک اور مددگار تھے۔ جس وقت اولادِ عبد المطلب میں سے کسی ایک نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اس وقت کمسنی کے باوجود علیؑ نے اپنی طاقت کے مطابق رسولؐ کی مدد کی۔

المُتَشَرِّفِ بِمَنْصَبِ الْوِصایَة یَوْمَ أنْزَلَ اللّٰهُ تعالیٰ « و أنْذِرْ عَشیرَتَکَ الْاَقربین »[2]

اس روز آپؑ کو منصب وصایت ملا جب خداوند عالم نے آیت "وانذر عشیرتک الاقربین" نازل فرمائی تھی۔

مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسولؐ نے علیؑ سے فرمایا: کچھ کھانا

---

[1] روایت میں سبع سنین ہے لیکن مولف نے اس کو قبول نہیں کیا ہے اور اس کی بجائے سات نماز تحریر کیا ہے۔ تفصیل کے لئے تاریخ دمشق ترجمہ الامام علی بن ابی طالب ج ۱ / ص ۶۲ تا ۶۵۔ حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

[2] شعراء، ۲۱۴۔

تیار کرو اور تمام بنی عبدالمطلب کو بلاؤ تاکہ ان تک ایک پیغام پہونچادوں۔ جناب امیر فرماتے ہیں کہ میں نے سارے بنی عبدالمطلب کو جمع کیا چنانچہ آنے والوں سے گھر بھر گیا۔ مجھ سے چھوٹا اور کمزور ان کے درمیان کوئی نہ تھا۔ جب وہ کھانا کھاچکے اور دودھ نوش کرچکے تو آنحضرتؐ نے فرمایا: اے بنی عبدالمطلب! جیسا فخر وشرف میں تمہارے لئے لایا ہوں میرے خیال میں ایسا کوئی عرب اپنی قوم کے لئے نہیں لایا ہے۔ پھر تم میں سے اس امر میں کون ہے جو میری موافقت و مدد کرے جو میری موافقت و مدد کرے گا میرے بعد وہ میرا وصی اور میرا قائم مقام ہوگا؟ سب چپ رہے۔ جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ میں دروازہ کے پاس بیٹھا تھا یہ حالت دیکھ کر میں کھڑا ہوا اور کہا: میں آپؐ کی موافقت و مدد کروں گا۔ اس پر سب ہنس پڑے اور ابولہب" علیہ اللعنۃ ، نے تمسخر کرتے ہوئے کہا: کیا یہ تمہاری موافقت کریں گے، اس کے بعد سب اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر نکل گئے۔ دوسرے روز رسولؐ نے مجھ سے فرمایا: میں ان لوگوں سے ایک بات کہنا چاہتا تھا لیکن ابولہب نے انھیں بھڑکا دیا آج پھر ان کی دعوت کرکے آؤ۔ جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ میں ان کی دعوت کر آیا وہ سب آگئے جب کھاپی کر فارغ ہوگئے تو رسولؐ نے وہی بات کہی جو پہلے دن کہہ چکے تھے! اے بنی عبدالمطلب! تم میں کون ہے جو میری موافقت کرے؟ جو میری موافقت کرے گا وہ میرے بعد میرا قائم مقام ہوگا، سب خاموش رہے، میں نے کھڑے ہوکر کہا: اے اللہ کے رسولؐ میں آپؐ کی مدد و موافقت کے لئے تیار ہوں، پھر سب ہنس پڑے اور باہر نکل گئے مذکورہ فقرہ اسی منصب وصایت کی طرف اشارہ ہے۔

الراقِدِ فی فراشِ الرَّسُولِ الْاَمینِ حتّٰی باھَی اللّٰہُ بِہِ الْمَلائکَۃَ الْمُقَرَّبین

علیؑ رسولؐ امین کے بستر پر سوئے یہاں تک کہ ان کے ذریعہ خدا نے اپنے ملائکہ مقربین جبرئیل و میکائیل پر مباہات کیا۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ پیغمبر اسلام نے تیرہ سال تک قریش کے درمیان تبلیغ کی

چنانچہ بعض مسلمان ہوگئے اور باقی کفر و عناد پر اڑے رہے آنحضرتؐ کو خدا نے ہجرت کا حکم دیا۔ قریش کو بھی اس کی خبر مل گئی تو انھوں نے دارالندوہ میں اجتماع کیا تاکہ آپؐ کے بارے میں تدبیر سوچیں، مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ ہر قبیلہ ایک ایک جوان مع تلوار دے گا یہ جوان یکبارگی محمدؐ پر حملہ کریں گے اور شہید کر دیں گے۔ اس طرح محمدؐ کا خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے گا اور بنی عبدالمطلب قصاص نہیں لے سکیں گے، دیت پر راضی ہو جائیں گے۔ جبریل نے رسولؐ کو قریش کے منصوبے سے آگاہ کیا، رات کے وقت قریش نے آپؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور سحر تک گھر کا پہرہ دیتے رہے تاکہ وقت سحر گھر میں گھس کر قتل کر دیں۔ آنحضرتؐ نے امیرالمومنینؑ سے فرمایا: آپؑ میرے بستر پر لیٹ جائیں تاکہ قریش یہ سمجھتے رہیں کہ میں لیٹا ہوں، اس طرح وہ میرا تعاقب نہیں کریں گے، رسولؐ سورہ یٰسین پڑھتے ہوئے گھر سے باہر نکلے اور قریش کے سروں پر ایک مشت خاک ڈال کر چلے گئے اور ان میں سے کوئی بھی آپؐ کو نہ دیکھ سکا۔

صبح ہوتے ہی وہ تلوار کھینچے ہوئے آپؑ کے سرہانے آپہونچے انھوں نے جناب امیرؑ کے اوپر سے چادر ہٹائی اور پوچھا: محمدؐ کہاں ہیں؟ فرمایا: رات کے ابتدائی حصہ میں باہر چلے گئے تھے ان لوگوں میں سے ایک نے کہا: ہاں وہ رات ہوتے ہی چلے گئے تھے اور تمہارے سروں پر ایک مشت خاک ڈال گئے تھے، یہ سن کر انھوں نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرا تو معلوم ہوا کہ ان کے سروں پر خاک ہے۔ اس کے بعد قریش باہر نکل گئے، خداوند عالم نے جبریل و میکائیل سے فرمایا: میں نے تم میں سے ایک کی عمر بڑھا دی ہے پھر تم میں سے کون ہے جو اپنی زیادہ عمر میں سے کچھ اپنے بھائی پر قربان کرے، دونوں میں سے کوئی بھی تیار نہ ہوا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: محمدؐ و علیؑ کو دیکھو، دونوں آپس میں بھائی ہیں، علیؑ نے کس طرح محمدؐ پر اپنی جان کو فدا کر دیا ہے، اس پر خدا نے ملائکہ پر مباہات فرمایا۔

اَلْمُشْهِرِ لِذِی الْفِقَارِ عَلَی الْکَفَرَةِ الْمُتَمَرِّدِین

علیؑ ان کفار پر تلوار کھینچنے والے ہیں جنہوں نے رسولؐ کے خلاف سرکشی کی تھی۔

اس جملہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ نے ان جنگوں میں شرکت کی جو رسولؐ نے کفار سے لڑی تھیں اور اپنی ذوالفقار سے کفار کو قتل کیا تھا۔

الكَاسِرِ لِجَيْشِ قُرَيْشٍ يَوْمَ بَدْرٍ بِقَتْلِ ثُلُثِ الْمُشْرِكِينَ

علیؑ روزِ بدر قریش کے لشکر کو پچھاڑنے والے اور ان کے ایک تہائی لوگوں کو قتل کرنے والے ہیں۔

یہ علیؑ کی جنگِ بدر کی طرف اشارہ ہے روایت ہے کہ جنگ بدر میں جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلہ میں آئے تو قریش کے لشکر میں سے تین پہلوان، عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ نکلے اور مبارزہ طلبی کی، انصار میں سے کچھ لوگ ان کے مقابلہ کے لئے گئے تو انھوں نے کہا، تم کون ہو؟ انھوں نے بتایا ہم انصار ہیں، قریش کے پہلوان نے کہا: تم ہمارے برابر کے نہیں ہو۔ اس کے بعد انھوں نے چلا کر کہا: اے محمدؐ اپنی قوم والوں میں سے ہمارے کفو بھیجئے[1] آنحضرتؐ نے فرمایا: اے عبیدہؓ، اے حمزہؑ، اور اے علیؑ ان کے مقابلہ کے لئے نکلو تینوں نکلے۔ عبیدہ، عتبہ سے، حمزہ نے شیبہ سے اور حضرت امیرالمومنینؑ امام المتقین علی بن ابیطالبؑ نے ولید سے جنگ شروع کی امیرالمومنین نے دیکھتے ہی دیکھتے ولید کا قصہ تمام کر دیا، چنانچہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے آپؑ نے ایک کافر کو قتل کیا، حمزہ نے شیبہ کو قتل کر ڈالا، عبیدہ اور عتبہ ایک دوسرے کے حملے سے زخمی ہو چکے تھے لہذا جناب امیرؑ و حمزہؑ نے عبیدہ کی مدد کی اور عتبہ کو بھی واصل جہنم کیا۔ مورخین کا قول ہے کہ اس میں ستر کافر قتل ہوئے تھے جن میں سے ایک تہائی حضرت علیؑ کی تلوار سے قتل ہوئے تھے اور قتل ہونے والوں کی نصف تعداد میں بھی آپؑ شریک تھے، خدا کی نصرت اور جناب امیر کی تلوار سے فتح ہوئی تھی۔

---

[1] عربی میں متن اس طرح نقل ہوا ہے: أخرج الينا اكفاءنا من قومنا. ملاحظہ فرمائیں سیرۃ النبویہ، ابن ہشام ج ۱، ص ۶۲۵۔

اَلْفالِقِ بِفَتْحِ [فَرْق] كَبْش الْكَتِيبَةِ يَوْمَ اُحُد بِسَيْفِهِ الرَّصين

روزِ احد حضرت علیؑ اپنی تلوار سے لشکر میںڈھے کا سر شگافتہ کرنے والے ہیں۔

یہ روزِ احد آپؑ کی جنگ کی طرف اشارہ ہے، روایت ہے کہ کفار کا لشکر مدینہ کی طرف چلا اور دوسرے دن جمعہ کے روز لشکر کوہ احد تک پہونچ گیا، رسولؐ نے خطبہ دیا، خطبہ میں آپؐ نے مومنین کو جہاد کی ترغیب دلائی اور فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کافروں کے لشکر کے مینڈھے کا سر شگافتہ کر دیا گیا ہے، میری تلوار تھوڑی ٹوٹ گئی ہے، میں مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہوں اصحاب نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ فرمایا: مینڈھا کفار کا ایک پہلوان اور بہادر دشمن ہے وہ قتل ہوگا اور تلوار ٹوٹنے کی تعبیر یہ ہے کہ میرے قبیلہ میں سے ایک آدمی شہید ہوگا، زرہ سے مراد مدینہ ہے کافر اس تک نہیں پہونچ سکتے۔ دوسرے دن جب دونوں لشکروں میں جنگ شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ بنی عبدالدار کے طلحہ بن ابی طلحہ، جو کہ مشرکین کے لشکر کا جھنڈا اٹھائے تھا اس کو مینڈھا کہتے ہیں چنانچہ وہ اپنی طاقت کے زعم میں لشکر سے باہر آیا اور مبارزہ طلب کرنے لگا۔ امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ لشکر اسلام سے باہر نکلے اور اس سے جنگ میں مشغول ہوئے، اس کا سر اپنی تلوار سے دو پارہ کر دیا، اس سے سب مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور آنحضرت کے خواب کی تعبیر ظاہر ہوگئی۔ مشرکین نے ہزیمت اٹھائی۔ اس لشکر کی فتح بھی علیؑ کی تلوار و جوانمردی سے ہوئی تھی، نصرت خدا کے بعد شاہی طاقت کام آتی ہے۔

اَلْفارِقِ «لهامة» [1] عمرو بن عبدوُدٍّ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بِالْاَيْدِ الْمَتِين

علیؑ روزِ خندق اپنی محکم قوت سے عمرو بن عبدود کا سر قلم کرنے والے ہیں۔

یہ فقرہ روز خندق آپؑ کی جنگ کی طرف اشارہ ہے، روایت کی گئی۔ ہے کہ ہجرت کے تیسرے سال کافروں کے لشکر میں دس ہزار لوگوں نے شرکت کی اور مدینہ کی طرف بڑھے، رسولؐ نے مدینہ کے چاروں طرف خندق کھدوادی تھی، کفار کا لشکر خندق کے اس طرف اترا اور عرب کے نامور جنگجو اور دلاوری میں شہرت یافتہ پہلوان خندق پار کر آئے ان میں عمرو بن عبدوُد

آگے آگے تھا عرب میں کوئی شخص اس سے مقابلہ ومقاتلہ نہیں کرسکتا تھا۔ وہ ہزاروں کے لشکر سے تنہا جنگ کرتا تھا قبیلوں کو اکیلا غارت کردیتا تھا، عرب کے مشہور پہلوان اس کا لوہا مانتے تھے ابھی تک کسی نے اس سے پنجہ آزمائی کی جرأت نہیں کی تھی، روزِ خندق سلاح جنگ میں غرق ہوکر آیا۔ اور رسولؐ کے خیمہ کے سامنے کھڑا ہوکر کہنے لگا یہ وہ تدبیر تھی جو عرب میں کسی نے نہیں کی تھی۔ ایک جگہ انھوں نے خندق کی کم چوڑائی تلاش کرلی اور وہاں سے گھوڑوں کو اڑایا۔ اس کے ساتھ اس کے بیٹے حسل نے جوکہ طاقت میں باپ ہی کی مانند تھا، ابھی گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خندق کے پار پہونچ گیا اسی طرح بہت سے پہلوان خندق پار کر آئے سب رسولؐ کے خیمہ کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوگئے عمرو بن عبدوُد نے کہا: اے مسلمانو! تمہارا دعویٰ ہے کہ تم میں سے جو مرتا ہے وہ جنت میں جاتا ہے اور جو کافروں میں سے قتل ہوتا ہے وہ جہنم میں پہونچتا ہے پھر تم میں سے کون ہے جو مجھ سے جنگ کرے کہ مجھے جہنم میں پہونچادے یا میں اسے جنت میں بھیج دوں۔

چونکہ عرب میں سے ابھی تک اس سے کسی نے مقابلہ نہیں کیا تھا لہٰذا کسی میں یہ جرأت نہ ہوئی کہ اس سے مقابلہ کے لئے نکلے۔ رسولؐ نے فرمایا: مَن عمرو؟ عمرو سے جنگ کرنے کے لئے کون جائے گا؟ کسی نے جواب نہ دیا۔ شاہ مرداں، شیر یزداں، شجاع لشکر ایمانی علی مرتضیٰ اٹھے اور عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ میں اس سے جنگ کے لئے جاؤں گا! رسولؐ نے فرمایا: وہ عمرو ہے! یقیناً عمرو ہے، علیؑ بیٹھ گئے۔ عمرو اسی طرح مبارز طلب کرتا رہا اور شعر پڑھتا رہا مومنین کو سرزنش کرتا رہا اور عربی میں رجز پڑھتا رہا جس کا ترجمہ یہ ہے میں ان کے گھر میں کھڑا ہوں اپنا مقابل طلب کررہا ہوں لیکن کسی میں باہر نکلنے کی ہمت وجرأت نہیں ہے۔

جب عمرو کی زبان درازی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو رسولؐ نے فرمایا: عمرو کے مقابلہ میں کون جائے گا؟ اس دفعہ بھی سناٹا رہا کوئی جواب نہ ملا۔ پھر شاہِ مرداں جناب امیرؑ اٹھے اور عرض کی۔ اللہ کے رسولؐ میں اس سے جنگ کے لئے جاؤں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: وہ عمرو

ہے! ایسے ہی تین مرتبہ ہوا تیسری مرتبہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: ہو گا عمرو! میں اس سے جنگ کروں گا، رسولؐ کے اس جملہ "وہ عمرو ہے" کی تکرار کی وجہ یہ تھی کہ اصحاب سمجھ لیں کہ امیر المومنینؑ کے علاوہ کوئی بھی عمرو کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔

اس کے بعد رسولؐ نے علیؑ کو جنگ کے لئے نکلنے کی اجازت مرحمت فرمائی، علیؑ کے سر اقدس پر عمامہ رکھا اور دعا کی: اے اللہ بدر میں تو نے عبیدہ کو لے لیا اور احد میں حمزہ کو اٹھا لیا، آج مجھے علیؑ سے محروم نہ فرما۔ اس دعا کے بعد علیؑ شمشیر لیکر پیادہ پا نکلے، عمرو گھوڑے پر سوار تھا، عمرو کے مقابلہ میں پہونچے تو فرمایا: کیا تم نے یہ عہد نہیں کیا تھا کہ قریش میں سے جو بھی مجھ سے دو چیزیں طلب کرے گا تو اس کی ایک بات کو ضرور قبول کروں گا؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں بھی تجھے دو چیزوں کی طرف دعوت دیتا ہوں، ایک قبول کر۔ عمرو نے کہا: فرمایئے، آپؑ نے فرمایا: اول یہ کہ مسلمان ہو جا۔ عمرو نے کہا یہ مجھے منظور نہیں۔ آپؑ نے فرمایا، آؤ تاکہ میں تم سے جنگ کروں۔ عمرو نے کہا: میں نہیں چاہتا کہ تمہیں قتل کروں کیونکہ تم ابو طالب کے فرزند ہو۔ اور وہ میرے بھائی تھے اور تم میرے بھتیجے ہو۔ علیؑ نے فرمایا: خدا کی قسم میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں عمرو غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا، گھوڑے سے اتر پڑا اور اسے پے کر دیا اور جناب امیرؑ کی طرف بڑھا آپؑ کے سر پر تلوار چلائی جس سے فرق اقدس زخمی ہو گیا لیکن رسولؐ نے جو عمامہ باندھا تھا اس کی وجہ سے سر دو پارہ نہ ہوا، باوجودیکہ آپؑ کے سر اقدس پر زخم آ گیا تھا پھر بھی آپؑ نے عمرو کے سر پر ذوالفقار سے حملہ کیا، دونوں کے درمیان کافی دیر تک جنگ ہوتی رہی، گرد و غبار بلند ہو گیا دونوں لشکر والے مسرور ہو گئے دونوں پہلوان گرد میں چھپ گئے۔

کافی دیر کے بعد جب گرد بیٹھ گئی تو دیکھا کہ علیؑ عمرو کے لباس سے تلوار صاف کر رہے ہیں آپؑ نے عمرو کو جہنم میں پہونچا دیا تھا۔ باپ کے قتل کے بعد حسل جو طاقت میں باپ ہی کی مانند پہلوان تھا وہ آپؑ سے جنگ کے لئے آیا وہ بھی مارا گیا[1]، دوسرے جنگجو بھاگ کھڑے

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۳-۴ ص ۲۵۲۔ اس روایت میں صرف عمرو بن عبدود اور اس کے بیٹے کے مارے

ہوئے اور خود کو خندق میں گرا دیا، مسلمانوں نے ان پر پتھر برسائے یہ فتح بھی آپؑ ہی کی تلوار سے ہوئی تھی۔ چنانچہ سورۂ احزاب کو بعض شاذ قراتوں میں اس طرح پڑھا گیا ہے: «و کَفَی اللّٰہُ الْمُؤمِنِینَ القِتالَ [بعلیّ] و کانَ اللّٰہ عَزیزاً حَکیماً»[1]

کہتے ہیں جو کہ زخم روزِ خندق آپؑ کے فرقِ مبارک پر آیا تھا وہ گرمیوں کے زمانہ میں ہر سال ہرا ہو جاتا تھا جس سے آپؑ کو تکلیف ہوتی تھی۔ اور ابن ملجم علیہ اللعنۃ والعذاب نے جو ضرب آپؑ کے فرق پر لگائی تھی وہ اسی زخم پر لگی تھی۔ روزِ خندق آپؑ نے جو ضرب عمرو کے سر پر لگائی تھی اس کے بارے میں رسولؐ کا ارشاد ہے کہ: خندق کے دن علیؑ کی ضربت تمام عالم کے جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔

اَلْقالِعِ لِبابِ خَیْبَرٍ بَعْدَ قَتْلِ مَرْحبٍ بِلا تَوْهِین

حضرت علیؑ قتل مرحب کے بعد بغیر زحمت کے باب خیبر کو اکھاڑنے والے ہیں۔

یہ واقعۂ خیبر اور مرحب کے قتل کی طرف اشارہ ہے۔ روایت ہے کہ جب رسولؐ جنگ خیبر کے لئے تشریف لے گئے تو یہودیوں نے اپنے مضبوط و محکم قلعوں میں پناہ لی، قلعوں کا دروازہ بہت محکم تھا۔ رسولؐ نے اصحاب میں سے ایک کو علم دیا جنگ کے لئے بھیجا لیکن قلعہ فتح نہ ہوا۔ اگلے دن دوسرے صحابی کو علم دیا پھر بھی قلعہ فتح نہ ہوا[2]، رات کے وقت رسولؐ نے فرمایا: کل میں سے

ے جانے کی طرف اشارہ ہے لیکن اس بات کی وضاحت نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ خندق پار کر کے ادھر آیا تھا اور پھر وہیں قتل ہوا ہے۔

[1] سورہ احزاب ۲۵: ایسے موقع پر بڑھے ہوئے کلمات یا اسامی کو قرات نہیں کہنا چاہیے بلکہ ان میں تفسیر کا پہلو ہوتا ہے۔ اسی آیت کے ذیل میں علامہ طبرسی نے تحریر کیا ہے: بعلی بن ابی طالب... و هو المروی عن ابی عبداللہ علیہ السلام

[2] جن کو علم دیا گیا تھا اور وہ قلعہ فتح نہیں کر سکے تھے وہ ابوبکر و عمر تھے لیکن مولف نے یہ نہیں لکھا ہے کیوں نہیں لکھا یہ بات محتاجِ بیان نہیں ہے۔

علم دونگا جو خدا و رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا و رسولؐ بھی اسے دوست رکھتے ہیں رات بھر صحابہ کی یہ تمنا رہی کہ اس جملہ کا مصداق ہم قرار پائیں صبح کے وقت فرمایا: علی بن ابیطالبؑ کہاں ہیں؟ صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ ان کی آنکھیں آگئی ہیں، آنکھیں کھول بھی نہیں سکتے ہیں۔ فرمایا: انھیں لے کر آؤ، آپؑ کی آنکھوں میں اتنا شدید درد تھا کہ کھولی نہیں جاسکتی تھیں، ایک صحابی آپؑ کا ہاتھ تھام کر خدمت رسولؐ میں پہونچے۔ رسولؐ نے اپنا لعاب دہن علیؑ کی چشم مبارک میں لگایا۔ اسی وقت شفا ہو گئی اور آنکھوں کا درد ختم ہو گیا۔ اس کے بعد آپؑ کو علم دیا اور جنگ کے لئے روانہ کیا خیبر کے یہودیوں میں ایک پہلوان تھا جسے مرحب کہتے تھے۔ بہادری میں عرب بھر میں مشہور تھا، ٹوپی کے بجائے ایک پتھر میں سوراخ کر کے اپنے سر پر رکھتا تھا۔ اس پتھر کا وزن چار سو رطل تھا۔ اس کے جنگ کے اسلحے بھی مشہور تھے۔ مرحب قلعے سے باہر آیا اسلحے سے آراستہ تھا اور اس مفہوم کا رجز پڑھ رہا تھا۔ خیبر والے جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں، اسلاح اور پہلوانی میں تجربہ کار ہوں۔ جہاں جنگ کے شعلے بھڑکتے ہیں میں وہیں پہونچ جاتا ہوں۔ اس کے بعد مرحب نے مبارز طلبی کی۔ صحابہ میں سے عامر نام کا ایک آدمی اس کے مقابلہ کے لئے نکلا، عامر نے مرحب سے جنگ کی، لیکن عامر کی تلوار اس کے کھودے اُچٹ گئی آخر کار شہید ہو گئے اب تو مرحب کا حوصلہ اور بڑھ گیا لہٰذا پھر رجز پڑھنا شروع کر دیا اور چہلیں کرنے لگا، اور اس سے مقابلہ کے لئے کوئی نہ جاسکا۔ حضرت امیر المومنینؑ اس سے جنگ کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے جواب میں یہ رجز پڑھا۔

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ   كَلَيْثِ غاباتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ

أَكِيلُكُمْ بِالسَّيْفِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ [1]

---

[1] زبیدی نے اس طرح لکھا ہے:

أنا الذي سمّتني أمّي حيدرة   كليث غابات غليظ القصرة

أكيلكم بالسيف كيل السندرة   أضرب بالسيف رقاب الكفرة

تاج العروس ج ۱۰ ص ۵۵۔

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا، کچھار کے شیر کی مانند غضبناک ہو کر آیا ہوں۔

اور اس کو جام شمشیر سے سیراب کر دوں گا۔

جب حضرت علیؑ مرحب کے مقابلہ پر پہونچے تو اس کے خود پر تلوار ماری اور مرحب کو سینہ تک دو پارہ کر کے ہلاک کر دیا، فضا مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر سے گونجنے لگی، پھر قلعہ کے سامنے پہونچے۔ اس قلعہ کا دروازہ لوہے کا تھا۔ طاقتور چار آدمی اسے کھولتے تھے کہتے ہیں کہ اس کا وزن چالیس مَن تھا۔ امیرالمومنینؑ نے اسے قوت ربانی سے اکھاڑ اتھا یہ قوت خزانہ مواہب رحمانی سے آپؑ کو عطا ہوئی تھی۔ پھر در کو سپر بنا کر شام تک جنگ کرتے رہے۔ اس در کو سپر بنا کر قلعہ فتح کیا۔ آپؑ کی قوتِ بازو سے سارا خیبر مطیع ہو گیا، اس فقرہ میں فتح خیبر اور قتل مرحب کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

المَظْهَرِ لِلْعَجائبِ و الْمُظْهِرِ لِلْغَرائِبِ بِنورِهِ المُسْتَبِين

آپؑ عجیب امور کے ظہور کا مرکز اور اپنے نور سے غرائب کو روشن کرنے والے ہیں۔

یہ فقرہ آپؑ سے ظاہر ہونے والی کرامات کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ علیؑ رسولؐ کے وصی ہیں اس لئے آپؑ کو رسولؐ کے معجزہ کی مانند کرامت اور برہان و نشانیاں پیش کرنا چاہئیں جیسے تمام موجودات میں تصرف کرنا۔ یہ سب ثابت ہو چکا ہے، کتابوں میں موجود ہے آپؑ کے علم کے آثار اور حل مشکلات مشہور کتابوں میں مرقوم ہیں۔ اس مختصر کتاب میں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، اختصار کے ساتھ آپؑ کے حالات کے ذیل میں بیان کیا جا چکا ہے اور باقی آئندہ بیان کیا جائے گا انشاء اللہ۔

اَلْمُنْزَلِ فی مَناقِبِه جَلائِلُ الْآیاتِ مِنَ الْکِتابِ الْمُبین

آپؑ وہ ہیں جن کے فضائل و مناقب میں عظیم کتاب اور روشن کرنے والے قرآن میں عظیم آیات نازل ہوئی ہیں۔

یہ فقرہ قرآنِ مجید کی ان آیتوں کی طرف اشارہ ہے جو کہ آپؑ کے فضائل و مناقب کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ علماء کا قول ہے کہ قرآن میں اسّی[۱] سے زائد آیتیں آپؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں قرآن مجید میں کسی کی اتنی فضیلت بیان نہیں ہوئی ہے۔ اسی طرح آپؑ کے فضائل و مناقب میں بے پناہ حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔ علماء کا قول ہے کہ جتنی حدیثیں آپؑ کے فضائل میں نقل ہوئی ہیں اتنی کسی اور کے فضائل میں نقل نہیں ہوئی ہیں[۲]۔ اگر ہم یہاں ان آیات و احادیث کو تفصیل سے بیان کریں تو اس کے لئے جلدیں درکار ہونگی، انشاء اللہ انہیں ہم ایک دوسری کتاب میں جمع کریں گے۔

مُحارِبِ النّاکِثین و مُقاتِلِ القاسِطینَ و قاتِلِ المارِقینَ

حضرت علیؑ بیعت و عہد توڑنے والوں سے جنگ کرنے والے، ظالموں سے مقاتلہ کرنے والے اور دین سے خارج ہونے والوں کے قاتل ہیں۔

اس فقرہ میں تین جماعتوں کی طرف اشارہ ہے۔ ان تینوں سے حضرت علیؑ نے جنگ کی تھی۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ علیؑ ان تینوں گروہوں سے جنگ کریں گے۔ پہلا ان میں سے جمل والا گروہ ہے۔ انھوں نے بیعت و عہد توڑ دیا تو حضرت علیؑ نے ان سے جنگ کی اور ان پر فتحیاب ہوئے۔ دوسرا گروہ صفین والوں کا ہے یہ باغی اور ظالم تھے خواہ مخواہ علیؑ پر خروج کیا

۱۔ ابن عباس کہتے ہیں قرآن مجید میں جتنی آیتیں علی بن ابی طالبؑ کی شان میں نازل ہوئیں ہیں اتنی کسی اور کے بارے میں نازل نہیں ہوئی ہیں۔ ابن عباس ہی سے مروی ہے کہ تین سو آیتیں علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں لیث کہتے ہیں کثیر آیتیں علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ ان اور دوسری احادیث کو شواہد التنزیل۔ تحقیق: محمد باقر محمودی ص ۳۹، ۴۷۔ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں: علیؑ کے فضائل سے زیادہ رسولؐ کے کسی صحابی کے فضائل بیان نہیں ہوئے ہیں مستدرک حاکم ج ۳، ص ۱۷۔ شواہد التنزیل ص ۱۹، تاریخ دمشق ترجمۃ الامام علی بن ابی طالب حدیث ۱۱۰۸۔

تھا لہٰذا ان سے آپؑ نے جنگ کی۔ تیسرا گروہ خوارج کا ہے انھوں نے نہروان کے مقام پر آپؑ سے جنگ لڑی رسولؐ نے خوارج کی علامتیں بیان فرمائی تھیں اور انھیں مارقین کے نام سے یاد کیا تھا چنانچہ صحیح حدیث میں ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: ایک مرتبہ رسولؐ بیت المال تقسیم فرمارہے تھے۔ بنی تمیم میں سے ذوالخویصرہ آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسولؐ تقسیم میں عدل وانصاف سے کام لیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: خدا تجھ سے سمجھے اگر میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون عدل سے کام لے گا؟ اگر میں عدل نہ کروں گا تو خسارہ میں رہے گا۔ اصحاب میں سے ایک نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اڑادوں آپؐ نے فرمایا: جانے دو، اس کی جماعت وافراد ہیں، تم میں سے ایک ان کی نماز کے سامنے اپنی نماز کو اور ان کے روزہ کے مقابل اپنے روزہ کو حقیر سمجھتا ہے۔ یہ قرآن پڑھتے ہیں لیکن حلق سے نیچے نہیں اترتا ہے۔ یہ دین سے ایسے خارج ہو جائیں گے جیسے تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ یہ عبادت وطاعت بجالاتے ہیں لیکن اس کا اثر ان کے دل پر نہیں ہوتا ہے اس کے بعد فرمایا: اس کی نشانی یہ ہے وہ ایک کالا آدمی ہے، اس کا ایک پستان عورت کے پستان کے برابر ہے۔ یہ قوم میں تفرقہ کے وقت نکلے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا وہ بہترین لوگوں پر خروج کرے گا۔ ابوسعید کہتے ہیں: میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ نے اس سے جنگ کی ہے، میں آپؑ کے ساتھ تھا آپؑ نے فرمایا: کشتوں کے درمیان سے اسے تلاش کرکے لاؤ جب لایا گیا تو اسے اسی صورت میں دیکھا جو آنحضرتؐ نے بیان کی تھی[1]۔

روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے نہروان میں خوارج سے جنگ کرکے انھیں شکست دی اور میدان سے بھاگ جانے والے نو آدمیوں کے علاوہ سب کو قتل کر دیا تو آپؑ نے فرمایا:

---

[1] مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۔ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۲۱۷، ج ۳ ص ۲۲۷۔ الغدیر ج ۷، ص ۲۱۶، ۲۱۷۔ البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۲۹۸

مجھ سے جھوٹ نہیں کہا گیا ہے۔ کشتوں کے درمیان میں اسے تلاش کرو ۔ جب لوگوں نے قتل گاہ میں تلاش کیا تو انھیں ایک آدمی کی لاش ملی کہ جس کا پستان عورت کے پستان کی مانند تھا (اس کو دیکھ کر) علیؑ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ یہ بھی علیؑ کی فضیلت ہے۔

الشَّهيدِ بِسَيْفِ ابْنِ مُلْجَمِ الْفاجِرِ اللَّعِين

علیؑ ابن ملجم ملعون کی تلوار سے شہید ہوئے۔

یہ آپؑ کی شہادت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے ۔ روایت ہے کہ ابن ملجم علیہ اللعنۃ والعذاب ، خوارج میں سے تھا ، جنگ نہروان میں خوارج کے تہ تیغ ہو جانے کے بعد وہ اور دو اور خارجی مکہ «عليهم و على جميع الخوارج لعنة الله» ایک جگہ جمع ہوئے اور کہنے لگے ، ساری دنیا ظالموں کے ہاتھ میں ہے ۔ ہم میں سے ہر ایک ان تینوں امیروں میں سے ایک ایک کو قتل کر دیں ، ایک نے کہا میں امیر شام کو قتل کروں گا ۔ دوسرے نے کہا : میں مصر کے امیر کو قتل کروں گا تیسرے ابن ملجم لعنۃ اللہ نے کہا : میں امیرِ کوفہ کو قتل کروں گا ۔ اس ملعون نے امیر المومنین علیہ الصلواۃ والسلام امیرِ کوفہ کو قتل کرنے کی ذمہ داری لی اور یہ طے کیا کہ سترہ رمضان کی شب میں یہ کام کیا جائے گا ۔ اس کے بعد یہ لوگ متفرق ہو گئے ۔

ابن ملجم «عليه غَضَبُ الله» کوفہ آیا اور وہاں خوارج میں سے قطام نامی عورت پر عاشق ہو گیا ۔ اس نے کہا : میرا مہر یہ ہے کہ تم علیؑ کو قتل کر دو کہ انھوں نے نہروان میں میرے باپ کو قتل کیا ہے ابن ملجم ملعون نے کہا : میں اسی کام کے لئے آیا ہوں ۔ سترہویں رمضان کی شب میں ابن ملجم لعنۃ اللہ نے اپنی تلوار قطام کے پاس رکھدی جسے اس نے زہر میں بجھایا پھر اسی تلوار کو لے کر وہ مسجدِ کوفہ میں آیا دروازہ کے پاس سو گیا ۔ حضرت امیر المومنینؑ رات بھر عبادت

لے مسند احمد ج ۳ ص ۱۵ ۔ البدایۃ والنہایہ ج ۷ ص ۲۹۸ ۔ حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۱۷ ، ج ۳ ص ۲۲۷ ، الغدیر ج ۷ ص ۲۱۶ ، ۲۱۷

میں مشغول رہے اور بہت کم کھانا تناول فرمایا تھا۔ سحر میں امام حسنؑ و حسینؑ اور محمد حنفیہ، صلوات اللہ علیہم۔ کو بلایا اور فرمایا: میں نے خواب میں رسولؐ خدا کو دیکھا ہے۔ میں نے آپؐ سے شکایت کی اور عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ، میری رعیت میں تفرقہ پیدا ہو گیا ہے، میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ لوگ اطاعت نہیں کرتے ہیں۔ میں ان سے گلو خلاصی چاہتا ہوں۔ رسولؐ نے فرمایا آج آپؑ ہمارے پاس افطار فرمائیں گے۔ بیٹوں کو وصیت کی۔ جب موذن نے صبح کی اذان دی، علیؑ اٹھے اور بیت الشرف سے باہر آئے۔ گھر میں چند مرغابیاں تھیں، وہ آپؑ کے سامنے آگئیں اور بولنے لگیں علیؑ نے فرمایا: اے چلانے والی مرغابیو! اس آواز کے بعد نوحہ و ماتم کی صدائیں بلند ہوں گی۔ عربی میں اس طرح فرمایا:

اشدد حیازیمک للموت		فانّ الموت لاقیکا
ولا تجزع من الموت		اذا حل بوادیکا

موت کے لئے اپنے سینہ کو مضبوط کر لو۔ یقیناً موت تم سے ملاقات کرے گی۔
موت سے جزع و فزع نہ کرو جب آتی ہے تو وادی میں آجاتی ہے۔

اس کے بعد مسجد میں داخل ہوئے۔ ابن ملجم ملعون ساری رات بیدار رہا اور انتظار کرتا رہا۔ لیکن جب آپؑ مسجد میں پہونچے تو اس وقت سو گیا تھا۔ آپؑ نے اسے بیدار کیا اور فرمایا: اٹھ وقتِ نماز ہے۔ اس نے اچک کر زہر آلود شمشیر سے آپؑ کے فرق اقدس پر حملہ کر دیا۔

اور اس جگہ زخم لگا جہاں روز خندق عمرو بن عبدود نے زخم لگایا تھا۔ ابن ملجم ملعون فوراً ہی وہاں سے فرار ہو گیا۔ آپؑ زمین پر گر پڑے اس کے بعد اٹھے اور ستون کو پکڑ کر فرمایا کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا[1]۔ آپؑ کو بیت الشرف لے جایا گیا اور ابن ملجم لعنہ اللہ کو پکڑ لیا گیا

---

[1] حضرت امیرالمومنینؑ کی شہادت کے بارے میں ایسی بھی روایات ہیں جیسی کہ نقل ہوئی ہے، لیکن محراب میں شہادت پانے کے سلسلہ میں بھی روایات نقل ہوئی ہیں۔ چنانچہ ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب مقتل امیرالمومنینؑ کے

اس کے دونوں ساتھیوں کو بھی پکڑ لیا۔ آپؑ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور محمد حنفیہ کو طلب کیا اور انھیں ایک طویل وصیت فرمائی جو کہ کتابوں میں مرقوم ہے فرمایا: دنیا کی طرف نہ جھو اگرچہ وہ تمہاری طرف بڑھے امام حسنؑ کی طرف اشارہ فرمایا کہ خلافت کے امور سنبھالیں ہر چیز سے متعلق وصیت فرمائی اور آخر میں فرمایا: اگر میں زندہ بچ گیا تو میں ابن ملجم کے ساتھ جو سلوک کروں گا اسے میں ہی جانتا ہوں۔ اور اگر میں دنیا سے اٹھ گیا تو اس سے صرف ایک ضربت کے ذریعہ قصاص لینا۔[1] اس کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا اور اسے تڑپا تڑپا کر قتل نہ کرنا کہ رسولؐ کا ارشاد ہے: ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے پرہیز کرو اگرچہ وہ کاٹ کھانے والا پاگل کتا ہی کیوں نہ ہو اس کے بعد آپؑ نے لا الہ الا اللہ کہا اور انتقال کر گئے۔

پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت علیؑ نے عام الفیل کے تیس سال بعد ۱۳ رجب کو شب جمعہ میں، خانہ کعبہ کے اندر مکہ میں ولادت پائی اور ۴۰ھ میں ۲۱ رمضان شب جمعہ میں شہادت پائی۔

آدَمِ الْاَوْلِیاء[2] و خاتَمِ الاَوْصیاء و صاحِبِ اللّواء یَوْم الدین

حضرت علیؑ اولیاء کے آدمؑ اور اوصیاء کے خاتم اور روز قیامت صاحب لواء ہیں۔

یہ آپؑ کے القاب کا تتمہ ہے منجملہ آدم الاولیاء بھی آپؑ کا لقب ہے، جس طرح آدمؑ

ـــ میں نقل کیا ہے کہ: حضرت علیؑ عالت نماز میں تھے اور سورۂ انبیاء کی گیارہویں آیتیں پڑھ چکے تھے کہ ابن ملجم ملعون نے ضربت لگائی۔ ملاحظہ فرمائیں مجلہ تراثنا شمارہ ۱۲ ص ۹۰ اسی کے ص ۹۶ پر مرقوم ہے کہ جب ابن ملجم لعنہ نے ضربت لگائی تو آپ نے فرمایا۔ فزت ورب الکعبہ

[1] آپؑ کے وصیت نامہ کے متن کو، مقتل امیر المومنین، مولفہ ابن ابی الدنیا مجلہ تراثنا شمارہ ۱۲ ص ۹۷ تا ۱۰۵۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ص۱۵۹

[2] ابن عربی نے مناقب میں امام زین العابدینؑ کے لیے آدم اہل البیت کا لفظ استعمال کیا، شرح مناقب محی الدین عربی

بشریت کا سرچشمہ ہیں اس طرح حضرت علیؑ تمام امت کے اولیا کا سرچشمہ ہیں۔ رسولؐ خدا کی امت کے تمام اولیا حضرت علیؑ کی ہدایت وارشاد اور آپؑ کی متابعت کی وجہ سے مرتبۂ ولایت پر فائز ہوئے ہیں، حضرت علیؑ کی محبت کے ذریعہ راہ ولایت کو پایا جاسکتا ہے۔ خاتم الاوصیاء بھی آپؑ کا لقب ہے۔ رسولؐ اسلام، خاتم النبیین تھے اور ہر پیغمبر کا ایک وصی ہوتا ہے اور علیؑ آپؐ کے وصی ہیں اس لئے علیؑ خاتم الاولیاء ہیں یہ روز قیامت لواء حمد آپؑ کے ہاتھ میں ہوگا۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: روز قیامت علیؑ میرے علم بردار ہونگے اور روز قیامت میرے پرچم کے نیچے علیؑ کے دشمن کو جگہ میسر نہ ہوگی۔

الَّذي كانَ حُبُّه عَلامَةَ إيمانِ الْمُسْلِمين

علیؑ وہ ہیں جن کی محبت اور دوستی مسلمانوں کے ایمان کی علامت تھی۔

یہ اس چیز کی طرف اشارہ ہے جو کہ آنحضرتؐ سے صحیح حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ قسم اس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور مخلوق کو پیدا کیا، مجھ سے رسولؐ امی نے عہد کیا ہے کہ مجھے وہی دوست رکھے گا جو مومن ہوگا اور مجھ سے وہی دشمنی رکھے گا جو کہ منافق ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ کہتے تھے کہ ہم رسولؐ کے زمانہ میں ان لوگوں کو مومن سمجھتے تھے جو علیؑ کے محب ہوتے اور ان لوگوں کو منافق سمجھتے تھے جو کہ آپؑ سے دشمنی رکھتے تھے۔ پس آپؑ کی محبت ایمان کی علامت ونشانی ہے[1]۔

الشَّاهِدِ لَهُ الطَّيْرُ بِدُعاءِ النَّبِى أنَّهُ أحَبُّ الْخَلْقِ إلى رَبِّ الْعالَمينَ

حضرت علیؑ وہ ہیں جن کے لئے رسولؐ کی دعا سے پرندہ نے گواہی دی کہ خدا کے نزدیک علیؑ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

یہ فقرہ حدیث طیر کی طرف اشارہ ہے۔ انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ کے

---

[1] الغدیر ج ۱ ص ۱۲۳، ج ۹ ص ۲۶۷، ج ۱۰ ص ۲۷۸، ج ۴ ص ۳۴۱، ج ۱ ص ۳۲۴۔ ج ۹ ص ۲۶۷

پاس ایک طائر رکھا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اے اللہ میرے پاس اس شخص کو بھیج دے جو خلائق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تاکہ میرے ساتھ اس طیر کو تناول کرے۔ چنانچہ جناب امیر المومنین علیؑ تشریف لائے اور آنحضرتؐ کے ساتھ طیر نوش فرمایا۔ پس طیر نے رسولؐ کی دعا سے گواہی دی کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ کے نزدیک علیؑ خلائق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں[1]۔

أبِی الْحَسَن علی بن أبی طالب المرتضی المقتدی أمیر المؤمنین

یہ آپؑ کی کنیت دائم کی طرف اشارہ ہے۔

ابوالحسن آپؑ کی کنیت ہے کیونکہ آپؑ کی اولاد میں سے سب سے بڑے امام حسنؑ ہیں پہلے امام حسنؑ کا نام حرب تھا[2] لیکن رسولؐ نے حسن رکھا، آپؑ کی دوسری کنیت ابوتراب ہے۔ رسولؐ آپؑ کو اسی کنیت سے پکارتے تھے۔ علیؑ کو بھی تمام ناموں سے زیادہ یہی کنیت پسند تھی اور اس بات کو دوست رکھتے تھے کہ مجھے اسی کنیت سے پکارا جائے حضرت علیؑ کے ستر۱۷ہ بیٹے بیٹیاں تھیں۔ ایک روایت کی رو سے بیس بچے تھے امام حسنؑ، امام حسینؑ اور محسنؑ۔ موخر الذکر عہد طفلی میں انتقال کر گئے تھے۔ اور ام کلثومؑ یہ سب حضرت فاطمہؑ کے بطن سے تھے[3]۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ محمد حنفیہ، آپ کی والدہ بنی حنفیہ سے تھیں۔ دوسرے عباس اور عمر و، سبطین کے علاوہ ان تینو کی نسل باقی رہی اور کی اولاد باقی نہیں رہی۔ مرتضیٰ بھی حضرت علیؑ کی کنیت

---

[1] مذکورہ روایت حدیث طیر کے نام سے مشہور ہے جو کہ واضح طور پر تمام صحابہ پر حضرت علیؑ کی فضیلت کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔ ترجمہ الامام علی بن ابی طالبؑ، تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۵۔ ۱۵۵۔

[2] اس سلسلہ میں تردد ہے۔ اموئین سے متاثر شدت پسند سنیوں کی کتابوں میں حضرت علیؑ کو طبیعتاً جنگجو کی حیثیت سے پہچنوانے کی کوشش کی گئی ہے اس سے زیادہ تعجب تو اس بات پر ہے کہ علیؑ سے روایت کی ہے کہ میں جنگ کو دوست رکھتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں ترجمہ الامام الحسینؑ من تاریخ دمشق بہ تحقیق محمد باقر محمودی ص ۱۶، ۱۵ پر مرقوم ہے کہ حضرت علیؑ اپنے بیٹوں میں سے ایک کا نام حمزہ اور دوسرے کا جعفر رکھنا چاہتے تھے لیکن رسولؐ نے ایک کا نام حسنؑ اور دوسرے کا نام حسینؑ رکھا۔

[3] مولف نے یہاں جناب زینبؑ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

ہے کیونکہ خدا آپؑ سے راضی ہے۔ دوسری کنیت مقتدا ہے کیونکہ ساری امت آپؑ کی اقتدا میں ہے۔ امیر المومنین بھی آپؑ کی کنیت ہے کیونکہ آپؑ خلیفہ برحق ہیں اور خلیفہ برحق امیر المومنین ہوتا ہے۔

صاحِبِ الْكِرامَةِ و الْعِزِّ و الشَّرَفِ، اَلْمَقْبورِ بِالْغَرِيِّ مِنَ النَّجَفِ

حضرت صاحب عزت وکرامت اور شرف والے ہیں۔

جیساکہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ تمام مکارم اور حسبی ونسبی شرف آپؑ کی ذات میں موجود ہے۔

قبر امیر المومنینؑ

دوسرے فقرہ میں آپؑ کی قبر مبارک کی جگہ کی طرف اشارہ ہے۔ محل قبر کے سلسلہ میں مورخین کے درمیان بہت زیادہ اختلاف ہے۔ اکثر مورخین کا خیال ہے کہ جس رات میں آپؑ نے شہادت پائی تھی اسی رات میں خفیہ طور پر آپؑ کو دفن کیا تھا۔ چنانچہ کسی کو آپؑ کی قبر کا پتہ نہ چل سکا۔ بعض نے کہا ہے کہ مسجد کوفہ سے سمت قبلہ میں دفن کئے گئے ہیں۔ یہ اکثر علماء کا بھی نظریہ ہے۔ کچھ علماء کا کہنا ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنے بیٹوں سے وصیت کی تھی کہ میری لاش کو مدینہ ساتھ لے جانا اور مدینہ میں دفن کرنا۔ چنانچہ جب امیر المومنین امام حسنؑ نے صلح کرلی اور اہل وعیال کے ساتھ مدینہ کی طرف رخ کیا تو حضرت علیؑ کے جنازہ کو ایک اونٹ کی پیٹھ پر رکھا اور اپنے ہمراہ لیکر چلے ایک شب میں اونٹ مع لاش کے گم ہوگیا اور کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ اونٹ کہاں چلا گیا۔ یہ واقع خواجہ محمد پارسا، بخاریؒ نے کتاب فصل الخطاب میں نقل کیا ہے۔[1]

لوگوں کا اتفاق ہے کہ صحرا نجف میں غریٰ نامی مقام پر آپؑ کی قبر مبارک ہے۔ یہ بھی

---

[1] ازغ۔ ابن حوقل نے بھی کچھ فرق کے ساتھ یہی واقعہ نقل کیا ہے۔ (مترجم)

کہتے ہیں کہ ہارون رشید عباسی کے زمانہ میں آپؑ کی قبر مبارک کا پتہ چلا۔ واقعہ یوں ہے کہ ہارون رشید[1] ایک دفعہ صحرائے نجف میں شکار کر رہا تھا عزی نامی مقام کے پاس ہی ایک ٹیلہ تھا، ہرن کتوں سے بچنے کے لئے اس ٹیلے پر چڑھ گئی۔ جب ہرن نے اس ٹیلے پر پناہ لے لی اور کتے اس ٹیلے پر نہ چڑھ سکے ہر چند کتوں کو ان کے پیچھے دوڑانے کی کوشش کی گئی مگر بے فائدہ ثابت ہوئی اور ٹیلے پر کتے نہ گئے۔ اس سے ہارون رشید کو بہت تعجب ہوا اس نے کہا عزی[2] سے کسی بوڑھے کو بلا کر لاؤ تاکہ اس ٹیلے کی حقیقت اس سے معلوم کی جائے۔ ایک بوڑھے کو لایا گیا، تو لوگوں نے اس ٹیلے کی حقیقت کے بارے میں اس سے سوال کیا تو اس نے کہا: ہمیں ہمارے باپ دادا کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ اس ٹیلے میں حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک ہے۔ ہارون رشید وہیں خیمہ زن[3] ہو گیا اور ٹیلہ کو کھدوایا تو آپؑ کی قبر کے نشانات مل گئے تو ہارون رشید نے اس پر قبہ۔ گنبد۔ بنوا دیا اور ہر سال وہاں زیارت کے لئے آتا تھا۔ اطراف واکناف سے دوسرے لوگ بھی زیارت کے لئے آتے تھے اور اس مزار سے اپنا دامن مراد بھر کر لوٹتے تھے۔

یہ روایت ان روایات کے موافق ہیں جن کی بنا پر علماء نے کہا ہے کہ آپؑ مسجد کوفہ کے قبلہ کی طرف مدفون ہیں کیونکہ نجف مسجد کوفہ سے سمت قبلہ میں واقع ہے۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپؑ قبلہ گاہ مسجد میں دفن ہیں اور اس طرح آپؑ کی قبر کو مسجد سے متصل ہونا چاہیے جبکہ یہ ضروری نہیں ہے کیونکہ قبلۂ مسجد کوفہ کہا گیا ہے جبکہ مراد سمت قبلہ ہے خواہ عمارت سے متصل ہو یا نہ ہو۔

---

[1] از غ۔　　[2] از غ۔

[3] فرحۃ الغری فی تعیین قبر امیر المومنین علی بن ابی طالب فی النجف۔ مولف غیاث الدین السید عبدالکریم بن طاؤس ص ۱۱۹، ۱۲۰

جس نے بھی نجف میں روضۂ امیر المومنینؑ کی زیارت کی ہے وہ جانتا ہے کہ اس قبہ مطہر و مقدس سے انوارِ جمال اور آثارِ جلال ظاہر ہیں اور عجیب واقعات اس سے رونما ہوتے ہیں۔ نجف عراق کا پُر رونق شہر ہے اور جو بھی نجف سے روانہ ہوتا ہے اسے رسولؐ کے مرقد مطہر تک کوئی عمارت اتنی بعظمت نظر نہیں آتی ہے یعنی جب حضرت امیر المومنین علیؑ کے روضۂ اقدس سے نظر ہٹتی ہے تو کوئی عمارت نظر نہیں آتی سوائے قبہ رسولؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(علی) عَلَی الْمُرْتَضیٰ وَ اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ وَ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا۔

علیہا السلام
فاطمہ زہرا

اللّٰهُمَّ صَلِّ و سَلِّم عَلی ستّ النّساء

اے اللہ عورتوں کی سردار پر صلوات ورحمت نازل فرما۔

یہاں سے خیرالنسا، دختر محمد مصطفیٰ حضرت فاطمہ زہراؑ[1] پر درود وصلوات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ رسولؐ کے نزدیک حضرت فاطمہ زہراؑ تمام بچوں سے زیادہ عزیز و محبوب تھیں۔ آپ نے اس سال ولادت پائی جس سال قریش کعبہ تعمیر کر رہے تھے[2]۔

حضرت فاطمہؑ کے فضائل ومناقب اور القاب بہت زیادہ ہیں۔ ستّ النساء بھی آپ کا لقب ہے جس کے معنی سردار و عظیم کے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولؐ نے جناب فاطمہؑ سے فرمایا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ مومن عورتوں کی سردار قرار پاؤ۔ اس سلسلہ میں بہت زیادہ احادیث ہیں جو کہ صحاح میں مذکور و مرقوم ہیں۔

اَلْغُرَّۃِ الْغَرّاء الزُّهْرَۃِ الزَّهْرا

فاطمہ غرّہ ہیں[3]

---

[1] غ میں صلوات اللہ وسلام علیہا ہے۔ [2] یہ قول اہل سنت میں مشہور ہے لیکن اہل بیتؑ اور شیعوں کے درمیان مشہور یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ نے بعثت کے پانچویں سال ولادت پائی۔ ملاحظہ فرمائیں، الصحیح من سیرۃ النبی ج ۴ ص ۱۴۵/۱۴۶، ج ۳ ص ۲۵/۲۶۔ [3] رسولؐ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: فاطمہ ھی الزہراء، الغدیر ج ۳ ص ۱۸

عزہ، گھوڑے کی پیشانی کی سفیدی کو کہتے ہیں جو چمکتی ہے اور عرب اس شخص کو عزہ قبیلہ کہتے ہیں جو شرف وکمال کا حامل، عظمت وبزرگی میں منتخب اور سربرآوردہ ہوتا ہے۔

چونکہ دنیا کی عورتوں کے درمیان حضرت فاطمہؑ اپنے شرف وکمال کی بنا پر ممتاز ہیں اس لئے آپؑ کو عزہ کا لقب دیا گیا ہے۔

فاطمہ زہراؑ روشن ستارہ ہیں

جس طرح آسمان پر زہرہ اپنی روشنی کی وجہ سے ممتاز ہے اسی طرح فاطمہؑ اپنے شرف و کمال اور فضل کی وجہ سے دنیا کی تمام عورتوں پر فوقیت رکھتی ہیں۔

الدُّرَّةِ الْبَيْضاء الْبَتُولِ الْعَذْراء

فاطمہؑ شرف وبزرگی اور حسب ونسب میں درخشاں ہیں، تمام جواہر سے زیادہ آپؑ کی قدر وقیمت ہے آپؑ بتول وعذرا ہیں۔

بتول اس عورت کو کہتے ہیں جو کہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی سے انس نہیں رکھتی تمام مردوں سے علیحدہ رہتی ہے یا اس عورت کو کہتے ہیں جو سب سے قطع تعلق رکھتی ہے اور خدا کی عبادت میں مشغول رہتی ہے۔ عذرا بھی آپؑ کا لقب ہے عذرا پاکیزہ اور پردہ نشیں عورت کو کہتے ہیں مستور اور پردہ والی لڑکی کو عرب عذرا کہتے ہیں۔ آپؑ کے شرف کی وجہ سے یہ لقب آپؑ سے مخصوص ہے۔

قُرَّةِ عَيْنِ سَيِّدِ الْاَنْبِياء

فاطمہؑ سید الانبیاء کی آنکھوں کا نور ہیں۔

یہ فقرہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فاطمہؑ رسولؐ کی چہیتی بیٹی ہیں۔ روایت ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جس نے اسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔ جس نے اسے ایذا پہونچائی اس نے مجھے ایذا دی[1] اس میں شک نہیں ہے کہ رسولؐ فاطمہ زہرا

---

[1] الغدیر ج ۷ ص ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۷ ج ۳ ص ۱۸، ۲۰ ج ۹ ص ۳۸۷۔

کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

الْمُضاجِعَةِ سَيِّدِ الْأَصْفِياءِ

حضرت فاطمہؑ سیدالاصفیاء حضرت امیرالمومنینؑ کی ہمسر ہیں

اس جملہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فاطمہؑ حضرت علیؑ کی زوجہ ہیں۔ روایت کی گئی ہے کہ جب فاطمہ زہراؑ شادی کے لائق ہوئیں تو بڑے بڑے صحابہ[1] نے ان سے شادی کے لئے رسولؐ کی خدمت میں درخواستیں پیش کیں لیکن آنحضرتؐ نے کسی کی درخواست قبول نہ کی۔ اصحاب نے حضرت علیؑ سے کہا: آپؑ پیغام دیجئے، شاید راضی ہو جائیں۔ علیؑ گئے اور عرض پرداز ہوئے۔ السلام علیک یا رسول اللہ آنحضرتؐ نے فرمایا وعلیک السلام۔ کیا حاجت ہے؟ عرض کی: فاطمہ کی خواستگاری کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: فاطمہؑ کی خواستگاری کے لئے آئے ہو؟ عرض کی ہاں۔ اس کے بعد آپؐ نے فاطمہؑ کے مہر پانچسو درہم ادا کئے اور فاطمہ زہراء سے شادی ہو گئی۔

الْمازِجَةِ لِلتَّبَسُّمِ بِالْبُكاءِ عِنْدَ بِشارَةِ اللُّحُوقِ بِخَيْرِ الْآباءِ

جب فاطمہؑ کو یہ بشارت دی گئی کہ تم اپنے بہترین باپ سے سب سے پہلے ملحق ہوگی تو اس وقت بکا سے تبسم کا امتزاج کیا

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہؑ رسولؐ کے مرض الموت میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ باپ نے بیٹی کو خوش آمدید کہا۔ اور پھر فرمایا: بیٹی بیٹھ جاؤ اور پھر سرگوشی کے انداز میں ان سے کچھ فرمایا جس سے فاطمہؑ پر شدید رقت طاری ہو گئی۔ اس کے بعد آہستہ سے ایک بات کہی جس سے آپؑ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی جب آپؑ وہاں سے اٹھیں

---

[1] یہ بڑے بڑے صحابی خلیفہ اول اور خلیفہ دوم تھے، لیکن مولف نے اس کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں الصحیح من سیرۃ النبیؐ ج ۴ ص ۲۵ تا ۳۱ ۔ خصوصاً ص ۲۶، ۲۷۔

تو بعض لوگوں نے گریہ کرنے اور مسکرانے کا سبب معلوم کیا تو آپؑ نے فرمایا: میں پیغمبر کا راز فاش نہیں کر سکتی۔ جب رسولؐ وفات پا گئے تو لوگوں نے دوبارہ آپؑ سے دریافت کیا تو فرمایا: اب میں بیان کر سکتی ہوں۔ پہلی دفعہ جو خفیہ طور پر مجھ سے ایک بات کہی تھی وہ یہ تھی کہ سال میں مجھ پر ایک بار قرآن نازل ہوتا تھا اس سال دو بار پیش کیا گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ میری موت قریب آگئی ہے۔ پس خدا کا تقویٰ اختیار کرو صبر کرو کہ میں تمہارے لئے بہترین پیشرو ہوں۔ جب مجھے روتے ہوئے دیکھا تو مجھ سے آہستہ سے فرمایا: اے فاطمہؑ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو یا مومنین کی عورتوں کی سردار ہو۔ ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ مجھ سے آہستہ سے فرمایا: میں اس مرض میں دنیا سے اٹھ جاؤں گا۔ میں رونے لگی۔ اس کے بعد فرمایا: میرے اہل بیتؑ میں تم سب سے پہلے مجھ سے ملحق ہو گی۔ یہ سن کر میں خوش ہو گئی[1]۔ مذکورہ فقرہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب[2]۔

اَلْمُشَرَّفَةُ مع زَوْجِها و وَلَدَیْها بِدُخُولِ الْعَباء

فاطمہ اپنے شوہر اور دو بیٹوں کے ساتھ رسولؐ کی عبا میں داخل ہو کر شرفیاب ہونے والی ہیں۔

یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپؑ آلِ عبا ہیں۔ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولؐ اکرم صبح کے وقت اُونی عبا ڈالے ہوئے باہر تشریف لائے۔ امیرالمومنین حسنؑ قریب آئے آنحضرتؐ نے انھیں عباء کے اندر بلا لیا پھر امیرالمومنین حسینؑ آئے انھیں بھی عباء کے اندر بلا لیا۔ اس کے بعد فاطمہؑ کو بھی عباء میں داخل کر لیا اور پھر جناب امیر کو عباء میں داخل کر کے فرمایا: اِنَّما یُرِیدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عنکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ و یُطَهِّرَکُم تَطْهِیراً[3]۔

[1] انساب الاشراف، احمد بن یحییٰ البلاذری، تحقیق: محمد حمید اللہ، مصر ص ۵۵۲ طبقات الکبریٰ، محمد بن سعد ج ۸ ص ۲۶، ۲۷۔

[2] منہاج میں آیا ہے

[3] احزاب ۳۳۔

اس جملہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اَلْمُسْتَعانِ بِها یَوْم الْمُباهلة بالتّوَجُّہِ و الدُّعاء

فاطمہؑ ان کے شوہر اور ان کے بیٹوں سے مباہلہ کے روز دعا و تضرع میں مدد حاصل کی گئی۔

اس جملہ میں واقعہ مباہلہ کی طرف اشارہ ہوا ہے، روایت ہے کہ شہر نجران شام اور یمن کے درمیان کے شہروں میں سے ایک تھا اس شہر کے نصاریٰ کے کچھ لوگ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے حضرت عیسیٰ کے بارے میں بحث و مخاصمہ کرنے لگے۔ رسولؐ نے فرمایا کہ عیسیٰ خدا کے بندے ہیں اس کے پیغمبر ہیں مگر خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔ خدا اس سے پاک ہے اس کا کوئی بیٹا ہو اس سلسلہ میں خداوند عالم نے سورہ آل عمران کی ابتدا میں اسی آیات نازل کیں ہیں اور نصاریٰ پر حجت تمام کر دی اور رسولؐ کو حکم دیا کہ ان سے مباہلہ کرو اور یہ آیت نازل فرمائی: فَمَنْ حاجَّکَ فیه مِنْ بَعْدِ ما جاءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعالَوْا نَدْعُ أَبناءَنا و ابناءَکُم و نِساءَنا و نِساءَکُم و أَنْفُسَنا و أَنْفُسَکُم ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الکاذِبینَ[1] یعنی جب آپؐ کے پاس یہ علم آچکا ہے کہ عیسیٰ خدا کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں اس کے باوجود اگر کوئی آپؐ سے بحث کرتا ہے تو ان سے کہدو کہ ہم اپنے بیٹوں کو لائیں تم اپنے بیٹوں کو لاؤ ہم اپنی عورتوں کو لائیں تم اپنی عورتوں کو لاؤ ہم اپنے نفسوں کو لائیں تم اپنے نفسوں کو لاؤ یعنی اپنے تمام عزیزوں اور دوستوں کو جمع کریں تاکہ اگر عذاب نازل ہو تو سب پر نازل ہو اور قصہ پاک ہو جائے۔ پھر دعا میں تضرع کریں۔ بعض نے کہا ہے کہ جو باطل پر ہیں ان پر لعنت کریں۔ اور جھوٹوں پر خدا کی پھٹکار ڈالیں۔

روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسولؐ نے نجران کے نصاریٰ کو طلب کیا اور ان کے سامنے مذکورہ آیت کی تلاوت کی۔ انھوں نے کہا: ہمیں کچھ غور و فکر کرنے کا موقع

---

[1] آل عمران / ۶۱۔

دیجیے۔ جب انھوں نے تنہائی میں ایک دوسرے سے ملاقات کی تو اپنے مشیر کار عاقب[1] سے کہا: مباہلہ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا: اے نصاریٰ کی جماعت والو! خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ محمدؐ نبی مرسل ہیں خدا کی قسم کسی پیغمبر اور کسی قوم نے ایک دوسرے پر لعنت نہیں کی ہے کہ جس سے ان کے بڑے زندہ رہے اور چھوٹے بڑے ہوگئے اور اگر تم ان سے مباہلہ کروگے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ البتہ اپنا دین و مذہب بھی نہیں چھوڑا جا سکتا ہے ان سے صلح کرکے اپنے شہروں کی طرف لوٹ جاؤ۔ دوسرے دن نصارائے نجران آئے، رسولؐ وعدہ گاہ پر پہونچ چکے تھے۔ حسینؑ بن علیؑ کو آغوش میں لیے ہوئے اور حسنؑ بن علیؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے آپؐ کے پیچھے فاطمہ زہراؑ تھیں اور امیر المومنینؑ ان کے پیچھے تھے۔ رسولؐ نے اپنے اہل بیتؑ سے فرمایا: جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔

جب نصاریٰ نے یہ صورت حال دیکھی تو ان کے علما اور عابدوں نے کہا: اے گروہ نصاریٰ ہم ایسے چہرے دیکھ رہے ہیں کہ اگر وہ خدا سے یہ دعا مانگیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے۔ لہٰذا ہم اپنے لیے یہی بہتر سمجھتے ہیں کہ مباہلہ نہ کریں ورنہ ہلاک ہو جائیں گے اور روئے زمین پر قیامت تک کسی نصاریٰ کا وجود باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ نصاریٰ نے کہا: اے ابوالقاسم! ہم اپنے بارے میں یہی بہتر سمجھتے ہیں کہ آپؐ سے مباہلہ نہ کریں اور آپؐ کو آپ ہی کی حالت پر چھوڑتے ہیں ہم اپنے دین پر ثابت و قائم رہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: جب تم نے مسلمانوں سے مباہلہ کرنے سے پہلو تہی کر لی ہے تو اب نفع و ضرر میں شریک ہونا پڑے گا۔ نصاریٰ نے کہا یہ ہمیں قبول نہیں ہے۔ رسولؐ نے

---

[1] حدیث میں آیا ہے کہ رسولؐ کے پاس نصارائے نجران میں سے سید و عاقب آئے۔ عاقب اس شخص کو کہتے ہیں۔ جو کہ اپنے سے پہلے کا خیر میں خلیفہ ہو، سید و عاقب نصاریٰ کے درمیان بڑے سمجھے جاتے تھے۔ تاج العروس ج ۳ ص ۴۰۔ گویا دینی رہبروں کے لیے دو عنوان تھے۔

فرمایا کہ پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ نصاریٰ نے کہا: ہم عرب سے جنگ لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں ہاں آپؐ سے اس بات پر صلح کرتے ہیں کہ ہم سے جنگ نہ کریں، ہمیں ہمارے شہروں میں امن سے رہنے دیں، اپنے دین پر رہنے دیں تو ہم ہر سال ماہ صفر میں ہزار حلّہ اور ماہ رجب میں ہزار حلہ اور تیس عدد زرہ آپؐ کو دیا کریں گے۔ رسولؐ نے اس پر ان سے صلح کر لی اور فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اہلِ نجران کے اوپر عذاب آنے ہی والا تھا اگر وہ مباہلہ کرتے تو سب کے سب بندر و خنزیر بن جاتے اور وادی میں ان کے لئے آگ بھڑک اٹھتی اور خدا تمام نجران والوں کو ہلاک کر دیتا یہاں تک کہ وہاں کے درخت پر بیٹھا ہوا پرندہ بھی نہ بچتا۔ سال کے آخر تک سارے نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

اس واقعہ میں فاطمہ زہراؑ ان کے شوہر اور ان کے بیٹوں کی ایسی فضیلت و منقبت ہے جس کے برابر کوئی چیز نہیں ہو سکتی ہے۔

سَیِّدَةِ نِساءِ العالمین یَوم الْحَشْرِ و الْجَزاءِ

روزِ جزا فاطمہؑ عالمین کی عورتوں کی سردار ہیں۔

یہ فقرہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہے کہ حضرت فاطمہؑ روزِ قیامت عالمین کی عورتوں کی سردار ہونگی۔ اس حدیث کا بعض حصہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

ذَرْوَةِ سَنام الْمَجْد و الْعِزِّ و الْبَهاءِ

حضرت فاطمہؑ عزت و شرف اور فخر و سربلندی کا کوہان ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ فاطمہؑ زہراؑ ان مراتب کی رفعت و بلندی اور معراج کمال پر فائز ہیں، جو کمال بلندی پر پہونچ جاتا ہے۔ عرب اسے کوہان کہتے ہیں۔ کیونکہ اونٹ کے جسم کا کوئی حصہ کوہان سے زیادہ بلند نہیں ہوتا ہے اور یہ آپؐ کی کمال بلندی و عظمت کی طرف اشارہ ہے۔

اَلْمَمْنُوحِ لَها ثَوابُ التَّسْبِيحِ وَ التَّحْمِيدِ وَ التَّكْبِير بعد الْمَشَقَّةِ وَ الْعِناء

زحمت و مشقت کے بعد فاطمہؑ کو تسبیح تحمید اور تکبیر کا ثواب بخشا گیا ہے۔

اس جملہ میں اس صحیح حدیث کی طرف اشارہ ہے جو حضرت امیر المومنین سے منقول ہے آپ نے فرمایا: چکی پیستے پیستے فاطمہ زہراؑ کے ہاتھ زخمی ہو گئے تھے۔ ایک روز آپ کو یہ خبر ملی کہ رسولؐ کے پاس غلام لائے گئے ہیں۔ چنانچہ آپ رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تا کہ آنحضرتؐ سے ایک خادمہ کا مطالبہ کریں۔ جب فاطمہؑ رسولؐ کے گھر پہونچیں تو اس وقت رسولؐ گھر پر موجود نہیں تھے لہذا ازواج میں سے کسی سے آپ نے بپتا سنائی اور فرمایا کہ بابا سے کہدیجئے۔ جب رسولؐ واپس تشریف لائے ازواج نے فاطمہؑ کی بات آپ سے نقل کی۔ امیر المومنین علیؑ فرماتے ہیں کہ رات کے وقت رسولؐ ہمارے گھر تشریف لائے، ہم لیٹ چکے تھے اٹھنا چاہتے تھے کہ آپ نے فرمایا: اپنی جگہ لیٹے رہو، آنحضرتؐ ہم دونوں کے درمیان میں بیٹھ گئے، اتنے قریب تھے کہ میں نے آپ کے قدم مبارک کی سردی محسوس کی۔ پھر فرمایا: کیا میں تمہیں اس سے بہترین چیز بتاؤں جس کی تم نے مجھ سے درخواست کی ہے؟ جب سونے لگو تو اس وقت ۳۴ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو کہ تمہارے لئے یہ خادم سے بہتر ہے[1] اس فقرہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

أُمّ الأَئِمَّةِ الأَتْقِياءِ الأَوْصياءِ فاطِمَةَ الزَّهْراء

فاطمہؑ پرہیز گار آئمہ جو کہ اوصیاء ہیں، کی ماں ہیں۔

یہ آپ کی کنیت کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ آپ کے شوہر حضرت امیر المومنین علیؑ کے علاوہ سارے آئمہ آپ کے بطن سے ہیں اور فاطمہؑ سارے آئمہ کی ماں ہیں۔ فاطمہؑ آپ کا نام ہے اور مشہور لقب زہراؑ ہے۔ جس کے معنی نورِ خدا سے منور اور تمام عیوب سے محفوظ رہنے

---

[1] طبقات الکبریٰ۔ محمد بن سعد ج ۸ ص ۲۵ ۔ بیروت ۱۴۰۵ھ

کے ہیں۔ فاطمہؑ کے مناقب بہت زیادہ ہیں۔

فاطمہؑ کا حزن و غم آشکار اور تدفین خفیہ طور پر ہوئی[1] ہے چہ حزن و محن کی طرف اشارہ ہے جو کہ رسولؐ کی وفات کے بعد طاری ہوئے تھے چنانچہ روایت ہے کہ رسولؐ کی وفات کے چھ ماہ بعد تک آپؑ زندہ رہیں لیکن کبھی مسکرائی نہیں ہمیشہ حزن و بکا ہی میں وقت گزارا۔

انس بن مالک سے مروی ہے کہ جب رسولؐ کے مرض موت میں شدت پیدا ہوگئی تو فاطمہ زہراؑ نے فرمایا: ہائے میرے بابا کی تکلیف و زحمت۔ آنحضرتؐ[2] نے فرمایا: آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ جب رسولؐ کا انتقال ہوگیا تو صدیقہؑ نے فرمایا:

یا أبتاه أجاب ربّاً دعاه یا أبتاه في جنّة الفردوس مأواه یا أبتاه إلی جبریل ننعاه[3] ہائے میرے بابا! میں جبریل کو آپؐ کی خبرِ موت دوں گی۔ اے ابا! آپؐ نے اپنے پروردگار کی دعوت پر لبیک کہا۔ بابا! کہ جنت آپؐ کا مسکن بن گئی۔ اس کے بعد یہ مرثیہ پڑھا:

ماذا علی مَنْ شَمَّ تربة احمدا ان لم یشم مدی الزمان غوالیا

صبّت علیّ مصائب لو أنّها صُبّت علی الأیام صِرْن لیالیا[1]

کسی کو تربت احمد ببوید دگر از غالیه بویی نجوید

مصیبتها ز دوران ریخت برمن که شب گردد زبارش روز روشن

جس نے قبرِ احمدؐ کی خاک سونگھ لی۔ اسے کبھی غوالی کی خوشبو کی ضرورت نہیں ہوگی۔

---

[1] اس حصہ کا عربی متن نسخہ میں درج نہیں ہے

[2] انس سے مروی ہے کہ جب رسولؐ کی تکلیف زیادہ بڑھ گئی تو فاطمہؑ نے باپ کو سینہ سے لگا کر فرمایا: ہائے بابا آپؐ کی تکلیف اس پر رسولؐ نے فرمایا: آج کے بعد تمہارے باپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی ملاحظہ فرمائیں انساب الاشراف: تحقیق محمد حمید اللہ ص ۵۵۲ تا ۵۵۳۔

[3] اصل میں جبریل چھوٹ گیا ہے ملاحظہ فرمائیں بخاری ج ۵ ص ۱۵۔ منقول از احقاق الحق ج ۱۰ ص ۴۲۷۔

میرے اوپر جو مصائب پڑے ہیں اگر وہ دنوں پر پڑتے تو وہ راتوں میں تبدیل ہوجاتے۔
فاطمہ زہراؑ کے انتقال کے بعد، شب میں آپؑ کی نمازِ جنازہ ہوئی۔ اور رات ہی میں سپردِ لحد کی گئیں۔ آپؑ کے مدفن کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس گھر میں دفن ہیں جو رسولؐ کے گھر سے متصل تھا۔ آج زیادہ تر لوگ حجرۂ رسولؐ کے عقبی حصہ میں آپؑ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ جب لوگ رسولؐ کی زیارت سے فارغ ہوجاتے ہیں تو اپنی جگہ پلٹ آتے ہیں اور باب جبرئیل کی طرف رخ کر کے زیارتِ فاطمہؑ پڑھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپؑ کا مدفن مبارک مسجد الحزن کے پیچھے[1] ہے اور یہ بقیع میں مسجد قبہ عباس کے پیچھے واقع ہے۔ مسجد حزن خود فاطمہ زہراؑ کی طرف منسوب ہے زمانہ حزن و محن میں آپؑ وہیں عبادت کیا کرتی تھیں چنانچہ وفات کے بعد اسی جگہ آپؑ کو دفنایا گیا بعض اہل مکاشفہ اور اولیاء کا خیال ہے کہ حضرت فاطمہؑ کی قبر یہیں ہے لہذا وہیں زیارت کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں ان کی زیارت کے شرف سے مشرف فرما اور ان کے تصدق میں ہمارے گناہ بخش دے۔

---

[1] یا بیت الاحزان مراد ہے یا مسجد الاحزان مراد ہے جو کہ بقیع میں آئمہ کی قبور مطہرہ سے چند میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

امام حسن علیہ السلام

اللّٰھم صلِّ و سَلِّم علی الإمام الثّاني

اے اللہ دوسرے امامؑ پر صلوات و رحمت نازل فرما۔

یہاں سے دوسرے امام امیرالمومنین حضرت حسنؑ پر صلوات و سلام کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ آپ امیرالمومنین علیؑ کے بعد برحق امام ہیں اور خلافتِ نبوت آپؑ پر ختم ہوئی۔ روایت ہے کہ امیرالمومنین حضرت حسنؑ اس رات کی صبح کو جس میں حضرت امیرالمومنینؑ کو سپرد لحد کیا گیا تھا اپنے بھائیوں اور قوم کے بڑے لوگوں کے ساتھ مسجد کوفہ میں تشریف لائے اور منبر سے فرمایا: آج رات وہ شخص دنیا سے اٹھ گیا کہ جس کے مرتبہ تک اولین و آخرین میں سے کوئی نہیں پہونچ سکتا ہے، اس نے میراث میں کوئی درہم و دینار نہیں چھوڑا ہے ہاں کچھ درہم، بچوں کے لئے خادم خریدنے کی خاطر فراہم کئے تھے۔ اس کے بعد عبداللہ عباس، جو کہ منبر کے پایہ کے پاس بیٹھے تھے، اٹھے خطبہ شروع کیا اور حاضرین سے کہا: فرزند رسولؐ اور اپنے امام کی بیعت کے لئے دوڑو۔ لوگ بڑھے اور آپؑ کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ لشکر اسلام میں سے بھی اکثریت نے آپؑ کی بیعت کرلی اور خلافت و امامت کا قضیہ نمٹ گیا[1]

---

[1] کشف الغمہ ج ۱ ص ۵۲۸۔

صاحِبِ ایاتِ الْمَناقِبِ مِنَ الْمَثانی
امام حسنؑ کے مناقب میں مثانی۔ قرآن۔ کی آیتیں نازل ہوئی ہیں۔
یہ جملہ ان آیات کی طرف اشارہ ہے جو کہ آپؑ اور اہلبیتؑ کے مناقب میں نازل ہوئی ہیں۔
منجملہ ان کے "اِنَّما یرِیدُ اللّٰہُ"[1] الایہ۔ و آیہ "قُل لا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْراً اِلاَّ الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبیٰ"[2]

کاشِفِ اَسرارِ الْحَقائِقِ و الْمَعانی
امام حسنؑ اسرارِ حق کے کشف کرنے والے ہیں
یہ آپؑ کے علم و معرفت اور ان حقائق کی طرف اشارہ ہے جو امام حسنؑ نے کشف کئے تھے بارہ ائمہ میں سے ہر ایک علوم الٰہی کے اسرار کا خزینہ دار اور اس کی لا متناہی حکمت کا حامل ہوتا ہے اور تمام علوم کے حقائق ان ہی کے ذریعہ کشف ہوئے ہیں۔

حازِرِ قَصَباتِ السَّبَقِ فِی الْمَرابعِ و الْمَعانی
امام حسنؑ عظمت و منزلت میں گوئے سبقت لے جانے والے اور بازی کے سرکنڈے تک پہونچنے والے ہیں۔
عربوں کی عادت ہے کہ گھڑ دوڑ کے میدان میں دوڑ کے آخری نقطہ پر سرکنڈہ گاڑ دیتے ہیں اور جو شخص سب سے پہلے اس سرکنڈہ تک پہونچ جاتا ہے اور اسے اکھاڑ لیتا ہے وہ جیت جاتا ہے۔ اس سرکنڈہ کو قصب السبق کہتے ہیں اس کا مفہوم وہی ہے جو گوئے سبقت لے جانے کا ہے۔ چنانچہ فضائل و کمالات میں جو شخص سب پر فوقیت رکھتا ہے اس کے لئے بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ سب پر سبقت لے گیا ہے۔ یہ فقرہ آپؑ کے کمالات میں سبقت لے جانے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپؑ امیر المومنین علیؑ کی پہلی اولاد ہیں۔

---

[1] احزاب ۳۳　　　[2] شوریٰ ۲۳

الفائِقِ بِمَنْقَبِہ: نِعْمَ الرَّاکِبُ عَلَی السّائِرِ و الْبارِی
منقبت میں فائق ہیں، کتنا بہترین سوار ہے کہ جو سیر کرنے والے اور ساکن پر فوقیت رکھتا ہے۔

یہ جملہ اس چیز کی طرف اشارہ ہے جو کہ حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ امیرالمومنین حسنؑ کو رسولؐ اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے تھے۔ ایک آدمی نے کہا، بچہ کی کتنی بہترین سواری ہے تمہاری۔ رسولؐ نے فرمایا: کتنا بہترین سوار ہے[1] مذکورہ فقرہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

الْمُتَوَلِّعَۃِ إِلی جَمالِہِ الْحُورُ الْغَوالِي[2]
جنت کی حوریں جو کہ اپنے حسن وجمال کی بنا پر آرائش سے بے نیاز ہیں، امام حسنؑ کی مشتاق ہیں۔

یہ آپؑ کے بے پناہ حسن وجمال کی طرف اشارہ ہے۔ آپؑ اتنے حسین وجمیل تھے کہ جنت کی حوریں اپنے حسن وصفا کے باوجود آپؑ کے دیدار کی مشتاق تھیں۔ روایت ہے کہ امام حسنؑ رسولؐ سے بہت زیادہ مشابہ تھے اس زمانہ میں کوئی بھی آپؑ سے زیادہ رسولؐ سے مشابہت نہیں رکھتا تھا۔ حضرت امیرالمومنین علیؑ کا ارشاد ہے کہ حسنؑ سینہ سے سر تک رسولؐ سے مشابہ ہیں اور حسینؑ سینہ سے شیب تک رسولؐ سے مشابہ ہیں[3]۔ روایت کی گئی ہے کہ بہت زیادہ نکاح کرنیکا سبب عورتوں کا آپؑ کے حسن وجمال پر شیفتہ ہونا تھا اور جس عورت کو طلاق دیتے تھے

---

[1] اس حدیث کے مختلف طریقے، البتہ دوسری عبارت کے پیرایوں میں ملاحظہ فرمائیں ترجمۃ الامام الحسن فی تاریخ دمشق ص ۹۳، ۹۶۔

[2] یہاں غوالی، الغیلۃ کی جمع ہے۔ جس کے معنی المراۃ السمینۃ کے ہیں۔

[3] کشف الغمہ ج ۱ ص ۵۲۲۔

اس سے دوبارہ رجوع نہیں کرتے تھے۔[1] عورتوں کو کافی مہر دیتے تھے تاکہ راضی برضا آپؑ سے جدا ہو جائیں۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت کو طلاق دیا اور اس کے مہر دس ہزار درہم اسے دیے جب یہ مال اس عورت کے پاس پہونچایا گیا تو اس نے کہا: جدا ہونے والے دوست کی طرف سے یہ تھوڑا سا مال ہے۔ لوگوں نے اس کی بات امام حسنؑ تک پہونچا دی آپؑ نے فرمایا، اگر میں نے کسی عورت سے رجوع کیا ہوتا تو میں ضرور اس سے رجوع کرلیتا۔

اَلْفَاتِحِ لِاَبْوَابِ المَنَائِحِ عَلَى الْبَائِسِ و الْعَانِى

حسنؑ فقیروں اور اسیروں پر بخششوں کے دروازے کھولنے والے ہیں۔

یہ آپؑ کے جود و کرم کی طرف اشارہ ہے روایت ہے کہ آپؑ بہت سخاوت و بخشش کرتے تھے، چنانچہ بنی ہاشم کے کریم و سخی مشہور تھے۔ اس سلسلہ میں بہت سی حکایتیں ہیں۔

التَّارِكِ شَوْكَةَ الْخِلَافَةِ تَبَرُّماً مِنَ الْمَتَاعِ الْفَانِى

متاع دنیا سے سیر ہونے کی وجہ سے آپؑ شوکتِ خلافت کو ترک کرنے والے ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام حسنؑ نے اختیاری طور پر خلافت کو چھوڑا تھا۔[2] چنانچہ روایت ہے کہ جب اہل کوفہ نے آپؑ کے دست مبارک پہ بیعت کرلی اور بہت سے شیعہ لشکر بھی آپؑ کی بیعت میں آگئے، آپؑ کے چاہنے والے اور عرب کے امراء آپؑ کی خدمت حاضر ہوئے تو آپؑ نے شام والوں سے جنگ کرنے کا عزم کیا، چالیس ہزار مسلح سپاہیوں کے

---

[1] بہت سے محققین کا خیال ہے کہ یہ چیز اموی مورخین کی گڑھی ہوئی ہے جیسا کہ امام حسن مجتبیٰؑ کی شخصیت کو مجروح کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ عبادت و زہد و تقویٰ اور حج کی ادائیگی میں منفرد تھے اس جہت سے امام حسنؑ بہت مظلوم ہیں۔ [2] یہ بات صحیح نہیں ہے، ہم نے اپنی کتاب "تاریخ سیاسی اسلام تا سال صد ہجری" اس کی وضاحت کی ہے۔ مذکورہ بات ابن طلحہ شافعی نے مطالب السؤول میں بھی تحریر کی ہے اور اربلی نے اس پر سخت تنقید کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کشف الغمہ ج ۱ ص ۵۶۲، ۵۶۴۔

ساتھ کوفہ سے باہر نکلے اور مقدمہ لشکر کے عنوان سے قیس بن سعد بن عبادہ کی سرکردگی میں بارہ ہزار کا لشکر روانہ کیا، یہ جزیرہ موصل تک پہونچ گئے اور امام حسنؑ اپنے بھائیوں اور لشکر کے ساتھ مداین پہونچے اور کچھ دنوں تک مدائن کے قصر میں ساکن رہے، کوفیوں سے وفا کی امید نہیں رکھتے تھے کیونکہ جانتے تھے باطنی طور پر وہ ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ شام والوں کو خط لکھے اور یہ سوچا کہ معاویہ ملک نہیں چھوڑے گا۔ اور شام والے اس کے ہمنوا ہیں۔ پھر مسلمانوں کی خونریزی ہوگی۔ لہذا آپؑ نے معاویہ کو خط لکھا اور صلح کر لی۔

اَلحافِظِ لِجَماجِمِ عَساکِرِ الْاِسْلامِ مِنَ القاصی و الدّانی

امام حسنؑ دور و نزدیک سے اسلام کے لشکر کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یعنی مخالفین اور موافقین دور و نزدیک والے دونوں لشکروں کو قتل و خونریزی سے بچالیا، ان پر رحم کیا اور خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ تاکہ مسلمانوں کا خون نہ بہے۔ روایت ہے کہ جب مداین میں اترے تو آپؑ کے ہمراہ بڑا لشکر تھا، پہاڑ کی مانند۔ آپؑ نے فرمایا تھا تمام عربوں کا سر میرے ہاتھ میں تھا میں نے خدا کے واسطے اس کی حفاظت کی اور انھیں ہلاک ہونے سے بچالیا[1] یہ شفقت و رحمت کی انتہا ہے کہ کوئی مومنوں کی جان کی حفاظت کی خاطر حکومت و خلافت چھوڑ دے۔ یہ آپؑ کا بہت بڑا احسان و کرم ہے۔

الرّاحِمِ عَلَی الْمُسْلِمینِ بِرَفْعِ الْمَوْتِ الْاَحْمَرِ الْقانی

آپؑ سرخ موت کو اٹھا کر مسلمانوں پر رحم کرنے والے ہیں۔

سخت سرخ سے مراد سرخ موت ہے اور سخت، سرخ کے لئے مبالغہ ہے۔ یہ اس خونریزی کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانوں کے درمیان ہوئی تھی۔ امام حسنؑ نے مسلمانوں پر رحم کیا

---

[1] یہی چیز ابن سعد نے بھی نقل کی ہے۔ ترجمہ الامام الحسینؑ۔ طبقات الکبریٰ۔ ملاحظہ فرمائیں۔ مجلہ تراثنا شمارہ ۱۱ ص ۱۴۷۔ تحقیق علامہ سید عبدالعزیز طباطبائی لیکن یہ چیز فوج جمع کرنے کے سلسلہ میں امام حسنؑ کو جو زحمت ہوئی تھی اسکے سراسر خلاف ہے۔

اور صلح کے ذریعہ اس خونریزی کا سلسلہ ختم کردیا۔

اَلْمُصْلِحِ بَیْنَ الْفِئَتَیْنِ الْعَظِیمَتَیْنِ لِتَأْیِیدِ الدّین و تَشْیِیدِ الْمَبانی

امام حسنؑ دو بڑے لشکروں کے درمیان صلح کرنے والے ہیں تاکہ دین قوی اور اسلام کی بنیاد مضبوط ہوجائے۔ یہ اس صلح کی طرف اشارہ ہے جوکہ آپؑ نے لشکروں کے درمیان کی تھی چنانچہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولؐ منبر پر اور امیرالمومنین حسنؑ نیچے تشریف فرما تھے۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: یہ میرا بیٹا سردار ہے اور عنقریب خدا اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا[1]

سَیِّدِ شَبابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ، فِی الجَنَّةِ ذات القطوف الدَّوانی

امام حسنؑ اس جنت کے جوانوں کے سردار ہیں جس کے خوشوں کو خدا نے چننے کے لئے نیچے جھکادیا ہے۔

یہ رسولؐ کی صحیح حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے: حسنؑ و حسینؑ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں یہ آپؑ کی فضائل میں سے ہے۔

ابی محمد الحَسَنِ بْنِ عَلِیّ السَّیِدِ الرِّضا السِّبطِ الزَّکی

ابو محمد آپؑ کی کنیت ہے، آپؑ کے کئی بچے تھے، سب سے بڑے کا نام حسن مثنیٰ تھا دوسرے کا نام زید بن حسن تھا۔ حسن مثنیٰ کی شادی فاطمہ بنت الحسینؑ سے ہوئی تھی۔ پہلے آپؑ کا نام حرب تھا لیکن بعد میں رسولؐ نے حسنؑ نام رکھدیا تھا جیساکہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ منجملہ آپؑ کے القاب کے ایک سیّد اور دوسرا لقب رضا ہے۔ کیونکہ آپؑ نہایت کمال ورضا کے پیکر تھے سبط

---

[1] اس حدیث کے طرق کے لئے ملاحظہ فرمائیں تاریخ دمشق ترجمۃ الامام الحسن التحقیق: محمد باقر محمودی ص ۱۲۵، و ۱۳۲ بعض روایتوں میں فقط فئتین عظیمتین بیان ہوا ہے اسی کتاب کے ص ۱۳۱ حاشیہ پر۔ ترمذی سے منقول ہے۔

بھی آپؑ کا لقب ہے کیونکہ آپؑ رسولؐ کے بیٹے ہیں، نہایت ہی پاکیزگی و طہارت کی بنا پر آپؑ کو زکی کہا جاتا تھا یہ لقب زیادہ مشہور ہے۔

الشهيدِ بالسّمِ النتيع، المدْفُونِ بالْبقيع

آپؑ زہر سے شہید کئے گئے اور بقیع میں دفن ہوئے۔

یہ فقرہ امام حسنؑ کی شہادت کی طرف اشارہ ہے روایت ہے کہ جب آپؑ شام والوں سے صلح کر چکے اور خلافت سے دست بردار ہو کر اپنے اہل و عیال اور امیر المومنین علیؑ کی تمام اولاد کے ساتھ مدینہ لوٹ آئے تو ایک مدت تک وہاں ساکن رہے۔ اس کے بعد آپؑ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس نے آپؑ کو زہر دیدیا[1] جس سے امام حسنؑ بیمار ہو گئے۔ روایت کی گئی ہے کہ مرض موت میں آپؑ فرما رہے تھے۔ مجھے کئی بار زہر دیا گیا لیکن اس دفعہ زہر میرے رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے۔ جب مرض میں شدت پیدا ہو گئی تو آپؑ نے فرمایا: مجھے صحن میں لٹا دو تاکہ وہاں آسمان و زمین کے ملکوت کو دیکھ سکوں۔ اس کے بعد آپؑ دار فانی سے کوچ کر گئے۔

ہجرت[2] کے دوسرے سال رمضان کی پندرھویں کی شب میں، مکہ میں ولادت ۲۸، صفر کو مدینہ میں شہادت پائی۔ شہادت کے وقت آپؑ کی عمر ۴۷ سال اور چند ماہ تھی۔ بقیع میں آپؑ کو دفن کیا گیا۔ بقیع میں ایک قبہ بنا ہوا ہے جو آپؑ اور عباس بن عبد المطلب کی طرف منسوب ہے۔ اَللّٰھم و صَلِّ علی سیّدنا محمّد و آلِہٖ سیّما الامام المجتبی الحسن الرّضا و سَلِّم تسلیماً

---

[1] مولف نے اصلی ظالم و قاتل معاویہ کا نام نہیں لکھا ہے کہ جس نے ریحانۂ رسولؐ کو شہید کیا ہے اگر چہ دوسری جگہ معاویہ کو کافر قرار دیا ہے۔

[2] غلطی ہے کہ آپؑ کی ولادت ہجرت کے تیسرے سال ہوئی تھی۔

امام حسین علیہ السلام

اللهم صَلِّ و سَلِّم علی الإمامِ الثالِث الشَّہید

اے اللہ تیسرے امامؑ پر، کہ جن کا لقب شہید ہے وہ مقتول جو معرکہ کفار میں شہید ہوئے، رحمت و سلامتی نازل فرما۔

یہاں سے امیرالمومنین حسینؑ پر صلوات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ آپؑ تیسرے امامؑ ہیں، ہجرت کے چوتھے سال ولادت پائی۔ امیرالمومنین حسنؑ کے بعد منصب امامت پر فائز ہوئے، شہید آپؑ کا لقب ہے کیونکہ شہادت کے درجہ پر فائز ہیں۔

الهُمامِ السَّعیدِ القَوِیُّ السَّیدِ الرَّضِیُّ السَّدید

حسینؑ وہ سعید سردار ہیں، جن کی طرف لوگ حاجات و مقاصد کے وقت رجوع کرتے ہیں اور آپؑ سے مدد مانگتے ہیں، آپؑ دنیا و آخرت میں سید ہیں، دنیا میں منصب امامت پر فائز ہوئے، دین کی حمایت کی، شہادت کی فضیلت حاصل ہوئی اور آخرت میں جوانانِ جنت کے سردار ہیں، آپؑ دین میں قوی اور راہِ حق میں محکم ہیں۔

روایت ہے کہ جب امام حسنؑ نے شام والوں سے صلح کا ارادہ کیا تو امام حسنؑ نے کسی کو آپؑ کے پاس بھیجا کر بلا کے لاؤ۔ امام حسینؑ نے فرمایا: میں ہرگز ظالم سے صلح نہ کروں گا اور نہ اس کی بیعت کروں گا۔ اس کے بعد فرمایا: اگر میرے بھائی استرہ سے میری ناک بھی کاٹیں تو بھی

منظور ہے لیکن معاویہ کی بیعت منظور نہیں ہے۔ پھر امام حسنؑ نے کسی کو بھیجا اور آنے پر اصرار کیا تو آپؑ تشریف لائے۔ امام حسنؑ نے فرمایا: کیا بابا نے وصیت نہیں کی تھی میری طاعت سے باہر نہ ہونا؟ عرض کی ہاں! فرمایا: ہم صلح کرنے کے لئے کہتے ہیں تاکہ مسلمانوں کا خون نہ بہے چنانچہ امام حسینؑ بھائی کی طاعت میں صلح پر راضی ہوگئے۔ اور صلح ہوگئی اور یہ دین میں آپؑ کی انتہائی درجہ کی صلابت وثابت قدمی اور استقامت تھی[1] امام حسینؑ رضی ہیں، سچے ہیں، اور خدا کے فیصلہ پر راضی برضا ہیں۔

الوَلِيّ الْحَمِيدِ السَّخِيّ الْمَجِيدِ الْوَصِيّ الْحَدِيد

امام حسینؑ ولی ہیں، یعنی اس صفت سے متصف ہیں جس سے تمام آئمہ متصف ہوتے ہیں، اخلاقِ حمیدہ کے پیکر اور ستودہ ہیں، کریم وسخی ہیں، سخاوت وکرم میں عظیم ہیں۔ روایت ہے کہ آپؑ بنی ہاشم کے مشہور سخاوت کرنے والوں میں سے ایک ہیں آپؑ کی سخاوت سے متعلق بہت سے واقعات ہیں۔

امام حسینؑ وصی ہیں۔

ہر امام اپنے پیش رو امام کا وصی ہوتا ہے۔ امیرالمومنین حضرت علیؑ نے رسولؐ کی وصیت کے مطابق دونوں بھائیوں ـ حسنؑ وحسینؑ ـ کو امامت عطا کی تھی، رسولؐ دین کے معاملہ میں محکم اور بے باک تھے چنانچہ بے باکی واستحکام آپؑ کی صفت ہے، حدیث میں وارد ہوا ہے خیارُ امتی احدھا: میری امت میں سے بہترین وہ شخص ہے جو بے لوچ اور محکم ہوتا ہے اور دشمنانِ

---

[1] بھائی کی مخالفت والا واقعہ بھی اموی مورخین نے گڑھا ہے۔ کیوں کہ واقعہ کے برخلاف بہت سے موقعوں پر یہ بھی نقل ہوا ہے کہ امام حسینؑ نے ان لوگوں کی مخالفت کی جو آپؑ کو بھائی کی سیاست کی مخالفت کرنے پر اکسانا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیں تاریخ خلفاء ص ۲۰۷، ۲۰۸۔ البتہ مولفِ کتاب نے اس کے لئے بہتر جگہ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

دین کو تہ تیغ کرتا ہے۔

رَیْحانَۃِ رَسُولِ اللّٰہِ صاحِبِ الْوَعدِ و الوَعید

امام حسینؑ ریحانۂ رسولؐ ہیں۔

یہ جملہ رسولؐ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ حسنؑ و حسینؑ میرے ریحانہ ہیں۔ عرب ریحانہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کی راحت و انس کا باعث و سبب ہوتا ہے اور ثواب کا وعدہ اور عقاب سے ڈرانے والے رسولؐ کے لئے امام حسینؑ ایسے ہی تھے دنیا میں آنحضرتؐ کو آپؑ سے انس و محبت تھی۔ اسامہ ابن زید کہتے ہیں ایک رات مجھے ایک چیز کی حاجت پیش آگئی۔ میں رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ گھر سے باہر تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ آپؐ پشت پر شال کے اندر کوئی چیز اٹھائے ہوئے ہیں۔ آپؐ پشت مبارک مبارک پر حسنؑ و حسینؑ کو سوار کئے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے، یہ میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں، لہذا تو بھی انھیں دوست رکھ اور اس شخص کو دوست رکھ جو کہ انھیں دوست رکھتا ہے[1]۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ لوگوں نے پیغمبر اکرمؐ سے معلوم کیا کہ اہلِ بیت میں سے آپؐ کے نزدیک کون زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: حسنؑ و حسینؑ، حضرت فاطمہؑ فرماتی تھیں کہ میرے دونوں بیٹوں کو طلب کیا دونوں کو سینہ سے لگایا اور سونگھا۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ دونوں سید اور ریحانۂ رسولؐ تھے۔

حَبیبِ حَبیبِ اللّٰہِ و الْمُتَّصِلِ بِہٖ بِفَضْلِہِ الْعَتید

امام حسینؑ حبیب خدا (رسولؐ) کے حبیب ہیں اور دو واسطوں سے آپؐ فضل و

---

[1] اسامہ کی حدیث کو بغیر مقدمات کے تاریخ دمشق میں، ابن عساکر نے ترجمۃ الامام الحسن میں نقل کیا ہے۔ تحقیق محمد باقر محمودی ص ۳۳ و ۳۶۔

کرامت سے متصل ہیں۔

یہ رسولؐ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے ارشاد ہے حُسَینٌ منّی و أنا مِنْ حسین أحَبَّ اللهُ مَنْ أحَبَّ حُسِیناً. حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں، حسینؑ کو دوست رکھنے والے کو خدا دوست رکھتا ہے۔ یہ تمام چیزیں اس بات پہ دلالت کر رہی ہیں کہ رسولؐ حسینؑ سے بے پناہ محبت رکھتے تھے۔

سَیِّدِ شَبابِ اَهْلِ الجنَّةِ فِی الجنّة یَومَ المزید

روز جمعہ جنت میں امام حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں۔

اس روز خداوند عالم اہل بہشت کو مزید فضل وکرم سے شرف فرمائے گا۔ یہ بھی مذکورہ حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

اَلْمُشْهِرِ سَیْفِ الحَمیَةِ فی الدّینَ عَلی کل جبّارٍ عَنید

امام حسینؑ دین کی حمایت میں ہر حق سے عناد رکھنے والے پر شمشیر کھینچنے والے ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ خلافت یزید "علیہ اللعنۃ والعذاب" سے راضی نہیں ہوئے اور دین کی حفاظت کی خاطر شمشیرِ حمیت کھینچ کر اس کا مقابلہ کیا اور جہاد ودفاع کیا۔

روایت ہے کہ جب شام میں معاویہ اپنے کیفر کردار پہونچ گیا، معاویہ اپنی زندگی ہی میں اکثر لوگوں سے یزیدؔ کے لئے بیعت لے چکا تھا گذشتہ خلفاء کے بعض بیٹوں نے اس کی بیعت نہیں کی تھی اور یہ بیعت نہ کرنے والے، معاویہ کی موت کے وقت مدینہ میں تھے۔ امام حسینؑ اور عبداللہ بن زبیر نے بیعت نہیں کی تھی یہ دونوں مدینہ میں تھے۔ یزیدؔ ملعون نے حاکم مدینہ کو خط لکھا۔ معاویہ کا انتقال ہوگیا ہے، معاویہ کے مرنے کی خبر عام ہونے سے پہلے ہی تم حسینؑ ابن علیؑ اور عبداللہ بن زبیر کو بلاکر انھیں مال کا لالچ دلاکر بیعت لے لو۔ اگر بیعت کر لیتے ہیں تو وہ جو مطالبہ کریں اسے پورا کردو اگر قبول نہ کریں تو فتنہ کھڑا ہونے سے پہلے ہی انھیں قتل کردو۔ مدینہ کا حاکم ولید بن عتبہ تھا جب اسے یزیدؔ کا خط ملا تو اس نے ایک آدمی بھیجکر دونوں کو بلوایا

ظہر کا وقت تھا دونوں ہی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ قاصد نے پاس آکر کہا: آپ دونوں کو امیر نے طلب کیا ہے! انھوں نے کہا: نماز سے فارغ ہونے کے بعد آئیں گے۔ امام حسینؑ نے عبداللہ بن زبیر سے فرمایا: جانتے ہو ہمیں کیوں بلایا ہے؟ اس نے کہا: میں نہیں جانتا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: شام میں طاغی و سرکش مرگیا ہے اور ہمیں یزید پلید کی بیعت کے لیے بلایا ہے۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا میں تو نہیں جاؤں گا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: میں جاؤں گا لیکن اس طرح جاؤں گا کہ جس سے وہ مجھے کوئی نقصان نہ پہونچا سکے۔

آپؑ نماز ظہر بجالائے، واپس گھر تشریف لائے تمام اہل بیتؑ، اور اپنے چچا کے بیٹوں جعفر و عقیل کی اولاد اور غلاموں کو مسلح کیا اور اپنے ہمراہ لے کر ولید کے محل کے پاس پہونچے تو آپؑ نے بھائیوں سے فرمایا: تم کہیں ایسی جگہ بیٹھ جاؤ جہاں میری آواز سن سکو۔ جب ولید کے پاس تشریف لے گئے تو ولید نے آپؑ کو معاویہ کے مرنے کی خبر دی اور یزید لعنؑ کا دھمکی آمیز خط دکھا کر بیعت کا مطالبہ کیا: آپؑ نے فرمایا: مجھ سے خفیہ طور پر بیعت نہیں لی جاسکتی۔ تم مسجد میں آؤ اور خطبہ دو، لوگوں کو معاویہ کے مرنے کی خبر سناؤ اور پھر بیعت کا مطالبہ کرو تاکہ مسجد میں سب کے سامنے بیعت کر دوں۔ یہ فرمایا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت مروان بھی وہاں موجود تھا اس نے کہا: امیر انھیں قتل کر دو، باہر نکل گئے تو پھر بیعت نہیں کریں گے آپؑ مروان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: زرقاء کے بیٹے نہ تو مجھے قتل کرسکتا ہے نہ یہ، نہ یزیدؑ! ولید نے کہا: اے مروان تو مجھے فرزند رسولؐ کو قتل کرنے کے لئے کہتا ہے۔ صرف اس لئے کہ وہ ایک فاسق و فاجر کی بیعت نہیں کر رہے ہیں۔ امام حسینؑ باہر نکل آئے۔ تو عبداللہ بن زبیر نے اپنے بھائی کو ولید کے پاس بھیجا اور کہلوایا تم نے پے درپے قاصد بھیجکر مجھے خوف زدہ کر دیا ہے، میں کل حاضر ہونگا۔ اس شب میں امام حسینؑ اپنے اہل بیت و موالی اور مدینہ کے دوسرے لوگوں کے ہمراہ اور عبداللہ بن زبیر اپنے متعلقین کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوکر مکہ کی سمت چلے۔

مدینہ سے نکلتے وقت امام حسینؑ کی زبان پر یہ آیت تھی: فَخَرَجَ مِنها خائِفاً یَتَرَقَّبُ قالَ

رَبِّ نَجِّنِی مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔[1] امام حسینؑ اور عبداللہ بن زبیر مکہ پہونچ گئے۔ جہاں سے عبداللہ بن عباس پہلے سے موجود تھے۔ وہ امام حسینؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور عرض کی: مصلحت اس میں ہے کہ آپؑ مکہ میں ساکن ہو جائیں کہ یہاں اہلِ حجاز آپؑ کی موافقت کریں گے اور یزید لعنۃ لشکر بھیجے گا تو اہل حجاز اور قبائلِ ولائے آپؑ کی مدد و دفاع کریں گے۔ امام حسینؑ نے فرمایا: میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ اس حرم کی حرمت ایک مینڈھے کی وجہ سے مخدوش ہو گی۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے حرمت کعبہ برباد ہو۔ اور اگر میں یہاں ساکن ہو جاؤں گا تو یزید لعنۃ لشکر بھیجے گا اور حرم کی حرمت برباد ہو جائے گی۔ عبداللہ بن عباس نے کہا: تو کوفیوں پر اعتماد نہ کیجئے۔ اسی اثنا میں امرائے عرب میں سے شیعیان علی صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے بہت سے خط آپؑ کی خدمت میں ارسال کئے اور آپؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی اور گزارش کی کہ اہل بیتؑ میں سے کسی کو کوفہ بھیج دیجئے تاکہ وہ کوفہ والوں سے بیعت لے سکے۔ امام حسینؑ نے مسلم بن عقیل کو روانہ کر دیا بعد میں خود بھی عازم کوفہ ہوئے غیرت غلاف سے شمشیر حمیت کو کھینچ لیا اور یزید پلید کی خلافت سے راضی نہ ہوئے۔

اَلْعَازِمِ بِقُوَّةِ الْغَیْرَةِ عَلٰی قَمْعِ کَافِرٍ مَرِیْدٍ

امامت سے سرکشی کرنے والے ہر کافر کا قلع قمع کرنے کے لئے آپؑ قوتِ غیرت کے ساتھ عازم ہیں۔

یہ یزید پلید کی طرف اشارہ ہے جو کہ ناحق منصبِ خلافت پر متمکن ہوا اور امام حسینؑ کے قتل کا قصد کر کے دین سے خارج ہو گیا۔ نعوذ باللہ من ہذا۔

مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجنے کے بعد آپؑ نے بھی کوفہ جانے کا عزم بالجزم کر لیا۔ مسلم نے آپؑ کے پاس ان کوفیوں کے خط بھیج دیئے جنھوں نے بیعت کی تھی دوسری طرف کوفیوں

---

[1] قصص ۲۱۔

نے بہت زیادہ اصرار کیا کہ شامیوں کے آنے سے پہلے آپؑ تشریف لائیں۔ امام حسینؑ عجلت میں روانہ ہوئے آپؑ کے پہونچنے سے پہلے یزید پلید علیہ وعلیٰ محبیہ لعنۃ اللہ، نے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ بھیجدیا تاکہ حالات پر قابو پائے جب عبیداللہ بن زیاد کوفہ کے نزدیک پہونچا تو اس نے امام حسینؑ کا بھیس بھرا، سفید لباس پہنا، زرہ ڈالی اونٹ پر سوار ہوا اور حجاز کے راستہ سے کوفہ میں داخل ہوا، کوفہ والوں نے یہ تصور کیا کہ امام حسینؑ آرہے ہیں لہذا وہ استقبال کے لئے باہر نکل پڑے۔ ابن زیاد نے اپنے منحوس ونجس چہرہ پر نقاب ڈال رکھی تھی، جس قبیلہ کے پاس گزرتا سلام کرتا تھا اور وہ۔ وعلیک السلام یا ابن رسول اللہ، کہکر جواب دیتے اور ہمراہ ہو لیتے تھے۔ اس خیال سے کہ امام حسینؑ ہیں۔ جب دارالامارہ کے دروازہ پر پہونچا تو امیر کوفہ نے قصر کا دروازہ نہ کھولا اور چھت کے اوپر سے کہا۔ فرزند رسولؐ آج دوسری جگہ قیام کر لیجئے، تاکہ کل تک ہم قصر خالی کر دیں۔ لوگ دروازہ کھلوانے کے لئے اصرار کر رہے تھے۔ اور اندر والے کھول نہیں رہے تھے عبیداللہ بن زیاد نے چہرہ سے پردہ ہٹایا اور کہا: تجھ پر لعنت ہو دروازہ کھول دے۔ عبیداللہ کو لوگوں نے پہچان لیا دروازہ کھولدیا اور ساتھ آنے والے خوف زدہ ہو کر منتشر ہو گئے۔

صبح کے وقت اس نے لوگوں کو جمع کیا اور سختی کے ساتھ کہا: مسلم بن عقیلؑ کو میرے حوالے کر دو۔ مسلم کو گرفتار اور شہید کرنے کے لئے بہت حیلے کئے گئے۔ ان واقعات کی خبر امام حسینؑ کو راستہ میں ملی چونکہ چل چکے تھے لہذا لوٹ جانا ممکن نہ تھا اور پھر غیرت دین اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھی کہ بغیر دشمن سے جنگ نہ کی جائے۔ راستہ میں فرزدق سے شاعر سے ملاقات ہوئی اس سے اہل کوفہ کے حالات دریافت کئے تو اس نے کہا: فرزند رسولؐ کوفیوں کے دل تو آپؑ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں آپؑ الٰہی عبودیت

لہ یہ چند سطور خ میں ثبت نہیں ہو سکی ہیں۔

کے فرائض پر مامور تھے لہذا راہ خدا میں جان دیدی۔

القائِمِ فی مَقاماتِ الْعُبُودِیَّةِ بِوَظائِفِ التَّقْدِیسِ و التَّحْمید

آپ تقدیس وتحمید کے فرائض انجام دینے میں عبودیت کے مقامات پر قائم ہیں۔

یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ یہ جانتے تھے کہ کوفی وفا نہیں کریں گے اور جان وعزت کا خطرہ ہے لیکن چونکہ عبودیت خدا کا فریضہ تھا کہ اس فاسق کی خلافت کو قبول نہ کریں اور ظالم کو خدا کے بندوں پر ظلم کرنے اور ان کا حاکم و والی بننے کا موقع نہ دیں لہذا آپؑ عبودیت کے مقام پر قائم ہوئے۔ خدا کی تقدیس وتحمید کے فرائض کے ساتھ قیام کیا۔ اور اس خطرناک راہ میں دشمن سے خوفزدہ نہ ہو۔

اَلْمُجْتَهِدِ فی أداءِ شُکْرِ الْمُنْعِمِ بِمواهِبِ الثَّناءِ و التَّحْمید

امام حسینؑ نعمت عطا کرنے والے خدا کی حمد وثنا کی عطا پر شکر کی ادائیگی میں کوشش کرنے والے ہیں۔

یہ اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ امام حسینؑ اس سفر میں ہر وقت عبادات، طاعات اور خدا کی حمد وثنا میں مشغول تھے اور شکر نعمت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔

اَلْواصِلِ بِقَطْعِ مَنازِلِ الْقُرْبِ اِلی ذَروَةِ سَنامِ التَّوْحیدِ

امام حسینؑ قرب خدا کی منزلوں کو طے کرکے توحید کی بلندی پر پہونچنے والے ہیں۔

یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام حسینؑ نے رضائے خدا کی خاطر اپنی عزیز جان فدا کی منزلیں طے کیں اور توحید کی بلندی پر پہونچ گئے ہیں۔ کیونکہ توحید خدا کا کمال یہ ہے کہ موحد اپنے کو حق تعالیٰ پر قربان کردے اور تمام منزلوں سے گزر جائے۔ روایت ہے کہ کوفہ کی راہ میں رات کو آپؑ حضرت یحییٰؑ کا قصہ بیان کرتے تھے یہاں تک شب عاشور کو فرمایا: ‹‹سُبْحانَ اللهِ! مِنْ هَوانِ الدُّنْیا عَلَی اللهِ أنَّ رَأسَ یَحْیی بْنِ زَکَریّا

بُعِثَ اِلٰی بَغِیٍّ مِنْ بَغَایَا بَنِی اِسْرَائِیل» یعنی خدا کے نزدیک دنیا کی ذلت سے کہیں آسان تھا کہ یحییٰ بن زکریا کے سر کو بنی اسرائیل کے قحبہ خانہ میں پہونچایا جائے یعنی دنیا خدا کے نزدیک اتنی ہی ذلیل ہے کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزیز حضرت یحییٰ کے سر کو دنیا والوں نے ایک فاحشہ کے پاس بھیجا۔

اس سے اپنے اہل بیت کو تسلی دی کہ اگر آپؑ کا سر اقدس یزیدؑ کے پاس بھیجا جائے تو مطمئن رہنا۔ کیونکہ خدا کے نزدیک دنیا اتنی ذلیل ہے کہ دنیا والوں نے یحییٰ پیغمبر کا سر ایک فاحشہ کے پاس، اور بہترین خلائق حسینؑ بن علیؑ کا سر اقدس یزید پلید کے سامنے بھیجا تھا۔ یہ جملہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ امام حسینؑ نے قرب کی منازل طے کر لی تھیں اور آپؑ کی نظروں میں دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی کیونکہ آپؑ توحید کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے

اَبِی عَبْدِ اللّٰہِ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیِّ الشَّھِیْدِ السَّیِّدِ السِّبط الزَّکیِّ

ابو عبداللہ آپؑ کی کنیت ہے۔ علی اکبرؑ علی اصغرؑ، اور امام زین العابدینؑ آپؑ کے بیٹے ہیں۔

امام زین العابدینؑ ہی سے آپؑ کی نسل چلی ہے۔ حضرت فاطمہ اور سکینہ آپؑ کی بیٹیاں ہیں، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے شہید آپؑ کا لقب ہے۔ سید آپؑ کا دوسرا لقب ہے کیونکہ پیغمبرؐ نے آپؑ کو سید قرار دیا ہے۔ سبط بھی آپؑ کا لقب ہے۔ رسولؐ نے فرمایا ہے کہ حسینؑ اسباط میں سبط ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ حسینؑ رسولؐ کے سبط ہیں کیونکہ نواسے کو سبط کہتے ہیں اور اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ امام حسینؑ بنی اسرائیل کے اسباط کی مانند، جو کہ ائمہ کی اولاد تھے، ایک سبط ہیں۔ اسی طرح انبیاء کے بھی اسباط ہوتے تھے۔ زکی بھی آپؑ کا لقب ہے زکی یعنی پاکیزہ کیونکہ امام حسین حسب و نسب کے لحاظ سے اور تمام عیوب و ننگ و عار سے پاک و پاکیزہ ہیں آپؑ کی فطرت کی طہارت نقطۂ کمال پر پہونچی ہوئی ہے۔

اَلْمَقْتُوْلِ بَیْنَ الْکَرْبِ وَ الْبَلَاءِ، اَلْمَدْفُوْنِ بِالطَّفِّ مِنَ الْکَرْبَلَاء

آپؑ شدت و بلا کے درمیان قتل کئے گئے ہیں اور صحرائے کربلا میں دفن کئے گئے ہیں۔ یہ فقرہ کربلا میں آپؑ کی شہادت اور تدفین کی طرف اشارہ ہے۔

روایت ہے کہ امام حسینؑ اہل بیتؑ اور کچھ لوگوں کے ساتھ نزدیک کوفہ پہونچے تو عبید اللہ بن زیاد نے عمر بن سعد کی سرکردگی میں آپؑ سے جنگ کے لئے بیس ہزار کا لشکر بھیجا۔ عمر بن سعد فوجی دستوں کے ساتھ کوفہ سے نکلا۔ حُر بن قیس ریاحی کی سرکردگی میں ہزار سواروں پر مشتمل ہراول دستہ بھیجا۔ جب حُر اپنے لشکر سمیت امام حسینؑ کے پاس پہونچا تو امامؑ نے دریافت کیا تم کون ہو؟ کہا: میں حُر بن قیس ہوں مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں فوجوں کی آمد تک آپؑ کا ساتھ نہ چھوڑوں۔ امامؑ نے فرمایا: اہل کوفہ نے میری بیعت کی ہے اور مجھے بلایا ہے۔ میں ان کی دعوت پر آیا ہوں اب اگر وہ نہیں چاہتے ہیں تو واپس چلا جاتا ہوں حُر نے کہا: اے فرزند رسولؐ اللہ کوفی عبید اللہ کے ہمنوا بن گئے اور یزید کی بیعت کرلی ہے اور آپؑ کے قتل کے درپے ہیں آپؑ اس راہ پر گامزن نہ رہیے کوئی دوسرا راستہ اختیار کیجیے[1]۔ واپس لوٹ جائیے میں ان سے یہ کہدوں گا کہ وہ میرے ہاتھ نہیں آئے۔ امام حسینؑ نے قبول کیا بازگشت کا قصد کیا اور اس رات کو سفر و سیر میں گزارا صبح ہوتے ہی کربلا میں اترے۔ دریافت کیا اس جگہ کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے بتایا۔ اسے کربلا کہتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا یہ کرب و بلا ہے یعنی یہاں مصیبت و بلا ہے۔ جب آپؑ نے قافلہ روکنے کا حکم دیا تو دیکھا کہ برابر میں حُر کے لشکر نے بھی پڑاؤ ڈالدیا ہے۔ حُر سے فرمایا: تم واپس نہیں گئے؟ حُر نے کہا لشکر نے میری اطاعت نہیں کی ہے۔ دوسرے روز مزید فوجیں آگئیں اور عمر سعد بیس ہزار کے لشکر کے ساتھ پہونچا اور آپؑ پر فرات کا پانی بند کردیا۔ لعنة الله «علی قاتل الحسین و کل من شمت بقتله»[1] اور آپؑ کو شہید کردیا۔

[1] جہاں تک ہماری معلومات کا سوال ہے تو حُر سے اس طرح کی گفتگو نہیں ہوئی تھی بلکہ امام حسینؑ اور حُر نے اس بات پر اتفاق کرلیا تھا کہ جب تک کوئی فیصلہ ہو اس وقت تک نہ آپؑ کوفہ جا سکتے ہیں اور نہ مکہ لوٹ سکتے ہیں۔

اس حقیر۔ مولف ۔میں ان حکایات کی تفصیل لکھنے کی طاقت نہیں ہے، کیونکہ میرے جوڑ و بند میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے اور آپؑ کے مصائب اس طرح میرے دل پر اثر انداز ہوتے ہیں کہ جس سے میرے ہوش و حواس اور عقل و دانائی کام نہیں کرتے ہیں، پھر ان کی تکرار میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کہ اس سے خوارج اور دشمنان خوش ہونگے اور ان ملعونوں کی فتحیابی کا بیان ہوگا۔

ہاں آپؑ پر اور آپؑ کے اہل بیت پر اور رسولؐ خدا پر پڑنے والے مصائب کی خاصیت یہ ہے کہ اگر مومن ان مصائب کو اس وقت یاد کرے جب اس پر کوئی مصیبت پڑے یا ذلت و رسوائی کا سامنا ہو تو اس کے مصائب و شدائد آسان ہو جائیں گے کیونکہ جب بھی دین کے ان بزرگواروں اور پیشواؤں پر مصائب پڑتے ہیں تو تمام مومنین پر مصائب آسان ہو جاتے ہیں اور مصیبت و ذلت اور عیب کی شدت میں کوئی عار نہیں رہتا ہے۔

آپؑ کی ولادت بروز سہ شنبہ اور ایک روایت کے مطابق بروز پنجشنبہ تین شعبان سنہ ۴ھ میں ہوئی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپؑ نے بروز جمعرات ولادت پائی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ہجرت کے تیسرے سال ماہ ربیع الاول میں ولادت پائی ہے۔ اور روز عاشورہ کہ روز شنبہ تھا آپؑ کی عمر شریف ستاؤن سال پانچ ماہ تھی، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دوشنبہ کے روز عاشورہ تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ امیر المومنین علیؑ کے بیٹے اور عقیل و جعفر کے بعض بیٹے سنہ ۶۱ھ بروز جمعہ شہید ہوئے ہیں امام زین العابدینؑ طفل تھے[1] بیمار تھے خیمہ میں لیٹے تھے۔ ظالموں نے انھیں قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن بہنوں نے خود کو بھائی پر گرا دیا اور قتل سے بچا لیا۔

---

[1] اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ امام زین العابدینؑ بالغ تھے یا اتنی عمر تھی کہ آپؑ کے فرزند محمد باقرؑ بھی کربلا میں موجود تھے بہر حال یہ کسی نے نہیں کہا ہے کہ امام زین العابدین بچہ تھے تاریخی شواہد دوسرے نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس دن امیر المومنین حسینؑ کو شہید کیا گیا اس دن میں نے مدینہ میں رسولؐ کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ کا سر اقدس و ریش مبارک خاک آلود ہے۔ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ یہ آپؐ کی کیا حالت ہے؟ فرمایا: اس وقت میں مقتل حسینؑ میں موجود تھا۔ روایت ہے کہ جس روز آپؑ کو شہید کیا گیا تھا اس دن آفتاب کو ایسا گہن لگا کہ اس میں روشنی باقی نہیں رہی تھی۔ زہری کہتے ہیں۔ امام حسینؑ کے روز شہادت کی یہ علامت تھی کہ اس روز بیت المقدس میں جو پتھر بھی اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون نکلتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں ایسا عظیم سانحہ نہیں ہوا تھا۔ جس نے آپؑ سے جنگ کا قصد کیا اور جنگ میں شریک ہوا اور اس سے راضی تھا خدا اس پر اپنے علم کے برابر لعنت کرے۔ اسی طرح ان لوگوں پر بھی تا قیامت خدا کی لعنت ہو جنھوں نے آپؑ کے والد اور بھائی مقدار بھائی اور والدہ۔ علیہم الصلوات والسلام۔ پر ظلم کیا اور انھیں تکلیفیں پہونچائیں۔

روایت ہے کہ اس جنگ میں شریک ہونے والے بیس ہزار فوجیوں میں سے ہر ایک بدترین طریقہ سے ہلاک ہوا ہے چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ بعد اہل بیتؑ کے محب مختار ابن عبیدہ ثقفی نے کوفہ میں خروج کیا اور ابراہیم بن مالک اشتر کو عبید اللہ بن زیاد سے جنگ کرنے کے لیے روانہ کیا ابراہیم نے اسے تہ تیغ کر کے واصل جہنم کیا۔ صحیح طریقوں سے نقل کیا گیا ہے کہ عبید اللہ بن زیاد کا سر دوسرے فوجیوں کے سروں کے ساتھ کوفہ لایا گیا اور مسجد کی دہلیز پر ڈالدیا گیا تو نہایت ہی بھیانک سانپ آیا اور ان سروں میں گھس گیا اور کچھ ڈھونڈنے لگا یہاں تک عبید اللہ بن زیاد کے سر پر پہونچا اور اس کی ناک کے سوراخ سے اندر داخل ہوا اور کان کے سوراخ سے باہر نکل آیا اور غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ پھر آگیا، لوگوں میں شور بلند ہوا، آگیا آگیا، اس مرتبہ کان کے سوراخ سے داخل ہوا اور ناک کے سوراخ سے باہر نکلا اور کئی مرتبہ ایسا ہی کیا!

مختار بن ابی عبیدہ ثقفی ان لوگوں کو تلاش کرتے تھے جو قتل امام حسینؑ میں شریک ہوئے تھے اور انھیں عبرت ناک طریقے قتل کرتے تھے اور جو ان سے بچ کر بھاگ نکلتا تھا وہ بری موت مرتا تھا۔ بعض محدثین نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ کوفہ میں اجتماع تھا جو لوگ حاضر تھے وہ ان لوگوں کا واقعہ بیان کر رہے تھے جو قتل حسینؑ میں شریک ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا: جو شخص بھی قتل امام حسینؑ میں شریک ہوا وہ دنیا سے نہیں گیا مگر سخت عذاب میں ہلاک ہوا۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا میں بھی شریک ہوا تھا لیکن مجھے تو کچھ بھی نہیں ہوا ہے اتفاقاً وہ ایسی جگہ بیٹھا تھا کہ اس کے سر کے اوپر چراغ جل رہا تھا چنانچہ اسی وقت چراغ سے ایک شعلہ اس ملعون کے اوپر گرا جس سے لباس میں آگ لگ گئی ہر چند لوگوں نے پانی ڈال کر آگ بجھانا چاہی لیکن آگ بجھنے کی بجائے اور بھڑک گئی گویا کہ پانی جلتی پر تیل کا کام کر رہا تھا۔ وہ شخص نہر فرات میں جا گرا لیکن شعلے خاموش نہ ہوئے یہاں تک اسے جلا کر ابدی آگ میں پہونچا دیا۔

روایت کی گئی ہے کہ سلیمان بن صرد امرائے کوفہ میں سے تھے انھوں نے بھی امام حسینؑ کو خط لکھا تھا اور آپؑ کی بیعت کی تھی اور آپؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی لیکن امام حسینؑ کوفہ کی طرف تشریف لائے تو انھوں نے مدد نہ کی۔ جب امام حسینؑ شہید ہوگئے اور اہل بیتؑ پر مصائب پڑے تو سلیمان نادم ہوئے اور راتوں کو اپنے گھر میں روتے تھے کوفہ کے کچھ لوگ بھی نصرت حسینؑ نہ کرنے پر پشیمان ہوئے۔ چنانچہ وہ رات میں سلیمان کے گھر میں جمع ہوتے اور امام حسینؑ کے بدن مبارک پر گزرنے والے اور اہل بیتؑ پر پڑنے والے مصائب کا ذکر کر کے بہت گریہ کرتے تھے یہاں تک کہ بیس ہزار آدمی جمع ہوگئے اور امام حسینؑ کی نصرت نہ کرنے والے جرم سے توبہ کی۔ سلیمان بن صرد نے کہا: ہماری توبہ یہ ہے کہ ہم متفقہ طور پر اٹھ کھڑے ہوں اور اہل شام سے جنگ کریں اور ان سے خون حسینؑ کا انتقام لیں۔ اس بات پر سب نے اتفاق کیا اور سلیمان کی بیعت کی، ان ہی کو توابین کہا

جاتا تھا: تلوار و سنان اٹھائیں کوفے نکلے

پہلے یہ لوگ امام حسینؑ کی زیارت کے لئے گئے جب صحرائے کربلا چند فرسخ رہ گیا تو سر برہنہ ہوگئے اور آہ و فریاد کے نعرہ بلند کئے، لباس چاک کئے اور واحسیناہ واحسیناہ کا نوحہ پڑھتے ہوئے آگے بڑھے جب امام حسینؑ کی قبر مبارک پر پہونچے تو کہا، اے فرزند رسولؐ! اے بہترین خلائق اے وصی علی مرتضیٰؑ شہید غریب، اے حزین، اے تشنہ لب آب فرات، اے خاک وخون میں آغشتہ۔ ہم نے آپؑ کی زندگی میں آپؑ کی نصرت نہ کی، آپؑ کی بیعت توڑی اور آپؑ کو دشمنوں کے ہاتھوں پر چھوڑ دیا اور آپؑ کی نصرت کا علم بلند نہ کیا۔ اب ہم اس عظیم گناہ پر پشیمان ہیں۔ امید ہے کہ اپنے جد سے ہماری شفاعت فرمائیں گے۔ اور ہماری خطاسے در گزر فرمائیں گے۔ رات دن گریہ کرتے رہے، سیل اشک جاری ہوگیا، اس کے بعد اعلان جنگ کر دیا اور شام کی طرف روانہ ہوگئے۔ اہل شام ملعون سے بھی ان سے جنگ کے لئے آگئے چنانچہ توابین نے بہت سے کافروں کو جہنم واصل کیا۔ ان میں سے کچھ واپس لوٹ گئے۔

آپؑ کے بعد جو عجیب وغریب چیزیں اور کرامات ظاہر ہوئی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں، امیر صحابہ زید بن ارقم اس وقت کوفہ میں ساکن تھے وہ روایت کرتے ہیں کہ جس دن امام حسینؑ کا سر کوفہ لگایا اس روز جمعہ تھا۔ آپؑ کا سر بلند کر رکھا تھا اور کوفہ کے گلی کوچوں میں پھرایا جارہا تھا میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا جب سر ہمارے گھر کے سامنے آیا تو میں نے سر اقدس کو سورۂ کہف کی اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سُنا۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحابَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيمِ كانُوا مِنْ آياتِنا عَجَباً: کیا خدا کی یہ آیات عجیب نہیں ہیں[1]

---

[1] مولف یہ واقعہ اور آیت اپنی کتاب "ہدایۃ التصدیق الی حکایۃ الحریق" میں نقل کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں یادنامہ ایرانی مینورکسی ص ۸۱۔ اس حدیث کا مدرک ابن صباغ مالکی فصول المہمہ میں نقل کیا گیا ہے۔

آپؑ کا مرقد طف میں واقع ہے، طف صحرائے کربلا ہی کا حصہ ہے لیکن جہاں آپؑ کی قبرؑ ہے اسے کربلا ہی کہتے ہیں۔ روایت ہے کہ جب امیرالمومنین حضرت علیؑ جنگ صفین کے بعد شام کی طرف سے واپس لوٹ رہے تھے تو اس وقت صحرائے کربلا سے آپؑ کا گزر ہوا تو آپؑ وہاں کھڑے ہوئے، گریہ کیا اور فرمایا: یہاں میرے اونٹ کے حرکت میں آنے کی جگہ ہے۔ یہ مردوں کے قتل ہونے کا محل ہے اس کے بعد لوگوں نے پوچھا: یا امیرالمومنینؑ یہ کس کی طرف اشارہ ہے؟ فرمایا: آلِ محمدؐ کی یہاں ایک جماعت کو شہید کیا جائے گا[1] ان شہیدوں پر زمین و آسمان والے گریہ کریں گے۔ امام حسینؑ کی کرامات اور معجزات بہت زیادہ ہیں وہاں مادرزاد اندھوں اور مادرزاد شل لوگوں کو بینائی اور صحت نصیب ہوتی ہے۔ یہ چیز متواتر ہے جو عظمت و بزرگی اور نور و نورانیت اس مرقد مطہر سے ظاہر ہے۔ وہ ارباب بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اللهم صلّ و سلّم علی امام الخافقین[2] ابی عبدالله الحسین.

اے اللہ زمین و آسمان کے امام ابوعبداللہ الحسینؑ پر رحمت و سلامتی نازل فرما۔

---

[1] اخبار الطوال دینوری ص ۳۵۳

[2] زمین و آسمان یا شرق و غرب کے امام۔

امام سجاد علیہ السلام

اللّهم صَلِّ و سَلِّم علی الإمام الرّابع

اے اللہ چوتھے امام پر رحمت وسلامتی نازل فرما۔

یہاں سے حضرت امام زین العابدینؑ پر درود اور سلام کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ کیسانیوں کے علاوہ، جو کہ امام حسینؑ کے بعد محمد بن الحنفیہ کو امام مانتے ہیں، سارے شیعوں کا اتفاق ہے کہ امام حسینؑ کے بعد حضرت زین العابدینؑ ہی امام ہیں۔ آپ کی امامت کے اثبات پر بے پناہ دلیلیں موجود ہیں اور اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔

أبي الأئمةِ باذخِ النُّهمة شامِخِ الهمّة

آپؑ ائمہ کے باپ ہیں، کیونکہ آپؑ کے بعد ہونے والے آٹھ امام آپؑ ہی کی اولاد ہیں۔ امام زین العابدینؑ عزم محکم اور بلند ہمت کے حامل ہیں کیونکہ آپؑ نے (ظاہری) خلافت کی قطعی اعتنا نہیں کی بلکہ اپنے عزم و ہمت کو عبادت اور امور آخرت میں صرف کیا۔[1]

---

[1] مؤلف کی اس بات کا سرچشمہ ان کی صوفیانہ فکر ہے کہ وہ کسی حد تک تصوف کی طرف مائل تھے ہم نے اپنی کتاب "حیات امامان شیعہ ج ۱" میں اس موضوع پر بحث کی ہے کہ امام زین العابدینؑ کی سیاسی روش ہی حساس زمانہ میں شیعوں کی بقا کا سبب بنی ہے۔

روایت ہے کہ حضرت امام زین العابدینؑ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اہل بیتؑ کے ہمراہ شام سے مدینہ تشریف لائے اور عبادت کے علاوہ کسی چیز سے سروکار نہ رکھا چنانچہ جب آپؑ مدینہ تشریف لائے اور اہل مدینہ جو کہ امام حسینؑ کے مصائب سے متاثر تھے آپؑ کی خدمت میں آئے اور سب نے متفقہ طور سے کہا یزیدؔ کو تخت خلافت سے اتار دیا جائے اور اس سے خون حسینؑ کا انتقام لیا جائے تو امام زین العابدینؑ نے فرمایا: میں اپنے بابا کے بعد اس کام میں شریک نہیں ہوں گا۔ "میرے علاوہ کسی اور کو تلاش کرو"[1] لوگوں نے انصار کے سربراہ اور وہ عبداللہ بن حنظلہ کی بیعت کرلی اور امام زین العابدینؑ نے کسی سے سروکار نہ رکھا جب یزیدؔ کو معلوم ہوا کہ مدینہ والوں نے خروج کا ارادہ کر لیا ہے لیکن امام زین العابدینؑ اس میں شامل نہیں ہیں تو اس نے آپؑ کا شکریہ ادا کیا۔ یزیدؔ نے مدینہ والوں کی شورش کچلنے کے لئے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں ایک بڑا لشکر روانہ کیا چنانچہ حرہ نامی مقام پر شدید جنگ ہوئی اور اس معرکہ میں بہت سے صحابہ کی اولاد اور تابعین نے شہادت پائی۔ عبداللہ بن حنظلہ بھی شہید ہو گئے۔ مسلم عقبہ فتح پانے کے بعد امام زین العابدینؑ کی خدمت میں پہونچا اور ایک بار پھر یزیدؔ کی طرف سے شکریہ ادا کیا۔ امامؑ نے فرمایا: میں خدا کی عبادت میں مشغول ہوں مجھے کار دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، دنیا تمہیں ہی مبارک ہو۔ مذکورہ جملہ میں آپؑ کی اسی عالی ہمتی کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

کاشِفِ الغُمَّةِ دافِع المُلِمَّةِ المنافِع عِنْدَ الأمور المُهِمَّةِ

امام زین العابدینؑ لوگوں کے اہم امور سے متعلق پوشیدہ امر کو کشف کرنے والے ہیں یہ آپؑ کے علم وکشف کی طرف اشارہ ہے روایت ہے کہ علم تعبیر اور حل مشکلات کا سلسلہ تابعین میں آپؑ پر ختم ہو گیا۔

---

[1] قوسین کے درمیان کی عبارت (غ) میں نہیں آئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعہ حرہ کا امام حسینؑ اور آپؑ کی خونخواہی سے کوئی ربط نہیں تھا اپنے مطالعہ کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ امام زین العابدینؑ سے لوگوں نے ایسی درخواست نہیں کی تھی ہاں یہ مسلّم ہے کہ مذکورہ شورش کا تعلق عبداللہ بن زبیر سے تھا۔

امام زین العابدینؑ لوگوں پر نازل ہونے والی بلاؤں کے دفع کرنے والے ہیں۔ یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ لوگوں کے فقر و ضرر اور شداید کو اپنے جود و کرم اور بخشش سے دفع کرتے تھے۔ روایت ہے کہ وفات کے بعد آپؑ کو غسل دیتے وقت آپؑ کے بدن مبارک پر ایسے زخم دیکھے گئے جیسے کسی سنگین بوجھ اٹھانے والے کے بدن پر آجاتے ہیں۔ اس سے لوگوں کو بہت تعجب ہوا اور سوچنے لگے کہ آپؑ نے کبھی بوجھ نہیں اٹھایا پھر یہ نشان کیسے ہیں؟ کسی کو خبر نہ تھی، آپؑ کی وفات کے چند روز بعد مدینہ کے یتیم اور بیواؤں تک جب کھانے کی اشیا نہ پہونچیں تو ان سے اس بات کا انکشاف ہوا ہمارا روزی رساں دنیا سے اٹھ گیا ہے وہی راتوں کو اپنی پشت پر لاد کر ہمارے لئے کھانا لاتے تھے۔ اور ہمیں یہ معلوم نہیں ہو پاتا تھا کہ یہ کون ہیں؟ اب وہ دنیا سے چلے گئے ہیں اور ہمارے کھانے کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے۔ اس قضیہ کے بعد لوگوں کی سمجھ میں آیا کہ آپؑ کے بدن مبارک پر اس بار برداری کے نشان تھے جو کہ راتوں کو اپنی پشت پر لاد کر یتیموں اور بیواؤں کے گھر لے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کے پاس بھی ضرورت کی چیزیں پہونچاتے تھے جنھوں نے سوال نہیں کیا تھا اور اس بات کا کبھی کسی کے سامنے اظہار نہ کیا، آپ کے انتقال کے بعد اس کا انکشاف ہوا۔

امام زین العابدینؑ لوگوں کے ان امور کو انجام دینے والے ہیں جو غم زدہ کر دیتے ہیں۔ روایت ہے کہ جب مدینہ میں کسی کے سامنے کوئی مشکل آتی تھی تو اس میں آپؑ ہی اس کی مدد فرماتے تھے اور اس کو آفت و بلا سے چھڑاتے تھے۔

اَلْوَاقِفِ فِی مَوَاقِفِ الْعِبَادَۃِ بِاللَّیَالِ الْمُدْلَهِمَّۃِ

امام زین العابدینؑ اندھیری راتوں میں عبادتِ خدا کے موقفوں پر کھڑے ہونے والے ہیں۔

یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ بہت زیادہ عبادت گزار تھے چنانچہ روایت ہے کہ آپؑ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عابد تھے، شب و روز میں ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اس کے بعد آپؑ نے وہ صحیفہ طلب فرمایا جس میں امیر المومنین علی علیہ السلام کی عبادت کا حال مرقوم تھا، اسے ملاحظہ کیا اور

اسے ایک طرف رکھتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں کہا: انی لی بعبادة علیؑ[1] یعنی میں علیؑ جیسی عبادت کہاں سے لاؤں، میں علیؑ جیسی عبادت کیسے کر سکتا ہوں۔

طاؤس یمانی روایت کرتے ہیں کہ آپؑ ایک شب خانہ کعبہ میں تشریف لائے اور کافی دیر تک نماز میں مشغول رہے۔ اس کے بعد سجدہ کیا اور خاک پر رخسار رکھا، آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے، میں نے کان لگا کر سنا تو آپؑ فرما رہے تھے عبیدك بفنائك، مسکینك بفنائك، فقیرك بفنائك، سائلك بفنائك طاؤس فرماتے ہیں کہ میں نے اس دعا کو یاد کر لیا ہے اور جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اس دعا کو پڑھتا ہوں اور خداوند عالم اس کو حل کر دیتا ہے۔[2]

طارحِ الشَّوْكَةِ مَعَ الْمَفاخِرِ الجَمَّةِ

امام زین العابدینؑ دنیا کی شان و شوکت کو ٹھوکر مارنے والے، اس کے باوجود آپؑ کو بے پناہ شرف و افتخارات حاصل تھے۔

مذکورہ فقرہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام زین العابدینؑ نے اپنے نسبی وحسبی افتخارات کی وجہ سے خود نمائی اور شوکت خلافت کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ چنانچہ روایت ہے کہ آپؑ کی پوری عمر میں مدینہ والوں نے متعدد بار خلافت وحکومت کو سنبھالنے کا اصرار کیا لیکن آپؑ نے قطعی التفات نہ کیا۔ ابن شہاب زہری نے روایت کی ہے کہ اس زمانہ کے بادشاہ عبدالملک بن مروان سے بعض مفسدوں نے یہ شکایت کی: اہل عراق امام زین العابدینؑ سے عقیدت رکھتے ہیں، انھوں نے آپؑ کو خطوط لکھے ہیں اور آپؑ خود بھی کوفہ جانے پر تیار ہیں تاکہ وہاں خروج کریں۔ عبدالملک کے دماغ میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دی تو اس نے آپؑ کے پاس پولیس بھیج دی، پولیس آپؑ کو ہتھکڑی لگا کر شام کی طرف لے جانے کے لئے تیار ہوئی، جب مامور آپؑ کے ہتھکڑیاں لگا چکے اور مدینہ سے باہر خیمہ لگایا تاکہ وہاں سے شام کی طرف روانہ

---

[1] مذکورہ عبارت کشف الغمہ ج ۲ ص ۸۵ پر اس طرح درج ہے: من یقوی علی عبادة علی بن ابیطالب؟

[2] کشف الغمہ ج ۲ ص ۸۰،۸۱

ہو سکیں تو میں امام کو الوداع کہنے کے لئے وہاں پہونچا، آپ خیمہ کے اندر تھے اور مامور افراد خیمہ کے باہر بیٹھے تھے میں نے ان سے اجازت لی اور اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ آپؑ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پورا بدن زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، مجھ پر رقت طاری ہوگئی اور میں رونے لگا تو امام زین العابدینؑ نے فرمایا: اے زہری کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کی فرزند رسول اللہ میں آپؑ کو اس طرح زنجیروں میں جکڑا ہوا نہیں دیکھ سکتا ہوں۔ امامؑ نے زنجیروں کی طرف اشارہ کیا اور ساری زنجیریں اور ہتھکڑیاں گر پڑیں۔ آپؑ نے فرمایا: اے زہری دیکھا تم نے میں اپنے اختیار سے ان کے ساتھ جا رہا ہوں۔ آنے والی تیسری رات کو میرا انتظار کرنا میں واپس آجاؤں گا۔

وہ روانہ ہوگئے تیسری شب میں مامور افراد جو امام زین العابدینؑ کے ساتھ تھے لوٹ آئے اور پوچھنے لگے کیا آپؑ مدینہ آگئے ہیں میں نے ان سے واقع معلوم کیا تو انھوں نے کہا جب ہم صبح کو اٹھے تو دیکھا کہ زنجیریں پڑی ہیں اور آپؑ وہاں نہیں ہیں۔ اس کے بعد میں نے شام کا قصد کیا۔ جب میں عبدالملک کے پاس پہونچا تو اس نے مجھے امام زین العابدینؑ کے بارے میں پوچھا۔ میں نے واقعہ بیان کر دیا۔ عبدالملک نے کہا: وہ اسی دن میرے پاس آئے تھے۔ اپنے گھر میں تنہا تھا تو مجھے ان سے خوف محسوس ہو رہا تھا انھوں نے مجھ سے پوچھا: مجھ سے تمہیں کیا کام ہے؟ میں نے کہا: مجھے آپؑ سے کوئی کام نہیں ہے۔ میں نے کہا: آپؑ کو کوئی حاجت ہے؟ فرمایا: میری حاجت یہ ہے کہ دوبارہ مجھے طلب نہ کرنا اور مزاحم نہ ہونا۔ میں نے کہا: آپؑ با احترام واپس تشریف لے جائیے۔ زہری کہتے ہیں۔ میں نے کہا: اے امیر المومنین علی بن الحسینؑ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہیں۔ انھیں خلافت و دنیا داری سے قطعی شغف نہیں ہے۔ عبدالملک نے کہا: ان کا بہترین مشغلہ ہے۔ مذکورہ جملہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

صاحِبِ الْمَناقِبِ و الْمَزایا الجَمّة

آپؑ منقبت و فضیلت کے حامل ہیں جو کہ مسلمانوں کی راحت و آرام کا باعث ہے۔

ان مناقب و فضائل سے مومنوں کو سکون و آرام ملتا ہے اور اس سے شادکام ہوتے ہیں کیونکہ جو بھی اپنے سید و سردار کے مناقب سنتا ہے وہ مسرور ہوتا ہے اور ایک قسم کا سکون پاتا ہے۔

أبی الحسن علیّ الاصغر بن الحسین زین العُبّاد «و سَیّدُ العُبّاد»[2] ذی الثفنات السجاد.

آپؑ کی کنیت امیرالمومنین صلوات اللہ علیہما کی طرح ابو الحسن تھی لوگ آپؑ کو علی اصغر کہتے تھے۔ کیونکہ امام حسینؑ کے ایک بیٹے اور تھے جو امام زین العابدینؑ سے بڑے تھے انھیں علی اکبر کہتے تھے، علی اکبر کربلا میں شہید ہو گئے تھے امام محمد باقرؑ امام زین العابدینؑ کے سب سے بڑے فرزند تھے دوسرے بیٹے کا نام زید بن علیؒ تھا فرقہ زیدیہ ان ہی کو اپنا امام سمجھتا ہے۔ چوتھے امامؑ کی والدہ کا نام شہر بانویہ[1] بنت یزدجرد کسریٰ تھا۔ زین العباد بھی منجملہ آپؑ کے القاب میں سے ایک ہے۔ کیونکہ اپنی بے پناہ عبادت کی وجہ سے آپؑ عابدوں کی زینت تھے۔ سید العباد بھی آپؑ کا لقب ہے، آپؑ کو ذی الثفنات بھی کہا جاتا ہے۔ ثفنہ اونٹ کے گھٹنے پر پڑ جانے والے گھٹے کو کہتے ہیں کہ بہت زیادہ سجدوں کی وجہ سے آپؑ کی پیشانی پر گھٹہ پڑ گیا تھا۔ اور بے پناہ سجدہ ریزی کی بنا پر آپؑ کو سجاد کہا جاتا ہے۔

صاحِبِ العِزِّ الْمَنیع و الْمَجْدِ الرَّفیع، الْمَقْبُورِ مَعَ عَمِّهِ الْحَسَنِ فِی الْبَقیع

امام زین العابدینؑ صاحب عزت و عظمت ہیں، سر بلند و رفیع ہیں آپؑ بقیع میں اپنے چچا امام حسنؑ کے پہلو میں دفن ہوئے ہیں۔ آپؑ نے مدینہ میں وفات پائی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپؑ کو زہر دیا گیا ہے لیکن صحیح اخبار سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی ہے۔

آپؑ نے جمعہ کے روز مدینہ میں ولادت پائی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپؑ نے نصف جمادی الآخر میں بروز جمعرات ولادت پائی اور بروز شنبہ ۱۲ محرم کو وفات پائی۔ انتقال کے وقت آپؑ کی عمر ساٹھ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ آپؑ کی قبر، مرقد امیرالمومنین حسنؑ میں واقع ہے دونوں ایک قبر میں مدفون ہیں اور وہیں امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ بھی دفن ہیں۔ خواجہ محمد پارسا بخاری نے اپنی

---

[1] غ میں شہر بانو یہ مرقوم ہے۔ واضح ہے کہ امام حسینؑ کی اولاد اور اسی طرح امام زین العابدینؑ کی والدہ کے بارے میں مولف کا نظریہ مورخین سے مختلف ہے

کتاب فصل الخطاب[1] میں بعض اکابر سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا: خداوند عالم نے اس قطعۂ زمین کو بہت شرف بخشا ہے کہ ایسے طیب وطاہر اجسام اس میں دفن ہیں جن پر خدا کی لامتناہی رحمت کا نزول رہتا ہے۔

اللهم صل على سيدنا محمد سيّما الامام السّجاد زين العبّاد و سَلّمْ تسليماً

اے اللہ ہمارے سردار محمدؐ پر خصوصاً امام زین العابدینؑ پر رحمت وسلامتی نازل فرما۔

---

[1] فصل الخطاب لوصول الاحباب، مولیٰ محمد بن محمد بن محمود حافظی بخاری (م ۸۲۲) المعروف بہ پارسا کی تالیف ہے ملاحظہ فرمائیں ذریعہ ج ۱۶ ص ۲۳۲ ش ۹۱۳۔ مذکورہ کتاب میں ائمہؑ کی سوانح حیات بھی شامل ہے، یہ کتاب میراث اسلامی ایران کے دفتر چہارم میں طبع ہو چکی ہے۔

امام باقر علیه السلام

اَللهم صَلِّ و سَلِّم عَلَى الْاِمامِ الْخامِس

اے اللہ پانچویں امامؑ پر رحمت و سلامتی نازل فرما۔

یہاں سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پر صلوات شروع ہوتی ہے۔ امامیہ اور اکثر شیعوں کے نزدیک امام زین العابدینؑ کے بعد آپؑ ہی امام ہیں۔ زیدیوں کا مسلک یہ ہے کہ امام زین العابدینؑ کے بعد امام محمد باقرؑ کے بجائے زید بن علی امام ہیں۔ زید فاطمی سادات کے اکابر میں سے ایک ہیں امام محمد باقرؑ کی امامت امام زین العابدینؑ کی نص اور ان آیات سے ثابت ہے جو آپؑ کی امامت پر دلالت کر رہی ہیں۔ آپؑ کے القاب درج ذیل ہیں۔

الطَّیِّبِ الطَّاہِرِ النُّور الباہرۃِ

امام محمد باقرؑ ہر اس آلائش و پلیدی سے پاک و پاکیزہ ہیں جو کہ عصمت کے منافی ہے۔ یہ آپؑ کی عصمت کی طرف اشارہ ہے، آپؑ نور ہیں منور ہیں یہ آپؑ کے باطنی انکشاف اور غیبی امور سے آگاہی بوجہ تعلیم الٰہی اور ائمہ کے اوصاف ہیں، کی طرف اشارہ ہے۔

ایک محبِ اہل بیتؑ نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ میں مدینہ کے گاؤں کی طرف گیا تاکہ پہلے میں خرمے کی قیمت ادا کر دوں، بعد میں خرمے لے لوں گا۔ دروازہ کے باہر میں نے امام محمد باقرؑ کو دیکھا جو مدینہ کے آس پاس گاؤں سے تشریف لا رہے تھے اور ایک شہر کی طرف جا رہے تھے کہا: السلام علیک

یابن رسول اللہ! آپؑ نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: کہاں جا رہے ہو؟ میں عرض کی: مدینہ کے گاؤں میں جا رہا ہوں تاکہ وہاں سے بیع سلم کے ذریعہ خرما خرید وں۔ امامؑ نے فرمایا: کیا اس سال تم ٹڈیوں سے امان میں ہو، یہ فرما کر شہر چلے گئے میں نے وہاں جا کر خرمہ کا باغ خرید لیا، جب خرمہ چننے کا وقت آیا تو ٹڈیوں کا دَل آیا اور اس نے تمام سبز خرموں کو کھا لیا۔ یہ علم غیب کی نشانی تھی جو آپؑ کے نور باطنی سے ظاہر ہوئی۔

ایک دوسرے محب اہل بیتؑ نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے سال میں ایک سو بیس درہم خربوزوں اور لہسن جیسی سبزی کی کاشت پر صرف کئے۔ جب فصل کا وقت آیا تو ٹڈیوں کا دَل آیا اور سارے خربوزوں اور مذکورہ سبزی کو کھا گیا۔ میں اپنے کھیت کے کنارے کھڑا تھا کہ ادھر سے امام محمد باقرؑ کا گزر ہوا میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ فرمایا: اس کاشت پر کتنا پیسہ خرچ کیا تھا؟ عرض کی: ایک سو بیس دینار طلائی! فرمایا میں نے اپنے آباء سے سُنا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: تَمَسَّکُوا بِبَقَایَا الْمَصَائِبِ؛ جو چیزیں آفت کی زد سے بچ گئی ہیں انھیں ہاتھ نہ لگاؤ۔ باقی ماندہ کو پانی دو تاکہ خداوند عالم اس میں برکت عطا فرمائے۔ میں نے زراعت میں پانی دیا اور فصل کے وقت میں نے اس سے کہیں زیادہ فصل اٹھائی جتنا پیسہ خرچ کیا تھا۔[1]

دوسرے شخص کا بیان ہے، ایک مرتبہ میں گرمیوں کے موسم میں مدینہ سے قبا گیا تھا وہاں میں نے امام محمد باقرؑ کو دیکھا آپؑ اپنے باغوں سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ بدن مبارک پسینہ میں شرابور تھا۔ دو غلاموں کے سہارے چل رہے تھے۔ میرے ذہن میں یہ خطور ہوا کہ بنی ہاشم کا ایک معزز آدمی دنیا کی حرص میں ایسی سخت گرمی میں اپنے کو زحمت میں مبتلا کرتا ہے جیسے ہی اس بات کا میرے ذہن میں خطور ہوا ویسے ہی مجھے آپؑ نے طلب کیا اور فرمایا: إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ[2] بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ ہم مسکینوں اور ناداروں پر خرچ کرنے کے لئے یہ زحمت اٹھاتے ہیں، دنیا کی طمع میں نہیں! میں نے عرض کی اے فرزند رسولؐ میں معذرت چاہتا ہوں آپؑ نے میرا عذر قبول کر لیا۔[3] ایسے ہی بہت سے واقعات ہیں۔

---

[1] اس ماجرے کی دوسری روایت ملاحظہ فرمائیں کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۲۵ میں۔ [2] حجرات: ۱۲
[3] مذکورہ روایت کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۱۷-۲۱۸۔ امام موسیٰ کاظمؑ کے بارے میں نقل ہوئی ہے۔

السَّيفِ الشَّاهِرِ، الْبَدرِ الزَّاهِرِ، العَزِيزِ الْقَادِرِ، الْغَالِبِ الْقَاهِرِ

امام محمد باقرؑ دشمنوں کے لیے شمشیرِ برہنہ ہیں۔

یہ آپؑ کے علم وحجت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ملحدوں اور منافقوں کے لیے آپؑ نے تیغ حجت نیام سے نکالی تھی۔ یا دینی امور میں آپؑ کی استقامت کی طرف اشارہ ہے اور چونکہ آپؑ نے دشمنانِ خدا پر تلوار کھینچ لی تھی لہٰذا حجاج بن یوسف اور عبدالملک لاکھ کوشش کے باوجود آپؑ کو کوئی گزند نہ پہونچا سکے۔

امام محمد باقرؑ چودھویں کا چاند ہیں۔

یہ آپؑ کے حسن وجمال کی طرف اشارہ ہے روایت ہے کہ آپؑ کا چہرۂ اقدس چاند کی مانند چمکتا تھا نہایت ہی حسین وجمیل تھے۔ یا آپؑ کی علمی شہرت اور شرافت کی طرف اشارہ ہے کہ چاند کی مانند چمکتے تھے

امام محمد باقرؑ دشمنوں پر غالب وتوانا اور فائق ہیں۔

یہ آپؑ کی اس طاقت وقدرت اور غلبہ کی طرف اشارہ ہے جو کہ حجاج بن یوسف اور آل مروان پر ظاہر ہوا۔ روایت ہے کہ حجاج بن یوسف حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی اولاد اور ان کے شیعوں کو ایذا دینے میں کوئی دقیقہ فروگذشت نہیں کرتا تھا جس شخص کے بارے میں اسے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ حضرت علیؑ کا شیعہ ہے اس کو گرفتار کر کے قتل کر دیتا تھا۔ اس کی درندگی کی انتہا یہ تھی کہ ایک روز اس نے کہا: آج میں قربۃً الی اللہ ایک علیؑ کے چاہنے والے کو قتل کروں گا۔ کہتے ہیں کہ کوئی علیؑ کا چاہنے والا نہ ملا صرف حضرت علیؑ کے غلام قنبر بچے تھے، وہ بھی سو سالہ بوڑھے اور مفلوج تھے چنانچہ حجاج نے کہا: اسے حاضر کیا جائے۔ جب آپؑ کو حاضر کیا گیا تو حجاج نے کہا: میں کس طریقہ سے تمہیں قتل کروں خود بتاؤ۔ قنبر رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے حبیب وآقا علی مرتضیٰؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ مجھے گوسفند کی طرح ذبح کیا جائے گا۔ لہٰذا حجاج نے حکم دیا کہ انھیں گوسفند کی طرح ذبح کر دو۔ اس سے امیرالمومنین علیؑ کی کرامت ظاہر ہوئی۔ باوجودیکہ قنبر نے یہ کہا: مجھے میرے حبیب ومولا نے یہ خبر دی ہے اور حجاج علیؑ کی بات کو جھوٹا ثابت کرنا چاہتا تھا لیکن خدا نے اس کے شقی القلب کو اس سے باز رکھا اور اسی طرح قنبر کو شہید کیا جس طرح خبر دی تھی۔

امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی اولاد قتل کرنے میں حجاج کا یہ عالم تھا، صحیح روایتوں میں

بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ امام محمد باقرؑ حجاج ملعون کے پاس تشریف لے گئے تو حجاج نے آپؑ کے تمام علوم سے متعلق سوالات کئے اور یہ بھی پوچھا کہ عرب میں سب سے بدترین کونسا قبیلہ ہے؟ آپؑ نے فرمایا: تمہارا قبیلہ "ثقیف" اس کے بعد حجاج کی بہت سرزنش کی اور اس کے ظلم وجور کو بیان کیا، اس سے حجاج مبہوت ہو کر رہ گیا اور امام صحیح وسالم واپس چلے گئے. مذکورہ فقرہ میں انکی غلبہ اور قدرت کی طرف اشارہ ہے۔

حارِزُ الْمَزایا و الْمآثِرِ، صاحِبُ الْمَناقِبِ و الْمَفاخِرِ

امام محمد باقرؑ عزت وسرفرازیوں کو جمع کرنے والے ہیں، اور ایسے فضائل ومناقب والے ہیں کہ دنیا میں مشہور ہیں. یہ آپؑ کے حسب ونسب شریف کی طرف اشارہ ہے۔

جامِعِ اَلْواحِ الْعُلُومِ بِلا تَكَسُّبِ الدَّفاتِرِ

آپ کسب کی زحمت اٹھائے بغیر علوم کی الواح جمع کرنے والے ہیں۔

یعنی علوم کی الواح خدا نے آپؑ کو عنایت کی تھیں اور آپؑ کو اس کی حاجت نہیں تھی کہ کتابوں سے علم حاصل کریں جیسا کہ سارے علماء حاصل کرتے ہیں. یہ آپ کے کمال علم کی طرف اشارہ ہے۔

جابر بن عبداللہؓ[1] سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا: مجھ سے رسولؐ نے فرمایا: تم میرے ایک بیٹے سے ملاقات کرو گے انکا وہی نام ہے جو میرا نام ہے وہ علم کی انتہا تک پہونچ جائیں گے اور اسی لئے انھیں باقر کے لقب سے یاد کیا جائے گا اور باقر کے معنی شگافتہ کرنے والے ہیں. آنحضرتؐ نے مزید جابر سے فرمایا جب تم ان سے ملاقات کرنا تو ان سے میرا سلام کہنا. اور مسلم نے اپنی صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی ہے کہ امام محمد باقر بن علیؑ نے فرمایا: میں ایک جماعت کے ساتھ جابر بن عبداللہ انصاری کے پاس گیا، اس وقت وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے، پلکیں جھک آئی تھیں. ہر ایک سے پوچھتے تھے تم کون ہو؟ یہاں تک کہ میری نوبت آئی اور مجھ سے بھی پوچھا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: میں محمد بن علی بن الحسینؑ ہوں. یہ سن کر بہت

---

[1] جابر کی روایت مختلف طریقوں اور متعدد عبارتوں میں نقل ہوئی ہے ملاحظہ فرمائیں کشف الغمہ ج۲ ص۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۳

خوش ہوئے اور بھتیجے کو خوش آمدید کہا، مجھے قریب بلایا اور سینہ کے بٹن کھلوا کر اپنا ہاتھ میرے سینہ پر ملا، میں نے کہا، مجھے پیغمبرؐ کے حج سے متعلق کچھ بتایئے تو انھوں نے حدیث حج میرے سامنے بیان کی۔ یہ حدیث بہت طویل ہے اور صحیح مسلم میں امام محمد باقرؑ سے کہ آپؑ نے جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے نقل کی ہے، منقول ہے[1] اور علماء حدیث اور فقہاء نے اس حدیث مبارک سے علوم کا استنباط کیا ہے امام باقرؑ سے بہت سے حدیث اور کلمات قصار نقل ہوئے ہیں۔

مُحْيِي مَعارِفِ النَّبِي الْفاخِرِ

امام محمد باقرؑ صاحب فخر و شرف کے حامل پیغمبرؐ کے علوم زندہ کرنے والے ہیں۔

یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ کے علوم و معارف نے آپؑ کے زمانہ امامت میں فروغ پایا اور لوگ ان سے مستفید ہوئے چنانچہ کہا گیا ہے کہ روایت و درایت میں ائمہؑ تابعین میں سے کوئی بھی آپؑ کے پایہ کا نہیں ہے۔

وارِثِ الْاِمامَةِ کابراً عَنْ کابِرٍ

آپ وارث امامت ہیں جو کہ بزرگ سے بزرگ کو ملتی ہے یعنی امامت آپؑ کو بزرگوں سے میراث میں ملی ہے۔

یہ فقرہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ خود بھی امامؑ ہیں اور آپؑ کے آباء بھی امامؑ ہیں آپؑ کو کمال استحقاق سے امامت ملی ہے۔ کیونکہ جو چیز استحقاق سے حاصل ہوتی ہے اور میراث میں ملتی ہے، اس کا مالک اس کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امامت دین کی حفاظت اور علوم و معارف کی اشاعت میں رسولؐ کی نیابت ہے اور یہ منصب میراث نبیؐ ہے۔ امام محمد باقرؑ مکمل طور پر اس صفت سے متصف ہیں کیونکہ کشف علم اور حقائق معارف کی تہ تک پہونچنے کے سلسلہ میں آپؑ اہل بیتؑ کے درمیان سب سے زیادہ مشہور رہیں۔

---

[1] صحیح مسلم "شرح النووی" ج ۸ ص ۱۷۰-۱۹۶۔ طبع دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۷

ابی جعفر محمد الباقر العبد الصالح ابن زین العابدین علیؑ
ابو جعفر آپؑ کی کنیت ہے۔ جعفر صادقؑ آپؑ کے بیٹے ہیں جو کہ آپؑ کے بعد امام ہوئے۔ ایک بیٹا جعفر صادقؑ سے بڑا تھا جس کا نام ابراہیم تھا اس نے آپؑ کے بعد اپنی امامت کا دعویٰ کیا جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔ باقر آپؑ کا لقب ہے اور یہ لقب آپؑ کو رسولؐ نے دیا تھا جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، عبد صالح بھی آپؑ کا لقب تھا۔

وارِثِ النَّبیِ الشَّفیع و الْوصیِّ الْمَنیعِ، اَلْمَقْبُورِ مَعَ اَبیهِ بِالْبَقیع

امام محمد باقرؑ شفاعت کرنے والے نبیؐ کے وارث اور صاحبِ عزت کے وصی ہیں۔
یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ رسولؐ خدا اور وصی رسول اللہؐ حضرت امیر المومنین علیؑ کے وارث ہیں اور چونکہ آپؑ علوم اور حقائق معارف کی تہہ تک پہونچنے والے ہیں اس لئے وراثت کے علاوہ مخصوص رسولؐ وارث ہیں اور حضرت امیر المومنین علیؑ "جو کہ رسولؐ اللہ کے وصی ہیں"، کے وارث ہیں کیونکہ علم کی تہہ تک پہونچنے کا مقتضایہ ہے کہ منصب وصایت کے بھی وارث قرار پائیں۔
آپؑ اپنے والد کے پاس بقیع میں مدفون ہیں۔ یہ آپؑ کی وفات اور مدفن کی طرف اشارہ ہے۔ رجب کے پہلے ہفتہ میں جمعہ کے روز آپؑ نے ولادت پائی۔ بعض نے کہا ہے کہ تیسری صفر ۵۷ھ کو مدینہ میں ولادت پائی کچھ لوگوں کا نظریہ ہے کہ آپؑ نے ربیع الاول ۱۱۴ھ کو مدینہ میں وفات پائی اور وفات کے وقت آپؑ کی عمر شریف ۵۷ سال تھی۔ ام عبداللہ فاطمہ بنت حسنؑ آپؑ کی والدہ ہیں آپؑ امام حسنؑ ہی کے پاس مدفون ہیں اور آپؑ کی قبر پر وہ صندوق رکھا گیا جو کہ رشکِ صندوقِ آسمان اور جواہر حکمت و ایمان کا مخزن ہے اور دنیا والوں پر آپؑ کے گنبد سے رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔

اللهم صلِّ علی سیّدنا محمد و آل سیّدنا محمد سیّما الإمام الطُّهر الطّاهر محمد الباقر و سلِّمْ تسلیمًا
اے اللہ ہمارے سردار محمدؐ اور ان کی آل پر خصوصًا طاہر مطہر امام محمد باقرؑ پر رحمت و سلامتی نازل فرما۔

امام صادق علیہ السلام

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَ سَلِّم عَلَى الْاِمَامِ السَّادِس

اے اللہ چھٹے امامؑ کو رحمت و سلامتی سے سرفراز فرما

یہاں سے حضرت امام جعفر صادقؑ پر صلوات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ آپؑ اپنے پدر بزرگوار کے بعد منصب امامت پر فائز ہوئے امام محمد باقرؑ کے بعد آپؑ کے بڑے بھائی نے اپنی امامت کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو اپنی متابعت کرنے کی دعوت دی۔ ایک روز امام جعفر صادقؑ نے اپنے گھر کے اندر آگ روشن کی اور کسی کے ذریعہ اپنے بھائی کو بلوایا اور شیعوں کے سربرآوردہ افراد کے سامنے ان سے گفتگو کی اور بھائی سے فرمایا بیٹھیے وہ بیٹھ گئے تو امام جعفر صادقؑ آگ کے اندر چلے گئے اور کافی دیر تک آگ میں بیٹھے رہے اور وہیں سے راہنمائی و نصیحت کرتے رہے لیکن آگ نے آپؑ کو ضرر نہیں پہونچایا یہاں تک کہ لباس مبارک کو بھی نہ جلا سکی چہ جائیکہ بدن مبارک کو گزند پہونچاتی۔ اس کے بعد آپؑ آگ سے نکل آئے اور اپنے بھائی سے فرمایا؛ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ تم بابا کے وصی ہو تمہیں امامت ملی ہے، تو میری طرح آگ کے اندر جاؤ بھائی یہ صورت حال دیکھکر زمین پر رداگھسیٹتے ہوئے چلے گئے اور اس کے بعد اپنی امامت کا دعویٰ کرنا چھوڑ دیا۔ اور جعفر صادقؑ کی امامت سب پر آشکار ہو گئی۔

اَلْمُقَرَّبِ السَّابِقِ الْمُؤَدَّبِ الْمُوافِقِ

آپؑ خدا کے مقرب ہیں اور اعمال صالحہ کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

یہ فقرہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ خدا کے مقرب بندوں اور سابقین میں سے ہیں آپؑ الٰہی آداب سے آراستہ ہیں۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے:
یعنی مجھے خدا نے آداب و تعلیم سے سنوارا ہے۔ پس میری تعلیم و تادیب بہترین ہے یہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ الٰہی تعلیمات و آداب سے آراستہ ہوتے ہیں اور آپؑ اخلاق حمیدہ اور اعمال پسندیدہ میں پیغمبرؐ کے مثل ہیں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ آنحضرتؐ کی مکمل طور پر متابعت کرتے ہیں۔

وَ الْمُغیثِ لِلْمَلْھُوفِینَ عِنْدَ الطَّوارِقِ

امام جعفر صادقؑ بلاؤں کے نزول اور حوادث میں کمزوروں اور پریشان لوگوں کی فریاد کو پہونچنے والے ہیں۔ یہ عاجزوں اور پریشان حال لوگوں پر آپؑ کی محبت و مہربانی کی طرف اشارہ ہے۔ روایت ہے کہ مدینہ میں جو شخص بھی افلاس و حادثہ کا شکار ہو جاتا تھا وہ آپؑ کے لطف و کرم کا سہارا لیتا اور آپؑ کے خوان سے خوشہ چینی کرتا تھا۔ چنانچہ تمام کریمان اہل بیت علیہم السلام کا یہی شیوہ رہا ہے۔

اَلْمُلْتَجی بِحِرْزِ اللّٰہِ عِنْدَ نُزُولِ کُلِّ طارِقٍ

امام جعفر صادقؑ ہر بلا کے نزول کے وقت خدا کی حفاظت میں پناہ لینے والے ہیں۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ منصور دوانیقی نے آپؑ کو گزند پہونچانا چاہی، آپؑ نے حرز الٰہی میں پناہ لی اور دشمن جو آپؑ کو گزند پہونچانا چاہتا تھا" پر غالب آئے۔ چنانچہ ابو جعفر منصور دوانیقی کے حاجب ربیع سے روایت ہے کہ اس نے کہا، ایک روز صبح کے وقت منصور دوانیقی اٹھا تو بڑے ہی غیظ و غضب میں تھا، منصور بڑا ہی مغلوب الغضب اور جابر و سرکش بادشاہ تھا، اس سے بعض مفسدوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ تمہارے خلاف خروج کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں عراقی ان کے موافق ہیں رات میں اس سے یہ بات کہی گئی تھی۔ صبح کو جب وہ اٹھا اور مسند پر بیٹھا تو مجھ سے کہا، جاؤ جعفر بن محمدؑ کو بلا کے لاؤ! اگر میں انھیں قتل نہ کروں تو خدا مجھے غارت کرے۔ راوی کہتا ہے کہ میں امام جعفر صادقؑ سے بہت محبت رکھتا تھا۔ منصور کی اس بات سے مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں اس ظالم کے شر سے امام کو کوئی ضرر نہ پہونچ جائے۔ میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورتحال سے آپؑ کو آگاہ کیا۔ عرض کی: مولا!

مجھے ڈر ہے کہیں وہ ظالم آپؑ کو اذیت نہ دے اس نے یہ قسم کھائی ہے کہ آپؑ کو قتل کرنا چاہتا ہے، میری عقل کام نہیں کر رہی ہے کہ آپؑ اس سے کس طرح نجات پائیں گے۔ امامؑ نے فرمایا: ڈرو نہیں اس کے شر سے خدا مجھے بچائے گا، انشاء اللہ وہ مجھے کوئی ضرر نہیں پہونچا سکیگا۔

راوی کہتا ہے کہ میں آپؑ کے ہمراہ ابو جعفر منصور دوانیقی کے گھر کی طرف روانہ ہوا، جب اس کے محل کے قریب پہونچا تو دیکھا کہ آپؑ کے لب جنبش کر رہے ہیں اور آپؑ کچھ پڑھ رہے ہیں۔ جب منصور دوانیقی نے آپؑ کو دیکھا تو اس کے چہرہ کا رنگ زرد ہو گیا اور ہانپتے کانپتے اٹھا اور آپؑ کا استقبال کیا، آپؑ کو گلے سے لگایا نہایت تعظیم و توقیر کی اور جب امام جعفر صادقؑ بیٹھ گئے تو اس نے کہا: اے ابو عبد اللہ خوش آمدی، اس کے بعد اس نے مشک و عنبر سے بنی ہوئی خوشبو کا ڈبہ منگایا اور امام کے محاسن پر ساری خوشبو لگا دی اور آپؑ کے محاسن مبارک خوشبو میں لبس گئے۔ اس کے بعد کہا: اے ابو عبد اللہ کوئی حاجت ہے؟ امامؑ نے فرمایا: میری حاجت یہ ہے کہ مجھے دوبارہ طلب نہ کرنا۔ کہنے لگا ایسا کروں گا اور جس چیز کی بھی آپؑ کو ضرورت ہوگی میں اسے پورا کروں گا، آپؑ عزت و حفاظت سے گھر تشریف لے جائیں۔ امام جعفر صادقؑ اٹھے باہر تشریف لائے۔ راوی کہتا ہے: ابو جعفر منصور دوانیقی لیٹ گیا اور سو گیا یہاں تک کہ اس کی چار نمازیں قضا ہو گئیں، اس کے بعد اٹھا تو مجھ سے کہنے لگا۔ اے ربیع وضو کے لئے پانی لاؤ تاکہ نماز پڑھوں اس کے بعد میں صورتحال سے آگاہ کروں گا۔ میں اٹھا اور پانی لایا، اس نے وضو کیا اور قضا نماز بجالانے کے بعد مجھ سے کہا: میں یہ عزم کر چکا تھا کہ جیسے ہی جعفر بن محمدؑ پر میری نظر پڑے گی میں انھیں قتل کر دوں گا لیکن جب میں نے ان کو دیکھا تو مجھے ان کے سر کے اوپر ایک خوفناک اژدھا نظر آیا کہ جس کے منھ سے آگ نکل رہی تھی اور وہ مجھ سے کہہ رہا تھا: اگر تو نے امامؑ کو ضرر پہونچانے کا قصد کیا تو میں تیرے سارے محل کو پھونک دوں گا، اس خوفناک منظر سے میرے ہوش اڑ گئے اور مجبوراً ان سے معانقہ کیا اور عزت کے ساتھ واپس بھیج دیا اور آج تک بے ہوش رہا اب میں کبھی ان سے کچھ نہیں کہوں گا۔

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۵۹

ربیع کہتا ہے کہ یہ بات سن کر میں حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؑ سے یہ حکایت بیان کی اور عرض کی مولا میں آپؑ کے قربان! آپؑ نے کیا چیز پڑھی تھی کہ جس سے خدا نے آپؑ کو اس کے شر سے محفوظ رکھا تو آپؑ نے مجھے وہ حرز املا کرایا جو کہ حرزہ امام جعفر صادقؑ کے نام سے مشہور ہے اور وہ مشہور حرز یہ ہے اس کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

ماشاء الله توجها إلى الله، «ماشاء الله تقرباً إلى الله» ماشاء الله تلطُّفاً إلى الله، ماشاء الله لا حول و لا قوة إلا بالله

بحمداللہ وہ حرز اس فقیر کو یاد ہے اور اس کا ورد رکھتا ہوں، برسوں سے اس کی مداومت و مداولت کرتا ہوں اور تمام عمر بحمد اللہ و قوتہ اس حرز کی وجہ سے دشمنوں کے شر سے محفوظ ہوں، چونکہ وہ حرز بہت مشہور ہے اور طویل ہے اس لئے مکمل طور پر رقم نہیں کیا ہے جو شخص بھی اس کی مداومت کرے گا انشاء اللہ وہ جن و انس کے شر سے خدا کی پناہ میں محفوظ رہے گا۔

اَلّذي بَيْنَ الْحَقِّ و الْباطِلِ فارِق

امام جعفر صادقؑ حق و باطل اور سچے و جھوٹے کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اصول و فروع دین میں آپؑ نے حق و باطل میں فرق کیا اور مذہب و ملت کے قواعد کو حق و صداقت پر استوار کیا اور باطل کو دین پیغمبرؐ سے محو کیا جیسا کہ معارف سے ہویدا ہے۔

حُجَّةِ اللهِ الْقائِمةِ عَلى كُلِّ زِنْدِيقٍ و مُنافِقٍ

آپؑ خدا کی حجت و برہان ہیں، جو ہر صانع کی نفی کرنے والے ہر زندیق و منافق پر قائم ہے۔

یہ اس حجت کی طرف اشارہ ہے جو کہ امام جعفر صادقؑ نے اثبات صانع اور توحید پر قائم کی ہے۔

روایت ہے کہ آپؑ کے زمانہ میں صانع عالم کے وجود کی نفی کرنے والے زندیق و ملحدین بہت زیادہ پیدا ہو گئے تھے وہ نفی کرنے میں حد سے گزر جاتے تھے اور آپؑ کے پاس آتے اور کٹ حجتی کرتے تھے، لیکن امام جعفر صادقؑ صانع قدیم کے اثبات پر محکم و مضبوط اور ٹھوس حجت و دلیلیں پیش کر کے انھیں لاجواب کر دیتے تھے اور انھیں مسلمان بنا لیتے تھے۔ ہم ان میں سے بعض کو یہاں بیان کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ آپؑ نے اپنی مجلس میں ایک زندیق سے پوچھا تمہارا کیا پیشہ ہے؟ اس نے کہا، میں تاجر ہوں، آپؑ نے پوچھا کہ کیا کبھی کشتی میں بیٹھ کر دریا کا سفر کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں! آپؑ نے فرمایا: کیا کبھی طوفان سے دوچار ہوئے ہو؟ اس نے کہا: ہاں! بعض اوقات ایسے طوفان آئے ہیں جنہوں نے کشتیوں کو تباہ کر دیا اور سارے ملاح غرق ہو گئے ہیں کشتی کا ایک تختہ پکڑ لیا مگر بعد میں وہ بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا اور موجوں کے تلاطم میں گھر گیا۔ اچانک ساحل پر پہونچ گیا اور نجات پائی۔ آپؑ نے فرمایا: جب تم دریا میں تھے اس وقت کشتی کے ملاحوں پر تمہارا اعتماد تھا اور جب کشتی تباہ ہو گئی تو تمہارا بھروسہ کشتی کے تختہ پر تھا لیکن سچ بتاؤ جب وہ تختہ بھی تمہارے ہاتھ سے نکل گیا تھا اس وقت تمہارا اعتماد کس پر تھا، کیا تم نے اپنے نفس کو ہلاکت کے لئے تیار کر لیا تھا یا تمہارے دل میں اس وقت بھی نجات پانے کی امید تھی؟ زندیق نے کہا: میرے دل میں نجات پانے کی امید تھی۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: نجات دلانے کی امید کس سے وابستہ تھی؟ یہ سنکر زندیق مبہوت رہ گیا اور کوئی جواب نہ بن پڑا تو آپؑ نے فرمایا: جس سے تمہاری امید وابستہ تھی وہی کائنات کا موجد اور تمہارا خدا ہے اس نے نجات عطا کی، اور سلامتی کے ساتھ ساحل تک پہونچایا ہے۔ یہ سن کر زندیق نے کائنات کے موجد کا اقرار کر لیا اور مسلمان ہو گیا۔ امام جعفر صادقؑ نے یہ دلیل قرآن مجید سے حاصل کی تھی۔ چنانچہ ارشاد ہے: «فَاِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ»[1] یہ اس بات پر نہایت ہی محکم دلیل ہے کہ اگر کوئی عقلمند صحیح طریقہ سے غور کرے کائنات کے موجد کا وجود اس پر واضح ہو جائے گا اور پھر کسی شک و شبہ میں گرفتار نہ ہوگا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ کائنات کے موجد کے وجود کے بارے میں لوگوں نے دلیل طلب کی تو آپؑ نے فرمایا: موجد کے وجود پر جو محکم و مضبوط دلیلیں ہیں ان میں سے ایک میرا وجود ہے کیونکہ پہلے میں نہیں تھا پھر وجود میں آ گیا تو ضرور کوئی وجود میں لانے والا ہے کیونکہ جو چیز عدم سے وجود میں آتی ہے اس کے لئے وجود میں لانے والے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیز حکم عقل سے ثابت ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ

---

[1] عنکبوت: ۶۵

کی گنجائش نہیں ہے یہ محال ہے کہ میں نے خود کو پیدا کیا ہے۔ یہ کہیں کہ میں عدم میں موجود تھا اور وہیں سے میں نے خود کو وجود دیا ہے۔ اس صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ میں موجود ہونے سے قبل موجود تھا جبکہ فرض یہ ہے کہ میں موجود نہیں ہوں بلکہ موجود ہوتا ہے، عقل کے نزدیک یہ چیز محال ہے۔ پس ثابت ہوا کہ میرے وجود کا صانع میرے وجود کے علاوہ کوئی اور ذات ہے اور وہ صانع عالم ہے۔ کیونکہ جو حکم میرے بارے میں جاری ہوا ہے وہی عالم کے تمام اجزا میں جاری ہوگا۔ یہ بھی محکم دلیل ہے۔ اور اس دلیل کو بھی امام جعفر صادق ؑ نے قرآن مجید سے اقتباس کیا ہے۔ ارشاد ہے: «أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ» ایسی ہی اور بہت سی چیزیں ہیں اگر تفصیل سے بیان کریں گے تو کتاب کا حجم بڑھ جائے گا۔

اَلْمُعْتَصِم بحَوْلِ اللّٰهِ و قُوَّتِهِ فی قَتْلِ کُلِّ خارِجي مارِق

امام جعفر صادق ؑ ہر دین سے خارج ہونے والے کو قتل کرنے میں خدا کی طاقت وقوت سے تمسک رکھنے والے ہیں۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ مہدی عباسی[1] کے پاس ایک خارجی نے امام جعفر صادق ؑ کی غیبت کی اور مہدی عباسی سے کہا: جعفرؑ بن محمدؑ تمہارے خلاف خروج کا عزم کر چکے ہیں۔ اہل کوفہ کو انھوں نے خطوط لکھے ہیں اور انھوں نے انؑ کی بیعت کر لی ہے۔ مہدی نے کہا: ان کے سامنے دلیل سے یہ بات کہو گے؟ اس نے کہا بالکل۔ مہدی عباسی نے امام جعفر صادق ؑ کو بلوایا اس خارجی کو بھی بلایا تو امامؑ کے سامنے بھی خارجی نے اس تہمت کی تکرار کی اور اسی پر مصر رہا۔ امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا: تم قسم کھا کے کہہ سکتے ہو کہ یہ باتیں سچ ہیں؟ خارجی نے کہا: ہاں! امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا: اس طرح قسم کھاؤ جس طرح میں بتاتا ہوں: آپؑ نے فرمایا: کہو! اگر میری یہ باتیں جو میں کہہ رہا ہوں جھوٹ ہیں تو میں خدا کی طاقت و قدرت سے نکل کر اپنی طاقت و قدرت میں آگیا ہوں۔ اس خارجی نے اسی طرح قسم کھالی اور اسی وقت گر کر جہنم واصل ہوگیا۔ مہدی عباسی نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اس مردار کے پیروں میں رسّی باندھ کر گھسیٹتے ہوئے باہر لے جاؤ اور امام جعفر صادق ؑ

---

[1] یہی روایت کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۶۸ پر درج ہے لیکن بجائے مہدی، منصور مرقوم ہے البتہ کشف الغمہ کی روایت صحیح ہے۔

ے عذر خواہی کی اور عزت کے ساتھ رخصت کیا ایسی ہی بہت سے کرامات آپؑ سے ظاہر ہوئی ہیں۔

الْمُطَّلِع علی أسرار الْغُیُوبِ بتَعْلِیمِ اللّٰهِ الْخالِقِ

آپؑ پیدا کرنے والے خدا کی تعلیم کے ذریعہ غیبی اسرار سے واقف و آگاہ ہیں۔

یہ آپؑ کے اسرار غیبی کی طرف اشارہ ہے۔ تمام ائمہ ہدیٰ خدا کی تعلیم والہام سے غیبی اسرار سے آگاہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک دوست دار امام جعفر صادقؑ نے کہا: میں بغداد میں تھا اور منصور دوانیقی حج پر جانے کا ارادہ کر چکا تھا میں مکہ آیا اور امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اس سال منصور حج کا ارادہ کر چکا ہے۔ امامؑ نے فرمایا: منصور کعبہ نہیں دیکھ سکے گا۔ جب حج کا زمانہ آیا تو منصور حج کے ارادہ سے بغداد سے نکلا جب بغداد سے روانہ ہوا تو میں امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور عرض کی کہ منصور بغداد سے نکل چکا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: منصور کعبہ نہیں دیکھیگا۔ جب منصور مدینہ تک پہونچ گیا تو میں پھر حاضر خدمت ہوا اور صورتحال بتائی۔ آپؑ نے پھر فرمایا: وہ کعبہ نہیں دیکھے گا۔ جب منصور مدینہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوا اور مکہ کے قریب پہونچ گیا تو مجھے شک ہونے لگا۔ لیکن جب چاہ میمون نامی جگہ پر پہونچا کہ جہاں سے مکہ دو فرسخ رہ جاتا ہے، تو رات میں اسی مقام پر مر گیا۔ صبح کو اٹھ کر تمام لوگوں کے ساتھ میں منصور کے استقبال کے لئے گیا اب امامؑ کی طرف سے میرے دل میں بہت سے شکوک پیدا ہو چکے تھے کہ اس اثنا میں لوگ لوٹ آئے اور بتایا کہ گذشتہ رات منصور نے انتقال کیا۔ میں واپس لوٹ آیا اور امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پہونچا اور اس کی موت کی خبر دی اور اپنے حق میں دعائے مغفرت کی درخواست کی چونکہ آپؑ اپنے دوستوں پر مہربان و شفیق تھے اس لئے میرے لئے استغفار کیا۔

اَلْعَطُوفِ علی کُلِّ مَحْبُوبٍ مُصادِقٍ

امام جعفر صادقؑ اپنے ہر دوست پر نہایت ہی مہربان تھے۔

روایت ہے کہ آپؑ نے شیعیان اہل بیتؑ کو یکجا کیا اور تعلیم کے لئے درس کا سلسلہ شروع کیا آپؑ سے پہلے اہل بیتؑ کے موالیوں کی ایسی منظم حالت نہیں تھی، آپؑ کے زمانہ میں ان میں نظم و نسق پیدا ہوا۔

أبی عبداللّٰه جعفرِ بنِ محمدٍ الصادق السید الزّکی الصّالح

ابو عبداللہ آپؑ کی کنیت ہے، آپؑ کثیر العیال تھے، سب سے بڑے اسماعیل تھے، مصر کے اسماعیلی خلفاء خود کو انھیں کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اسماعیلیوں کا خیال ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے بعد اسماعیل ہی امام ہیں۔ عبداللہ بن میمون قداح نامی شخص لوگوں کو اسماعیل کی امامت کی طرف دعوت دیتا تھا، امام جعفر صادقؑ اسماعیل سے خوش نہ تھے۔ پھر اسماعیل آپؑ کی حیات طیبہ ہی میں مر گئے تھے اور مدینہ میں عریض نامی مقام پر انھیں سپرد خاک کیا گیا تھا۔ اسماعیلیوں کا خیال ہے کہ اسماعیل مرے نہیں ہیں بلکہ انھوں نے غیبت اختیار کرلی ہے۔ اس سلسلہ میں بہت سی باتیں ہیں۔ امام موسیٰ کاظمؑ آپؑ کے دوسرے بیٹے ہیں جو کہ امامیہ کے نزدیک امام جعفر صادقؑ کے بعد برحق امام ہیں۔ کمالِ صداقت کی وجہ سے آپؑ کو صادق کہتے ہیں زکی سید، صالح بھی آپؑ کے القاب ہیں۔ مذکورہ القابات سے تمام ائمہ متصف تھے کیونکہ امام امت سے مرتبہ میں بڑا ہوتا ہے۔ عیوب سے پاک و محفوظ ہوتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کا صالح بندہ ہوتا ہے۔

صاحِبِ السَّمْعِ السَّمیعِ مِنَ اللّٰهِ الْبَدیعِ. اَلْمَقْبُورِ مَعَ اَبَوَیْهِ و عَمِّهِ بِالْبَقیعِ

آپؑ خالق و پیدا کرنے والے خدا کی طرف سے سننے والے ہیں۔

یہ آپؑ کے سننے والے کان کی طرف اشارہ ہے۔ جو کچھ آپؑ نے اپنے ابا واجداد سے سنا تھا اسے یاد رکھا، کلام اللہ کی تفسیر کے دقائق اور علوم و معارف کے حقائق جو ابا اجداد سے آپؑ نے سنے تھے انھیں امت تک پہونچایا۔ چنانچہ کوئی امام بھی آپؑ سے زیادہ سمعی علوم کی اشاعت نہیں کرسکا ہے۔ یہ میراث آپؑ کو اپنے جد امیر المومنین علیؑ سے ملی تھی۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت «وَ تَعِیَهَا اُذُنٌ وَاعِیَةٌ» نازل ہوئی تو رسولؐ نے امیر المومنینؑ سے فرمایا: میں نے آپ کے لئے خدا سے دعا کی ہے کہ آپؑ کے کانوں کو ایسا بنادے کہ جو سنیں وہ حفظ ہو جائے۔ امیر المومنینؑ فرماتے تھے کہ اس کے بعد میں نے کسی چیز کو فراموش نہیں کیا۔

حضرت امام جعفر صادقؑ نے مدینہ میں وفات پائی، صحیح قول کی رو سے وفات کے وقت آپؑ کی عمر شریف ۶۵ سال تھی۔ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۸۳ھ کو مدینہ میں ولادت پائی۔ اور نصف رجب میں وفات پائی۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ سنہ ۱۴۸ھ میں نصف شوال میں وفات پائی ہے۔ آپؑ کی قبر مبارک

آپکے عم بزرگوار امیر المومنین حسنؑ اور دادا بابا کے پاس ہے سب ایک ہی جگہ قبر بقیع میں مدفون ہیں جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔

اللهم صلِّ على سيدنا محمد و آل سيدنا محمد سيّما الامام السادس جعفر الصادق عليه السلام

اے اللہ ہمارے آقا محمدؐ اور ہمارے سردار محمدؐ کی آل خصوصاً چھٹے امام جعفر صادقؑ پر رحمت وسلامتی نازل فرما۔

امام کاظم علیہ السلام

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلَی الْاِمَامِ السَّابِعِ

اے اللہ ساتویں امام پر رحمت و سلامتی نازل فرما۔

یہاں سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر درود کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔
مذہب امامیہ کا مسلک ہے کہ آپؑ اپنے والد کے بعد برحق امام ہیں۔ اسماعیلیہ امامیہ کے برخلاف امام جعفر صادقؑ کے بعد اسماعیل کو امام مانتے ہیں لیکن امام موسیٰ کاظمؑ کی امامت امام جعفر صادقؑ کی نص سے ثابت ہو چکی ہے اور آپؑ میں وہ تمام اوصاف، کرامات اور عصمت و آثار جمع ہیں جو کہ امامت پر دلالت کرتے ہیں۔

العَارِفِ الْعَالِمِ[1] الْبُرْھَانِ الْقَائِمِ، الْمُتَوَکِّلِ الْعَازِمِ

یہ آپؑ کے علم و عرفان کی طرف اشارہ ہے، آپؑ عرفاء کے سردار اور عالموں کی حجت ہیں، تمام عارفوں نے فیضِ معرفت آپؑ ہی سے حاصل کیا ہے اور ارباب علم آپؑ کے کلام کی برکتوں ہی سے حقائق علوم تک پہونچے ہیں۔

---

[1] (غ، المعارف العالم

روایت ہے کہ تمام مشکلات اور معارف کے بارے میں لوگ آپؑ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپؑ سب کا جواب دیتے تھے، چنانچہ ہارون رشید نے آپؑ سے مشکل سوالات کئے اور آپؑ نے سب کے مدلل جواب دیئے۔ امام موسیٰ کاظمؑ کی دوسری صفت یہ ہے کہ آپؑ مخالفوں پر برہان و حجت ہیں ویسے تو تمام ائمہ اس صفت سے متصف تھے لیکن آپؑ میں بطور خاص و بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپؑ کے زمانہ میں جو مخالف دین آپؑ پر کوئی حجت قائم کرتا تھا تو آپؑ اُسے رد کر دیتے اور اسے تسلیم ہونے پر مجبور کر دیتے تھے۔

روایت ہے کہ قیصر روم نے ہارون رشید کے پاس ایک خط لکھا، اس میں بے پناہ اپنی عظمت و شوکت بیان کی اور اپنے طاقت و لشکر سے ہارون رشید کو ڈرایا اور لکھا: میں ایک بڑے لشکر کے ساتھ تمہاری طرف آرہا ہوں، جب تم پر غالب آجاؤں گا تو ایسا کروں گا ویسا کروں گا۔ اس سلسلہ میں بہت مبالغہ سے کام لیا۔ جب یہ خط ہارون رشید کو ملا تو وزیروں اور منشیوں سے مشورہ کیا کہ اس کا کیا جواب لکھا جائے۔ اگر اسے اسی طرح دھمکیاں دی جائیں جس طرح اس نے دی ہیں تو یہ اسلام کا شعار نہیں۔ آخر اس نے یہ طے کیا کہ ایسا دھمکی آمیز خط جیسا کہ قیصر روم نے اسے لکھا ہے، امام موسیٰ کاظمؑ کو لکھا جائے دیکھیں امامؑ اس کا کیا جواب لکھتے ہیں۔ منشیوں کو ایسا ہی مبالغہ آمیز اور دھمکیوں سے لبریز خط لکھنے کا حکم دیا۔ جب یہ خط آپؑ کو ملا تو آپؑ نے اس طرح مرقوم فرمایا: میرے والد جعفرؑ نے مجھ سے میرے آباء سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: خداوند عالم ہر روز اپنی مخلوقات پر ستر مرتبہ رحمت کی نظر کرتا ہے۔ امید ہے کہ حق تعالیٰ رحمت کی ایک نظر مجھ پر بھی فرمائے گا۔ اور مجھے ان تمام چیزوں سے محفوظ رکھے گا جن سے تو نے مجھے ڈرایا ہے اور خوف دلایا ہے۔ تیرے شر سے بچنے کے لئے میرے واسطے یہ کافی ہے۔ جب خط ہارون رشید کے پاس پہونچا تو اس نے کہا: یہی عبارت قیصر روم کے جواب میں لکھ کر بھیجدو۔ چنانچہ وہ خط قیصر روم کے پاس پہونچ گیا تو اس نے ''خط دیکھتے ہی'' کہا یہ اس کا جواب نہیں ہے، یہ اس کا جواب ہے جو خاندان نبوت و ولایت سے تعلق رکھتا ہے۔

آپؑ کی دوسری صفت یہ ہے کہ خدا پر توکل رکھتے ہیں اور توکل میں عزم محکم رکھتے ہیں۔

یہ آپ کے کمالِ توکل کی طرف اشارہ ہے۔ شقیق بلخی رحمۃ اللہ جو کہ مشائخ خراسان کے بڑے اولیاء میں سے تھے وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حج کے ارادہ سے بغداد گیا۔ جس روز قافلہ بغداد

سے باہر نکلا تو ہر شخص اسباب و آرائش اور تجمل کے ساتھ باہر آیا، اسی اثنا میں میں نے نہایت ہی جوان کو دیکھا جو کہ صوفیوں کی سی کالی چادر دوش پر صوفیوں جیسا شملہ سر پر ڈالے تمام لوگوں سے منفرد بیٹھا ہے۔ میں نے سوچا یہ کوئی صوفی ہے جو اس شکل وصورت میں باہر نکلا ہے اور راہ حج میں لوگوں کے ساتھ طفیلی طور پر جانا چاہتا ہے۔ ابھی جاتا ہوں اور اسے سرزنش کرتا ہوں تاکہ وہ واپس پلٹ جائے یہ سوچ کر میں اس کے پاس گیا۔ تو اس نے کہا: اے شقیق بعض گمان گناہ ہوتے ہیں[1]۔ پھر اٹھ کر روانہ ہو گیا۔

میں نے اپنے دل میں سوچا یہ آدمی ابدال سے تعلق رکھتا ہے، اس نے میرا نام لیا اور میرے باطن میں سے جھانک لیا ہے۔ پھر میں نے اسے پایا یہاں تک کہ میں واقصہ[2] نامی منزل پر پہونچ گیا میں پانی لینے کے لئے کنویں پر گیا تو وہاں اسی شکل وصورت میں اس جوان کو دیکھا اس وقت ایک پانی کا ظرف (ڈول) اس کے ہاتھ میں تھا۔ ناگہاں وہ ظرف اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کنویں میں گر پڑا تو اس نے آسمان کی دیکھکر زیر لب کچھ پڑھا۔ میں نے دیکھا کہ پانی اوپر آگیا۔ اور اس نے ظرف اٹھالیا اور ریت کے ٹیلے کی طرف روانہ ہو گیا، میں بھی ان کے تعاقب میں چلا جب ٹیلہ پر پہونچا تو ٹیلہ کی ریت کی چند مٹھی پانی میں ڈالی اور ظرف کو ہلایا اور پھر نوش کر لیا۔ میں نے عرض کی: آپؑ کو اس خدا کی قسم دیکر کہتا ہوں کہ جس نے آپؑ کو اس منزل پر فائز کیا ہے کہ اس میں سے کچھ مجھے بھی عطا کیجئے۔ آپؑ نے وہ ظرف مجھے دیدیا میں نے اس سے پیا تو معلوم ہوا کہ وہ مغز بادام وشکر کا ستو تھا۔ اتنی لذیذ غذا میں نے اس سے قبل نہیں کھائی تھی چنانچہ میں چند روز وہاں رہا۔ لیکن بھوک وپیاس کا قطعی احساس نہ ہوا۔

اس کے بعد میں نے ہر چند تلاش کیا لیکن آپؑ کو نہیں پایا یہاں تک کہ میں مکہ پہونچ گیا اور ایک شب کعبہ کے پاس آپؑ کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہے ہیں اور آپؑ کے تمام اعضاء لرز رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں، میں وہاں کھڑا ہو گیا انتظار کرتا رہا چنانچہ آپؑ نے پوری نماز شب ادا کی اور جب نماز

---

[1] حجرات: ۱۲　[2] کتاب المناسک واماکن طرق الحج ومعالم الجزیرہ، فہرست امکنہ تحت عنوان (واقصہ)

صبح سے فارغ ہوئے تو خانہ کعبہ کا طواف کیا اور مسجد سے باہر تشریف لائے۔ لوگ اطراف سمٹ آئے اور آپؑ کو سلام کرنے لگے۔ آپؑ کے پاس بہت سے غلام و حاشیہ نشیں تھے۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا: یہ سردارِ زمانہ امام موسیٰ کاظمؑ ہیں۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ یہ اہل بیتؑ کے آثار اور ان کی کرامت ہے[1]۔

صاحِبِ الْاٰیاتِ وَ الْکَراماتِ وَ الْمَکارِمِ

امام موسیٰ کاظمؑ علائم، کرامات اور حسبی و نسبی بلندیوں کے حامل ہیں۔

یہ آپؑ کی کرامات نشانیوں اور تمام خصال و مکارم کی طرف اشارہ ہے۔

روایت ہے کہ ایک محبِ اہل بیتؑ نے کہا: جب شیعوں کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف تھا کہ حضرت امام جعفرِ صادقؑ کے بعد کون امام ہے۔ بعض کہتے تھے اسماعیل امام ہیں اور بعض کہتے تھے موسیٰ کاظمؑ امام ہیں، اس وقت میں امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؑ نے فرمایا: ایک مشت ریت اٹھا لو تاکہ میں تمہیں علامت بتا دوں۔ میں سنگریزوں جیسا ریت اٹھا کر لے گیا۔ آپؑ نے اُن پر اپنی انگشتری رکھ دی تو ان پر مہر لگ گئی۔ فرمایا: امام وہ ہے جس کی تمام چیزیں اطاعت کریں۔ جیسا کہ سخت ہونے کے باوجود ان سنگریزوں نے مہر کا اثر قبول کر لیا اور تم نے دیکھ لیا ہے۔

ایک دوسرے دوست دارِ اہل بیتؑ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: ایک مرتبہ میں مکہ میں کوہ ابو قبیس پر گیا تو دیکھا کہ وہاں امام موسیٰ کاظمؑ نماز پڑھ رہے ہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو یااللہ یااللہ ویااللہ یارب، کی تکرار کی کہ سانس پھول گئی، اس کے بعد آپؑ نے یارب یارب کی ایک سانس میں تکرار کی اس کے بعد فرمایا: پالنے والے مجھے انجیر و انگور کی غذا عطا فرما میرا لباس کہنہ ہو گیا ہے مجھے نیا لباس عطا فرما۔ راوی کہتا ہے میں نے دیکھا کہ اسی وقت ایک طشت آیا جس میں تر و تازہ انگور و انجیر رکھے تھے جب کہ انگور و انجیر کا موسم نہ تھا اور بُردِ یمانی کے دو سلے ہوئے لباس بھی موجود تھے۔

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۱۳ - ۲۱۵ ۔ الفصول المہمہ ص ۲۳۳

آپؑ انگور وانجیر تناول فرمانے لگے مجھ سے فرمایا: بسم اللہ، یہ انگور کھاؤ میں نے انگور وانجیر کھائے ہرگز کبھی ایسا لذیذ میوہ نہیں کھایا تھا۔ انگور وانجیر کھانے کے بعد آپؑ نے وہ جامہ زیب تن کیا اور پرانے لباس اتار کر اس فقیر کو دیدیا جو مسجد کے دروازہ پر کھڑا تھا۔ آپؑ کی کرامات و معجزات بہت زیادہ ہیں۔

النَّاظِرِ عَلٰی أَهْلِ وَلَائِهِ بِالْقَلْبِ الْوَاقِفِ الرَّاحِمِ

امام موسیٰ کاظمؑ اہل ولا اور ان کی محبت سے مطلع ہیں اور ان پر دل سے مہربان ہیں۔

روایت ہے کہ آپؑ اپنے شیعوں اور موالی کے حالات پر نظر رکھتے تھے اور شدائد میں ان کی مدد فرماتے تھے اور جن چیزوں سے انھیں ضرر پہونچ سکتا تھا ان سے پہلے ہی خبردار کر دیتے تھے۔ چنانچہ صاحبؒ "کشف الغمہ فی مناقب الائمہ" نے اپنی کتاب میں روایت کی ہے کہ علی بن یقطین ہارون رشید کے مقربین میں سے تھے، اور باطنی طور پر شیعہ اور امام موسیٰ کاظمؑ کے شیدا تھے۔ خفیہ طور پر آپؑ سے خط و کتابت رکھتے اپنے مال کا خمس آپؑ کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور انھیں جو تبرک و تحفہ ملتا تھا اسے مدینہ میں اپنے امام کے پاس بھیجتے تھے۔ ایک مرتبہ ہارون رشید نے علی بن یقطین کو ایک خلعت فاخرہ اور سونے کے تاروں سے بنا ہوا ایک جبہ دیا یہ خلفا سے مخصوص تھا دوسروں کے پاس نہیں ہوتا تھا، علی بن یقطین نے اس جبہ کو دوسرے تحائف و تبرکات کے ساتھ مدینہ میں امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں بھیجدیا۔ جب امامؑ کی خدمت میں تحائف پہونچے تو آپؑ نے جبّہ کے علاوہ تمام تحائف قبول کرلئے اور اس جبہ کو واپس کر دیا اور علی بن یقطین کو لکھا کہ اس جبہ کی حفاظت کرتے رہنا بعد میں ایک واقعہ رونما ہوگا۔

کچھ دنوں کے بعد علی بن یقطین نے ایک غلام کو سزا دی وہ ان سے کبیدہ خاطر ہو گیا اور ہارون رشید کے مقربین کے پاس گیا اور ان سے کہا، علی بن یقطین" امام موسیٰ کاظمؑ" کے شیعہ ہیں ہر سال اپنے مال کا خمس ان کے پاس بھیجتے ہیں۔ چنانچہ خلیفہ نے جو جبّہ ان کو دیا تھا وہ بھی اپنے امام کے پاس بھیجدیا ہے۔ درباریوں نے یہ بات ہارون رشید سے نقل کی، ہارون رشید نے کہا: اگر جبہ بھی بھیجدیا ہے تو یقیناً وہ امام موسیٰ کاظمؑ کا شیعہ ہے۔ اسی وقت ہارون رشید نے علی بن یقطین کو بلایا۔ میں نے جو تمہیں

جبہ دیا تھا وہ کہاں ہے؟ علی بن یقطین نے کہا میں نے اس کو معطر کر کے صندوق میں رکھ دیا تھا۔ اور ہر صبح و شام اپنے سر و چشم پر ملتا ہوں اور بابرکت سمجھتا ہوں اور پھر اسی جگہ پر رکھ دیتا ہوں، ہارون رشید نے کہا: اسے حاضر کرو! علی بن یقطین نے کسی سے کہا گھر جاؤ اور فلاں صندوق اٹھا لاؤ۔ وہ شخص گیا اور اس صندوق کو اٹھا لایا۔ جب صندوق کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ جبہ عطر میں بسا ہوا نہایت تعظیم کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ اس سے ہارون رشید خوش ہو گیا اور چغلخور کو قتل کرا دیا۔ اس سے امام موسیٰ کاظمؑ کی کرامات اور اپنے دوستوں سے محبت ظاہر ہوتی ہے[1]

ایک اور محب اہل بیتؑ بیان کرتا ہے کہ میں صوبہ بصرہ کے ایک گاؤں میں تھا یہ گاؤں مدینہ کے راستہ پر آباد تھا۔ امام موسیٰ کاظمؑ ہارون رشید کے کارندوں کے ساتھ مدینہ سے وہاں پہونچے اور ہارون وہاں سے آپؑ کو بغداد لے گیا۔ اس سے امام کی غیبت کی گئی تھی، بہت سے اتہام لگائے تھے جب میں نے یہ سنا کہ آپؑ کارندوں کے ساتھ باہر تشریف لائے ہیں تو میں آپؑ کے پاس گیا اور آپؑ کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کی اے فرزند رسول اللہ۔ مجھے خوف ہے کہ یہ ظالم آپؑ کو اذیت نہ پہونچائیں۔ فرمایا: تم گھبراؤ نہیں وہ مجھے ضرر نہیں پہونچا سکیں گے اور تم فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ کی شب میں میرا انتظار کرنا میں واپس آجاؤں گا۔ چنانچہ آپؑ کے جانے کے بعد میرا وقت شب و روز کی شمارش میں گزرتا تھا یہاں تک کہ میں اس رات کو باہر نکلا جس میں واپسی کا وعدہ کیا تھا، میں نے بہت انتظار کیا لیکن کہیں قافلہ کا نشان بھی نظر نہ آیا قریب تھا کہ شیطان میرے دل میں شک و تردد پیدا کر دے جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا تو میں نے واپس لوٹنے کا ارادہ کیا۔ اچانک میں نے اونٹوں کی قطار دیکھی، جو بیابان میں نظر آرہی تھی۔ امام موسیٰ کاظمؑ ایک اونٹ پر سوار تھے اور پیش پیش تھے۔ جب میں نے امام موسیٰ کاظمؑ کو دیکھا تو میری مسرت کی انتہا نہ رہی اور میں نے بڑھ کر آپؑ کی رکاب کو بوسہ دیا۔ آپؑ نے فرمایا: قریب تھا کہ شیطان لعین تمہیں وسوسہ میں مبتلا کر دے۔ میں نے عرض کی الحمد للہ کہ اس ظالم کے ہاتھ سے آپؑ نے نجات

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۲۵

پائی اور بسلامت وطن جا رہے ہیں۔ فرمایا: لیکن وہ مجھے دوبارہ بلائے گا اور پھر مجھے نجات نہیں ملے گی۔[1] چنانچہ ایسا ہی ہوا ہارون رشید آپؑ کو دوبارہ عراق لایا اور شہید کر دیا۔ خدا ہارون رشید اور اس کے دوستوں پر لعنت کرے۔

حارِزِ مَناقِبِ ابائِهِ الأکارم

امام موسیٰ کاظمؑ اپنے کریم آبار کے مناقب جمع کرنے والے ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ اپنے آبار واجداد کے مکارم و مفاخر کا علم و کرامت، شجاعت، امامت، وصایت، میراثِ نبوت میں سے خارق العادت افعال کا اظہار کرنے والے ہیں۔

غَيثِ الجُودِ عَلى كُلِّ بائِسٍ عادِمٍ

آپؑ ہر اس نادار کے لئے ابرِ کرم تھے جو کہ صرف خرچ ہی حاصل کر پاتا ہے۔

یہ آپؑ کے جود و کرم کی طرف اشارہ ہے، منقول ہے کہ چاہنے والے اطراف واکنافِ دنیا سے خصوصاً خراسان والے آپؑ کے پاس خمس لاتے تھے۔ خراسان میں آپؑ کے شیعہ بہت تھے اور امامؑ اس پورے مال کو فقیروں میں تقسیم کر دیتے تھے اور رحمت واحسان کی بارش سے اپنے پیاروں کاروں کے باغ کو سرسبز کرتے تھے۔

لَيثِ الحُرُوبِ عَلى كُلِّ عدوٍّ مُصادِمٍ

امام موسیٰ کاظمؑ ہر مقابلہ کرنے والے دشمن کے لئے شیرِ جنگ وجدال ہیں۔

یہ آپؑ کی کمالِ شجاعت کی طرف اشارہ ہے۔ شجاعت تمام ائمہ ہدیٰ کی صفت ہے لیکن آپؑ کی شجاعت مشہور ہے۔

الشّامَةُ و الْعَيْنِ مِنْ الِ هاشِم

آپؑ بنی ہاشم کے درمیان خال وعین ہیں۔

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۲۱

جو قبیلہ میں بہت مشہور، نامور اور صفاتِ کمال سے متصف ہوتا ہے عرب اسے اس قوم کا خال۔ تل۔ کہتے ہیں۔ مراد نمایاں ہوتی ہے۔ یعنی جس طرح تل چہرہ پر نمایاں ہوتا ہے اور حُسن وجمال کا باعث ہوتا ہے اسی طرح مذکورہ صفات کا حامل انسان اپنے قبیلہ کی عزت وشرف کا باعث ہوتا ہے اسی طرح بہترین صفات اور حُسن خلق کے حامل انسان کو اس کے قبیلہ کی عین۔ آنکھ۔ کہتے ہیں۔ امام موسیٰ کاظمؑ اپنے زمانہ میں بنی ہاشم کے درمیان نمایاں تھے اور کوئی آپؑ کا مدمقابل نہ تھا۔

مُحْیِی السُّنَنِ و مُظْهِرِ الْمَعالِمِ

آپؑ سنت نبوی اور طریقۂ مصطفویؐ کو زندہ کرنے والے اور دین وملت کی علامتوں کو واضح کرنے والے ہیں۔

آپؑ نے کتنے ہی سنن نبویؐ، طریقۂ مرتضویؑ اور اخلاقِ اہلِ بیتؑ کو زندہ کیا ہے اور دوستوں نے اس میں آپؑ کی اقتداکی ہے۔

اَلْمُفْتَرَضِ ولاؤہ عَلَى الْأَعْرابِ و الْأَعاجِمِ

عرب وعجم پر آپؑ کی محبت فرض کی گئی ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ اور تمام ائمہ ہدیٰ کی محبت عرب وعجم کے تمام مومنوں پر فرض کی گئی ہے۔ اور ان کی محبت کے بغیر ایمان کے پائے محکم واستوار نہیں ہوسکتے ہیں۔

أبي الحسن موسى بن جعفر الكاظم العبد «الصّالح» الزّكى

ابوالحسنؑ آپؑ کی کنیت ہے۔ خدا نے آپؑ کو بہت زیادہ اولاد عطا کی تھی۔ کہتے ہیں کہ بیٹے و بیٹیوں کی تعداد تیس سے بھی زائد تھی، ان میں سب سے زیادہ بافضیلت اور مشہور علی بن موسیٰ رضاؑ ہیں آپؑ کے بعد یہی منصب امامت پر فائز ہوئے۔ اس سلسلہ میں انشاء اللہ آئندہ بحث کریں گے۔

آپؑ کی مشہور اولاد میں سے احمد بن موسیٰ، محمد بن موسیٰ، حمزہ بن موسیٰ ہیں اور بیٹیوں میں فاطمہ صلوات اللہ علیہا ہیں جو کہ شہر قم میں مدفون ہیں اور آپؑ کا روضہ اہل عراق کا قبلہ حاجت بنا ہوا ہے۔ کاظم۔ یعنی غصہ کو پی جانے والا۔ آپؑ کا لقب ہے کیونکہ یہ صفت آپؑ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپؑ کا ایک غلام گرم حلیم لا رہا تھا یہ گرم حلیم آپؑ کے کسی بچہ کے ہاتھ پر گر اد یا آپؑ کو بہت غیظ آیا اس آدمی نے کہا: والکاظمین الغیظ یعنی جو لوگ غصہ پی جاتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: کَظَمْتُ غَیْظِي میں نے غصہ تھوک دیا۔ اس آدمی نے پھر کہا: و العافین عن الناس یعنی جو لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: عَفَوْتُ عَنْکَ میں نے تم کو معاف کر دیا: اس نے کہا: واللہ یحب المحسنین خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: میں تمہیں۔ راہِ خدا میں۔ آزاد کیا۔ اس کے بعد سے کاظم آپؑ کا لقب پڑ گیا۔ زکی اور عبد صالح بھی آپؑ کے القاب ہیں کیونکہ صفت صلاح وطہارت سے آپؑ مکمل طور پر متصف تھے۔

اَلشَّھِیْدِ بِشَرْبَۃِ السَّمِّ لَا بِصَوْلَۃِ الْجَیْشِ
آپؑ کو زہر سے شہید کیا گیا ہے لشکر و مردانگی سے نہیں۔

یہ آپؑ کو زہر دیئے جانے کی طرف اشارہ ہے۔ اس واقعہ کو ہم یہاں تفصیل سے نقل کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے معتبر کتابوں میں ملاحظہ کیا ہے۔

علی بن عیسیٰ اربلی نے اپنی کتاب کشف الغمہ[1] اور ابن صباغ مالکی نے اپنی کتاب "الفصول المھمہ فی معرفۃ الائمہ" میں روایت کی ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی ہارون رشید کا ذہین اور صاحب اختیار وزیر تھا، ایک وزیر ہارون رشید کے ان وزیروں میں سے امام موسیٰ کاظمؑ کے شیعہ عنوان سے مشہور تھا برمکی نے ایک منصوبہ بنایا تاکہ اس وزیر پر شیعہ ہونے کی تہمت لگائے اس سے کہا: مجھے آلِ ابوطالب سے نادار و مفلس آدمی کا نام بتاؤ تاکہ میں بھی اسے کچھ عطا کروں اور خلیفہ کے یہاں اس کا تعارف کراؤں برمکی چاہتا تھا کہ وہ امام موسیٰ کاظمؑ کا نام پیش کرے لیکن اس نے کہا: امام موسیٰ کاظمؑ کا بھتیجہ جو کہ آپؑ کا دشمن ہے اسماعیل بن ابراہیم بہت نادار و مفلس ہے۔

یحییٰ بن خالد نے اسے خط لکھا اور بغداد بلایا۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سمجھ گئے کہ اسے اس لئے بلایا

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۳۰-۲۳۴

گیا ہے تاکہ وہ مجھے بُرا بھلا کہے اور میرے خلاف منصوبہ بنایا جا سکے۔ آپؑ نے ابراہیم کو طلب کیا اور فرمایا: تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے؟ اس نے کہا میرے اوپر سات سو دینار طلائی قرض ہے، امام نے اسی وقت اس کا قرض ادا کر دیا۔ اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: خدا سے ڈرو! میرے قتل میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کرو اور میرے بچوں کو یتیم نہ کرو۔ لیکن اس نے آپؑ کی بات نہ مانی، امامؑ نے اسے چار ہزار درہم عطا کئے اور فرمایا: میں نے اپنے آباء واجداد سے سنا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: جب لوگ قطع رحم کر دیتے ہیں اور پھر کوئی صلہ رحم کرتا ہے اور کوئی دوسرا قطع کرتا ہے تو رحم اس کی گھات میں رہتا ہے یہاں تک اسے ہلاک کر دیتا ہے اور اس نے میرے رحم و قرابتداری کو قطع کیا ہے میں اسے متصل کرتا ہوں تاکہ اگر پھر قطع رحم کرے تو رحم اسے ہلاک کر دے۔

ابراہیم بغداد پہونچ گیا اور ہارون رشید کے پاس غیبت کی کہ دنیا بھر سے امام موسیٰ کے پاس خمس آتا ہے، تمام اہل عراق اور خراسان والے انھیں اپنا امام تسلیم کرتے ہیں چنانچہ خلفاء میں سے کسی کے پاس اتنا مال نہ تھا جتنا آپؑ کے پاس جمع ہے حد یہ ہے کہ انھوں نے تیس ہزار طلائی دینار میں ایک جگہ خرید لی ہے۔ جگہ کا مالک اس قیمت پر راضی نہ ہوا اور اس کے لئے اور قیمت معین کی ہے چنانچہ اسے بیس ہزار دینار اور دیئے گئے ہیں۔

اس بات سے ہارون رشید کو تشویش لاحق ہو گئی اور اس نے دو لاکھ روپیہ اس کا صلہ دیا۔ ابراہیم اس مال کے چیک کو لیکر بعض مشرقی شہروں میں پہونچا تاکہ وہاں سے موجودہ رقم کو وصول کرے اس نے اہل معاملہ کے پاس اپنے غلام بھیجے تاکہ اموال وصول کریں۔ اس کے بعد جب وہ اپنے گھر واپس لوٹ آیا تو گندے پانی کے کنویں کی لکڑی ٹوٹ گئی جس سے اس کا پیٹ چاک ہو گیا اور آنتیں باہر نکل آئیں، لوگوں نے اسے اٹھا کر دوسری جگہ لٹایا، جو لوگ مال وصولنے گئے تھے وہ اس وقت مال لیکر اس کے پاس واپس آئے جب وہ مرنے کے قریب تھا اور حسرت سے اس مال کو دیکھتے دیکھتے ہلاک ہو گیا اور آپؑ کی حدیث کے معنی اور کرامت آشکار ہو گئی۔

القصہ ہارون رشید امامؑ کے تعاقب میں نکلا اور حج کے لئے چلا۔ جب مدینہ پہونچا تو امامؑ نے

اونٹ پر سوار ہوکر اس کا استقبال کیا۔ ہارون رشید زیارت کے بعد اپنی منزل پر واپس آگیا دوسرے دن پیغمبر اسلامؐ کی زیارت کو گیا اور کہا: یارسول اللہ موسیٰ بن جعفرؑ آپؐ کی امت کے درمیان تفرقہ اندازی کرنا چاہتے ہیں، میں آپؐ سے حکم چاہتا ہوں تاکہ انھیں گرفتار کردوں اور انھیں آپؐ کی امت کے درمیان فتنہ پھیلانے کی مہلت نہ دوں۔ ان فضول باتوں سے وہ بزعم خود رسولؐ سے عذر خواہی کرتا ہے اور باہر نکل آتا ہے اور امامؑ کو گرفتار کرکے اپنے گھر لے گیا اور ایک جیسے دو کجاوے تیار کرائے ان میں سے ایک میں امامؑ کو بیٹھایا اور دونوں کو لے کر چلے اور ہر ایک کے ساتھ پچاس نگہبان روانہ کئے۔ ایک کجاوہ کو بصرہ کی طرف لے گئے اور دوسرے کو کوفہ کی سمت اس وقت محمد بن سلیمان ہارون کا چچازاد بھائی بصرہ کا حاکم تھا۔ آپؑ کو اس کے سپرد کیا اور ہارون خود حج کے لیے چلا گیا اور بغداد لوٹ آیا اور امام موسیٰ کاظمؑ مدتوں بصرہ میں محمد بن سلیمان کی قید میں محبوس رہے آپؑ ہمہ وقت عبادات و طاعات اور اوراد میں مشغول رہتے تھے۔ ایک مرتبہ محمد بن سلیمان نے سنا کہ امامؑ سجدہ میں یہ کلمات کہتے ہیں۔ اے میرے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے تجھ سے یہ دعا کی ہے کہ تو میری آنکھوں کو اپنی عبادت سے روشن کردے۔ الحمدللہ تو نے میری دعا قبول کرلی۔ اور میری آنکھوں کو اپنی عبادت سے منور کردیا ہے۔ ایک مرتبہ آپؑ نے ہارون رشید کو ایک خط لکھا اور اس میں تحریر کیا؛ تمہاری سے راحت، جاہ و فرحت اور سلطنت کا کوئی دن ایسا نہیں گزرا ہے کہ جس میں اسی تناسب سے میرا ہر دن فقر و افلاس اور غم میں گزرتا ہے یہاں تک ہم تم خدا کی بارگاہ میں پہونچیں گے وہاں ظالم مظلوم سے جدا ہوجائے گا۔

مختصر یہ کہ ایک مدت کے بعد ہارون رشید نے محمد بن سلیمان کو خط لکھا کہ موسیٰ بن جعفرؑ کو قتل کردو محمد بن سلیمان نے ہارون رشید کو جواب لکھا کہ میں ہمہ وقت ان کی نگرانی کرتا ہوں اور ہر وقت انھیں طاعات و عبادات میں مشغول پاتا ہوں۔ انھیں دنیوی امور سے کوئی ربط نہیں ہے انھیں قطعی خلافت کی فکر نہیں ہے لہٰذا میں انھیں قتل نہیں کرسکتا، کسی اور کو بھیجیے کہ وہ مجھ سے تحویل میں لے لے۔ ہارون رشید نے کسی کو بھیجا اور وہ امامؑ کو بغداد لے گیا اور فضل بن یحییٰ برمکی کے سپرد کردیا۔ فضل بن یحییٰ

آپؑ کا بہت خیال رکھتا تھا اور کماحقہ فریضہ تعظیم و توقیر کرتا تھا۔ اس سلوک کی ہارون رشید کو اطلاع پہونچی تو اس نے اپنے خادم مسرور کو بھیجا کہ تم تحقیق کرو اگر یہ خبر صحیح ہے کہ فضل موسیٰ کاظمؑ کی تعظیم کرتا ہے تو اسے داروغہ بغداد کے سپرد کر دو تاکہ اس کا دماغ صحیح ہو جائے اور موسیٰ بن جعفرؑ کو اس سے اپنی تحویل میں لے کر سندی بن شاہک کے سپرد کر دے۔

مسرور خادم سرعت کے ساتھ شام کے راستے[1] سے بغداد آیا اور داروغہ بغداد کے گھر پہونچا اور وہاں سے فضل کے گھر گیا اور اس بات کا سراغ لگایا کہ فضل امام کی تعظیم کرتا ہے وہاں سے نکل کر وہ داروغہ بغداد کے گھر پہونچا وہاں فضل کو بلایا اور تازیانے لگوائے اور امامؑ کو سندی بن شاہک کے سپرد کیا اور سندیؒ نے آپؑ کو شربت میں زہر دیدیا۔ بعض کا خیال ہے کہ کھانے میں زہر دیا تھا کہتے ہیں کہ جب زہر کھلا دیا اور آپؑ کی حالت غیر ہوئی تو سندیؒ «ابن شاھک علیه اللعنة و العذاب» نے آپؑ سے درخواست کی کہ میں آپؑ کو کفن دوں گا۔ آپؑ نے فرمایا: ہم اہل بیتؑ عورتوں کا مہر اور کفن۔ کی قیمت۔ خالص اپنے مال سے ادا کرتے ہیں۔ امامؑ نے سندیؒ سے فرمایا کہ میرا ایک چاہنے والا بغداد میں کرخ میں رہتا ہے اسے بلا کے لے آؤ تاکہ وہ میری تجہیز و تکفین کے امور انجام دے سکے۔ زہر خورانی کے تیسرے روز آپؑ نے وفات پائی۔

ان لوگوں پر خدا کی ہزار ہزار بار "علم خدا کے برابر، بیابان کے ذروں کی تعداد کے برابر اور بارش کے قطروں کی تعداد کے برابر" لعنت کہ جنہوں نے آپؑ کو زہر دیا ہے۔ جس نے زہر دینے کا حکم دیا اور جو آپؑ کی شہادت سے خوش ہوئے ان پر بھی تاقیامت خدا کی لعنت۔

آپؑ نے مکہ و مدینہ کے درمیان مقام ابوا میں ۱۲۸ھ[2] میں ۷ صفر کو ولادت پائی۔ اور ۲۵ رجب ۱۸۳ھ کو اور بعض۔ مورخین۔ کے قول کے مطابق ۵ رجب ۱۸۳ھ کو وفات پائی۔ اس وقت آپؑ کی عمر مبارک ۵۵ سال کی تھی۔

---

[1] مسند احمد ج ۳ ص ۱۵، البدایہ والنہایہ، ج ۷ ص ۲۹۸؛ حلیۃ الاولیاء، ج ۴ ص ۳۱۷/ ج ۳ ص ۲۲۷، الغدیر ص ۲۱۷-۲۲۱

[2] ملاحظہ فرمائیں معجم البلدان ج ۳ ص ۵۸-۵۹

اَلْمَدْفُوْنِ بِمَقَابِرِ قُرَیْش

آپؑ مقبرۂ قریش میں مدفون ہیں۔

مقبرۂ قریش بغداد کے مغرب میں واقع ہے۔ اب آپؑ۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ کا مرقد مطہر ہے۔ روایت ہے کہ آپؑ کی وفات پر بغداد میں ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا، تمام لوگ اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل پڑے اور اس تخت کو اٹھالائے جس پر آپؑ کو لٹایا گیا تھا اور تمام علماء ارباب حل وعقد جنازہ میں شریک تھے۔ جسد پر پہونچ کر لوگوں نے آپ کے بدن مبارک سے چادر ہٹائی اور ایک شخص نے بآواز بلند کہا، اے بغداد والو! آؤ دیکھو کہ موسیٰ بن جعفرؑ نے خود وفات پائی ہے۔ بدن پر کوئی زخم نہیں ہے چنانچہ بغداد کے قضاۃ، علماء اور ارباب حل وعقد نکل آئے تھے اور اس خط پر مہر لگائی جو موسیٰ بن جعفر پر رحم نے دیکھا تھا، آپؑ کے تمام اعضاء صحیح وسالم تھے۔ یہ ملعون اس بہانے سے اپنے دامن سے خون ناحق کا داغ چھڑانا چاہتے تھے۔ اور یہ نہیں جانتے تھے کہ دنیا کی لعنت قیامت تک اور آخرت کا دائمی عذاب ان کا مقدر بن چکا ہے۔[1]

اللهمَّ صلِّ و سلِّم على سيدنا محمد و آل محمد سيّما الامام العالم موسى الكاظم و سَلِّمْ تسليماً.

اے اللہ ہمارے آقا محمدؐ اور ہمارے سردار محمدؐ کی آل خصوصاً امام جہاں موسیٰ کاظمؑ پر رحمت وسلامتی نازل فرما۔

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۳۲ اس مطلب پر یہ دوسری دلیل ہے کہ کوئی آپؑ کے مہدی ہونے کا معتقد نہ ہو جائے ملاحظہ فرمائیں کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۳۲

امام رضا علیہ السلام

اللّھم صلّ و سلّم علی الإمام الثّامن

اے اللہ آٹھویں امامؑ پر رحمت وسلامتی نازل فرما۔

یہاں سے امام علی بن موسیٰ الرضاؑ پر درود کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ آپ آٹھویں امامؑ ہیں۔ اپنے والد امام موسیٰ کاظمؑ کے بعد منصب امامت پر فائز ہوئے۔ آپ متفقہ طور پر امام برحق ہیں۔ آپؑ کے فضائل و مناقب بے انتہا ہیں۔ ائمہ میں سے بطورِ خاص آپؑ کو علوم غریبہ اور آثار عجیبہ میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ روایتوں میں یہاں تک بیان ہوا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: ان ائمہ میں سے آٹھواں قائم ہوگا۔ امام رضاؑ کے کلمات، مناقب و فضائل آشکار و مشہور تھے اور امت میں سے ہر قسم کے لوگ، علماء عرفاء اور حکماء آپؑ کے علوم سے بہرہ مند ہوتے تھے۔ امامت اور نبوت و وصایت کے آثار آپؑ سے ہویدا تھے۔

اَلسَّیِّدِ الْحِسانِ اَلسَّنَدِ الْبُرْھانِ حُجَّۃِ اللّٰہِ عَلَی الْاِنْسِ وَ الْجانّ

امام رضاؑ نیک خصلت سردار اور نیک سیرت نیکوکار تھے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ معنوی و صوری محاسن، خَلق اور خُلق مکارم کے پیکر تھے نیکی آپؑ کی صفت ذات تھی اور احسان آپؑ کا وتیرہ تھا۔ آپؑ لوگوں پر حجت ہیں جو اظہار حق کے لئے قائم ہوئی ہے۔

امام رضاؑ جن و انس پر خدا کی حجت ہیں۔

یہ اُس چیز کی طرف اشارہ ہے جو کہ تمام آئمہ کی صفت ہے۔ تمام آئمہ اور جن وانس پر خدا کی حجت ہیں۔ روایت ہے کہ جس طرح آپؑ سے انسان علوم حاصل کرتے تھے اسی طرح جن بھی آپؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم و معارف کا درس لیتے تھے اور دین کے قواعد سیکھتے تھے۔ پس آپؑ جن وانس پر حجت خدا ہیں۔

اَلَّذي هُوَ لِجُنْدِ الأَوْلياءِ سُلْطان

آپؑ لشکر اولیاء کے شہنشاہ ہیں۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ساری دنیا کے اولیاء آپؑ کی امامت کی قلمرو کے پرچم کے نیچے ہیں اور سب آپؑ کے خادم و تابع ہیں۔ روایت ہے کہ شیخ معروف کرخی جو کہ طبقات مشائخ کے مقتدا ہیں اور ان کے کمالات و کرامات دنیا بھر میں مشہور ہیں اور ان کی قبر پر دعا مستجاب ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ معروف کرخی کی قبر۔ تریاق۔ مجرب ہے یہ بھی امام علی بن موسیٰ رضاؑ کے خادم تھے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بغداد کے دریا شط میں طغیانی آگئی قریب تھا کہ سارے بغداد کو بہالے جائے اس سے لوگ خوف زدہ تھے چنانچہ وہ معروف کرخی کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی: خدا سے دعا کر دیجئے کہ وہ غرق کرنے والی بلا سے ہمیں نجات عطا فرمادے۔ معروف کرخی نے کہا: جاؤ شط سے کہہ دو! اے شط ہم تجھے معروف کرخی کے سر کی قسم دیتے ہیں کہ پلٹ جا اور طوفان نہ اٹھا۔

لوگ گئے اور شط سے وہی کلمات کہے۔ اے معروف کرخی کے سر کی قسم دے کر کہا: کہ طغیان ترک کر دے اور پلٹ جا۔ چنانچہ شط میں اسی وقت ٹھہراؤ پیدا ہو گیا اور پانی کی سطح گھٹنے لگی اور لوگ غرق ہونے سے بچ گئے۔ معروف کرخی کی یہ بات مشہور ہو گئی جب معروف امام علی رضاؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امامؑ نے فرمایا: اے معروف یہ بات کیوں کہی اور شہرت طلبی کیوں کی؟ معروف نے عرض کی: میں نے راتوں کو آپؑ کی چوکھٹ پر جبہ سائی کی ہے۔ جس سے آپؑ کے آستانہ کی خاک میرے سر پر بیٹھ گئی ہے لہذا میں نے شط کو آپؑ کی خاک کی قسم دی تھی۔ لیکن لوگ نہ سمجھ سکے اور شط میں بھی آپؑ کے آستانہ کی خاک کی وجہ سے آرام پیدا ہو گیا تھا۔

صاحِبُ المُرُوَّةِ و الْجُودِ و الْاِحسانِ

آپؑ جود و مروت اور احسان کرنے والے ہیں۔

یہ آپؑ کے جود و کرم کی طرف اشارہ ہے جو کہ دنیا میں مشہور ہے اگرچہ ہر امامؑ اس صفتِ کامل سے متصف تھا لیکن یہ صفت آپؑ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ آپؑ کے جود و سخا کے بارے میں بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ روایت ہے کہ ابونواس شاعر نے خراسان میں آپؑ کی مدح میں تین شعر کہے تھے اور جب امامؑ مامون کے گھر سے روانہ ہوئے تو ابونواس بھی آپؑ کے ہمرکاب تھا اور وہ تین شعر آپؑ کو سنائے آپؑ نے تین سو دینار طلائی اسے بطور انعام دیئے۔ روایت ہے کہ اہل بیتؑ کی مدح کرنے والے اور مشہور شاعروں میں سے دعبل خزاعی نے ایک طویل قصیدہ کہا جو کہ شہدائے کربلا کے مرثیہ میں مشہور تھا اس کے ابتدائی اشعار درج ذیل ہیں:

مَنازِلُ آیاتٍ خَلَتْ مِنْ تلاوةٍ　　و مَهْبَطُ وَحْیٍ منزل القَفَرات

فَالُ زیادٍ فی القصور مصونة　　و آل علی ساکن الفَلَوات

دیگر اشعار شہدائے کربلا کے مرثیہ و نوحے سے متعلق تھے۔ یہ پورا قصیدہ خراسان میں امام علی رضاؑ کی مجلس میں پڑھا۔ آپؑ اس مدح سرائی سے بہت مسرور ہوئے اور دعبل کو اس قصیدہ کے انعام میں ایک لاکھ درہم عطا کئے۔ دعبل نے عرض کی: مولا مجھے اپنا پہنا ہوا کوئی پیراہن عطا کر دیجئے آپؑ نے اپنا پیراہن اتارا اور دعبل کو دیدیا اور فرمایا: اس کے بعد پیراہن کے سلسلہ میں ایک واقعہ پیش آئے گا۔

دعبل انعام لے چکے تو ایک بڑے قافلے کے ہمراہ خراسان سے بغداد کی سمت روانہ ہوئے، قافلہ میں متمول اور تاجر لوگ شامل تھے۔ دعبل کے پاس بھی بہت مال تھا۔ خراسان سے کچھ ہی دور قافلہ پہونچا تھا کہ قزاقوں نے قافلہ پر حملہ کر دیا اور مال و اسباب لوٹنے لگے۔ دعبل کہتے ہیں۔ جب قزاقوں نے

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۳۱۷

میرا اور لوگوں کا مال لوٹ لیا تو مجھے کسی چیز کا اتنا غم نہیں تھا جتنا پیرہن کا غم تھا جو مجھے امام علی رضاؑ سے ملا تھا، قزاقوں کا سردار ایک طرف بیٹھا تھا اور قزاق مال جمع کر رہے تھے، میں اس سردار کے پاس گیا اور بیٹھ گیا تو اس سردار نے خود بخود میرا وہ شعر پڑھنا شروع کر دیا جو کہ اس سے مناسبت رکھتا تھا۔

أری فَيْئَهُمْ مُقْسُومَةً فی غَدْوِهم و أیدیهم مِنْ فَيْئهم صَفرات[1]

میں نے کہا: اے سردار یہ شعر میرا ہے۔ میں ہی دعبل خزاعی ہوں۔ اس نے کہا: سچ تم ہی دعبل ہو! تمام قافلہ والوں نے گواہی دی ہاں یہ دعبل ہے۔ اس پر مجھے میرا مال واپس کر دیا اور امامؑ کے پیرہن کو بوسہ دے کر کہا: میں امامؑ کے جامہ کی برکت سے سارے قافلہ والوں کا لوٹا ہوا مال واپس کرتا ہوں۔ چنانچہ قافلہ والوں کا سارا مال لوٹا دیا۔ اس سے امام علی رضاؑ کی کرامت ظاہر ہوئی۔

المُتَلَألِئِ فیه أنوارُ النَّبیّ عِنْدَ عَیْنِ العِیانِ

صاحبان بصیرت و بصارت جانتے ہیں کہ آپؑ کی پیشانی میں نور رسولؐ جلوہ گر ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ کی پیشانی سے رسولؐ کے انوار کمال ظاہر و آشکار تھے۔

ایک محب اہل بیتؑ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: میں نباج[2] میں تھا نباج بصرہ کے راستہ میں مکہ و مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔ ایک شب میں نے خواب میں دیکھا کہ رسولؐ نباج میں تشریف لائے ہیں اور نباج کی مسجد میں حصیر پر تشریف فرما ہیں، خرموں کا ایک طبق آپؐ کے پاس رکھا ہوا ہے۔ میں قریب گیا، سلام کیا آنحضرتؐ نے مجھے ایک مشت خرمے دیئے۔ میں نے انہیں شمار کیا تو وہ ۱۸ تھے۔ اسی رات کی صبح کو میں صحرا میں تھا کہ معلوم ہوا کہ امام رضاؑ مدینہ سے تشریف لائے ہیں اور بغداد جا رہے ہیں

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۶۱ تا ۲۶۲، دعبل اور اس کے قصیدہ و شیعیان قم کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں کشف الغمہ ج ۲ صفحہ ۲۶۱۔

[2] یہ بصرہ کے حاجیوں کے لئے ایک منزل ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کتاب المناسک و اماکن طرق الحج و معالم الجزیرہ۔ تحقیق حمد الجاسر عربستان ۱۴۰۱۔ فہرست اماکن ۔ ان کا مال ایران کے دشمنوں میں تقسیم ہوتا دیکھ رہا ہوں اور اپنے مال سے وہ تہی دست ہو گئے ہیں۔

مسجد میں تشریف فرما ہیں، میں آپؑ سے ملاقات کے لیے دوڑتا ہوا مسجد پہونچا تو دیکھا کہ آپؑ اسی جگہ اور اسی حصیر پر تشریف فرما ہیں۔ جس جگہ خواب میں رسولؐ کو بیٹھے ہوئے دیکھا تھا اور ایسے ہی خرموں کا طبق آپؑ کے پاس رکھا ہوا ہے۔ میں قریب گیا، سلام کیا تو آپؑ نے ایک مشت خرمے عطا کیے، میں نے شمار کیے تو ۱۸ تھے۔ میں نے عرض کی، مولا کچھ اور دیجئے! فرمایا، اگر رسولؐ نے تمہیں زیادہ دیئے ہوتے تو میں بھی اضافہ کر دیتا۔[1] یہ آپؑ کے عظیم مراتب میں سے ہے۔

رافِعُ مَعالِمِ التَّوحیدِ و ناصِبُ اَلوِیَۃِ الْایمانِ

آپؑ توحید کی نشانیوں کو رفعت عطا کرنے والے اور پرچم ایمان کو نصب کرنے والے ہیں

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ نے لوگوں کے لیے توحید کی نشانیوں کو بیان کیا اور آپؑ ہی کی تعلیم و آگہی سے لوگوں کے لیے ایمان ظاہر و آشکار ہوا۔ شیخ کمال الدین ابن طلحہ نے اپنی کتاب مناقب الائمہ[2] میں اپنی اسناد سے روایت کی ہے کہ جس سال امام علی بن موسیٰ رضاؑ مدینہ سے خراسان تشریف لائے کیونکہ مامون رشید نے آپؑ کو (زبردستی) بلایا تھا۔ تاکہ آپؑ کو ولیعہد بنائے۔ چنانچہ جب آپؑ نیشاپور پہونچے تو اہل نیشاپور نے استقبال کیا، آپؑ اونٹ پر ہودج کے اندر تشریف فرما تھے۔ اس زمانہ میں مردم شماری کے اعتبار سے نیشاپور خراسان کا سب سے بڑا شہر تھا۔ چنانچہ تیس ہزار محدثین قلم و قرطاس لے کر امام علی رضاؑ کے استقبال کے لیے آئے تھے۔ استقبال کے لیے آنے والے محدثین میں امام احمد بن حرب[3] اور امام محمد بن اسلم ایسے عظیم محدث بھی شامل تھے۔[4]

جب اہل نیشاپور امام علی بن موسیٰ رضاؑ کے ہودج کے قریب پہونچے تو محدثین نے باآواز بلند کہا: اے فرزند رسولؐ خدا، ہم اس خدا کا واسطہ دے کر آپؑ سے التماس کرتے ہیں کہ جس نے آپؑ کو یہ عظمت و مرتبت عطا کی ہے، آپؑ اپنے آباء و اجداد کی اسناد سے ایک حدیث بیان کیجئے، آپؑ

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۳۱۳، [2] ... ابن طلحہ کی اس کتاب کا نام مطالب السؤل فی مناقب آل الرسولؐ ہے۔

[3] میزان الاعتدال ج ۱ ص ۸۹۔ متوفی سنہ ۲۳۴ھ　　[4] الاعلام ج ۶ ص ۳۴ متوفی سنہ ۲۴۲ھ۔

ہودج کا پردہ اٹھایا، سرِ اقدس باہر نکالا جس پر زلفیں لٹک رہی تھیں، اور فرمایا، مجھ سے میرے والد عبد صالح موسیٰ کاظمؑ نے اور ان سے ان کے والد، عبد صالح جعفر صادقؑ نے اور ان سے ان کے والد محمد باقرؑ نے اور ان سے ان کے والد زین العابدینؑ نے اور ان سے ان کے والد امیر المومنین حسینؑ شہید نے اور ان سے ان کے پدر بزرگوار امیر المومنین علی مرتضیٰؑ نے اور ان سے سید المرسلین محمد مصطفیٰؐ نے فرمایا: کہ مجھ سے میرے بھائی جبرئیلؑ نے بیان کیا ہے کہ خداوند عالم نے مجھ سے فرمایا: «كلمةُ لا اله الا الله حِصني فمَن قالها دَخَل في حِصني و من دخل في حِصني أمِن [مِن] عذابي». یعنی: کلمہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے اور حصار ہے جو یہ کلمہ پڑھے گا وہ میرے حصار و قلعہ میں داخل ہو جائے گا اور جو میرے قلعہ میں داخل ہو جائے گا وہ میرے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ جب آپؑ نے اس اسنادِ شریف[1] کے ساتھ اس حدیث کو بیان فرمایا تو محمد بن اسلم طوسی اور احمد بن حرب نیشاپوری نے اسے قلم بند کر لیا اسی طرح ان تیس ہزار متبحر محدثین نے بھی یہ حدیث لکھی[2] جو ان کے بزرگوں کے ساتھ آئے تھے۔ بتحقیق

---

[1] مولف نے اس حدیث کو دوسری جگہ اپنی اسناد سے کہ جن میں اول شیخ شریف محی الدین عبد القادر حسنی حنبلی مکہ ہیں۔ نقل کیا ہے اور اس کے ترجمہ کے بعد اضافہ کیا ہے کہ جب امام رضا صلوات اللہ علیہ نے یہ حدیث بیان کی تھی تو اس وقت دس ہزار لوگوں نے اسناد کے ساتھ یہ حدیث لکھی تھی۔ اور امام رضاؑ کے صحیفہ میں، کہ جس میں آپؑ سے منقول احادیث جمع ہیں، پہلی حدیث یہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ مہمان نامہ بخارا ص ۳۴۳ ـ ۳۴۵۔ ابن روزبہان۔ وہ ص ۳۴۲ پر رقمطراز ہیں۔ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ امام رضا صلوات اللہ علیہ سے مروی ان احادیث کو جو آپؑ نے اپنے آباء و اجدادؑ سے نقل کی ہیں۔ انھیں پڑھوں اور ان کا ترجمہ کر دوں ... چونکہ یہ حدیث عظیم الشان ہے اور اس کی اسناد اس قدر صحیح ہیں کہ علماء نے روایت کی ہے کہ ایک محدث نے اس حدیث کو بخارا کے ایک بادشاہ کی مجلس میں پڑھا تو بادشاہ نے محدث سے التماس کیا کہ مع اسناد یہ حدیث مجھے لکھ دیجئے اور وصیت کی: میرے مرنے کے بعد اس کو میرے کفن میں رکھ دینا اور میرے ساتھ قبر میں دفن کر دینا۔ منجملہ اس حدیث کے خواص میں سے ایک یہ ہے کہ اگر صدق دل سے اسے ایسے بے حال آدمی پر پڑھا جائے جو ہلاک ہوا چاہتا ہے تو اگر اس کی موت کا وقت نہیں ہوا ہوگا تو فوراً صحت کے آثار

کا قول ہے کہ یہ اسناد اگر مریض اور دیوانہ پر پڑھے جائیں تو اسے شفا مل جائے۔ کہتے ہیں کہ خراسان کے بادشاہ نوح بن منصور سامانی نے کہا: اس حدیث کو مع اس کی اسناد کے لکھ کر میری قبر میں رکھ دینا۔ اس فقیر۔ مولف۔ نے تجربہ کیا ہے کہ جس مریض کی عیادت کو میں گیا اور اس پر اس اسناد کو پڑھا تو خدا نے اسی روز اسے شفا عطا کی۔ یہ اس فقیر کے تجربات میں سے ہے مگر یہ کہ مریض کی حتمی موت کا وقت نہ آگیا ہو۔

الرّاقي عَلٰى دَرَجاتِ الْعِلْمِ وَ الْعِرْفان

آپؑ علم و عرفان کے بلند ترین درجات پر پہونچنے والے ہیں۔

یہ آپؑ کے کمالِ علم و معرفت کی طرف اشارہ ہے۔ روایت ہے کہ ہر جماعت کے اہل علم و معرفت آپؑ سے استفادہ کرتے تھے۔ آپؑ سے مشکل سوال دریافت کرتے تھے۔ فقہاء نے فقہ کے دقائق آپؑ ہی سے سیکھے ہیں۔ اطباء نے علم الابدان کا ذخیرہ آپؑ ہی کی مجلس سے حاصل کیا ہے، فلاسفہ و حکماء نے الٰہی و طبیعی معارف کا آپؑ ہی کے انوار کی روشنی سے استکشاف کیا ہے۔ عرفاء نے طریق کے آداب اور اسرارِ مکاشفات آپؑ ہی کے سلوک کے اطوار سے حاصل کئے ہیں، مختصر یہ کہ آپؑ ہر شعبہ کے اہل علم کے پیشوا ہیں۔

صاحِبِ مَنْقَبَةِ قَوْلِهِ ﷺ: «سَتُدْفَنُ بَضْعَةٌ مِنّي بِأرْضِ خُراسان»

آپؑ رسولؐ کے فرمان کے مطابق صاحب منقبت ہیں آنحضرت نے فرمایا تھا عنقریب میرا ایک ٹکڑا خراسان میں دفن ہوگا۔

← ظاہر ہو جائیں گے چنانچہ اس فقیر نے بہت سے بے حال لوگوں پر اس کو پڑھا اور تجربہ کیا ہے۔

[1] کشف الغمہ ج۲ ص۳۰۸ [2] کشف الغمہ ج۲ ص۳۰۸ اس سند کے بارے میں احمد بن حنبل نے کہتے ہیں: یہ مجنونوں کے لئے نسخہ ہے ان پر جنون طاری ہو۔ کشف الغمہ ج۲ ص۲۹۱ کشف الغمہ ج۲ ص۳۰۷ و تذکرۃ الخواص ص۳۵۲۔

یہ مشہور حدیث «سَتُدْفَنُ بَضْعَةٌ مِنّی بخراسان، مَنْ زَارَہ زارنی»[1] کی طرف اشارہ ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ: عنقریب ایک میرا بیٹا خراسان میں دفن ہوگا، جو کہ میرے بدن کے ٹکڑے کی مانند ہے، جس نے اس کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی۔

اے اللہ، اے پالنے والے، یا حی یا قیوم، محمدؐ عربی کے تصدق اور آپؐ کے پارۂ تن علی بن موسیٰ رضاؑ کے تصدق میں، اس سال مجھے بخیر و عافیت آپؑ کے روضۂ مقدس کی زیارت سے مشرف فرما۔

روایت ہے کہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضاؑ مدینہ کی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس زمانہ کا بادشاہ ہارون رشید عباسی آیا اور روضۂ رسولؐ کی زیارت کی جب وہ باہر نکل آیا تو امام رضاؑ نے فرمایا: «یا طوس سَتَجْمَعُنِي و إيّاه»، یعنی اے طوس عنقریب تو مجھے اور اسے ایک جگہ جمع کرے گا۔ لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس سے آپؑ کی مراد کیا ہے۔ یہاں تک کہ ہارون رشید خراسان آیا طوس میں دنیا سے گیا، اس کے بعد امام رضاؑ طوس تشریف لائے اور وہیں شہادت پائی اور طوس میں دونوں ایک جگہ دفن ہوئے یہ آپؑ کے علم کی طرف اشارہ ہے جو کہ خدا نے آپؑ کو عطا کیا تھا۔

اَلْمُسْتَخْرِجِ بِالْجَفْرِ و الْجامِعَةِ ما يَكُونُ و ما كانَ

آپؑ جفر و جامعہ کے ذریعہ علم، ماکان۔ ماضی کے علم۔ اور علم مایکون۔ مستقبل کے علم۔ کا استخراج کرنے والے ہیں۔[2]

---

[1] مذکورہ روایت خواجہ محمد پارسا کی کتاب، فصل الخطاب۔ کہ مولف نے زیر نظر کتاب فصل الخطاب سے متعدد جگہوں پر استفادہ کیا ہے ما «ستدفن بضعة منی بخراسان من زارہ عارفاً بحقہ فكأنما زار الكعبة سبعين مرة» منقول از فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی ای کتبۂ التحدیویہ در مصر۔ نیز عیون اخبار الرضاؑ ج ۲ باب ۶ ص ۲۵۵۔۲۵۹۔

[2] کشف ج ۲ ص ۳۱۵ د ص ۳۰۳۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ جفر و جامعہ کے ذریعہ علوم غیب کا استخراج فرماتے تھے۔ جفر و جامعہ دو علوم ہیں اور یہ صرف ائمہ معصومینؑ سے مخصوص ہیں۔ یہ علوم غریبہ ہیں چنانچہ ائمہ جفر کے ذریعہ گذشتہ و آئندہ کے حالات کا استنباط کرتے تھے۔ جفر تمام علوم کے اسرار و حکم کا جامع ہے ہم یہاں کچھ علم جفر کا حال قلم بند کرتے ہیں۔

جان لو کہ علمی لحاظ سے اشیاء کے چند وجود ہیں۔ ۱۔ وجود کتبی یا لفظی۔ ۲۔ وجود حفظی[1]۔ ۳۔ وجود خارجی جو کہ خارج و نفس الامر میں ہوتا ہے۔ عقلاء کے نزدیک اشیاء کی حقیقت یہ ہے کہ وہ خارج و نفس الامر میں موجود ہے۔ خارج میں اس کا وجود متحقق و ثابت ہو۔ اور اس پر حقیقت میں اور دوسرے مصداق پر مجازی طور پر وجود کا اطلاق ہوتا ہو۔ لیکن صوفیوں کی ایک محقق جماعت کا خیال ہے کہ اشیاء کا حقیقی وجود علم خدا میں ہے وہی حقیقی وجود ہے۔ دیگر مصادیق پر جو وجود کا اطلاق ہوتا ہے تو وہ مجازی طور پر ہوتا ہے یعنی وہ وجود حقیقی کے پرتو ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز خارج و نفس الامر میں موجود ہے وہ یا وجود لفظی یا وجود خطی میں جلوہ گر ہو سکتی ہے اور یا اصلی وجود پر دلالت کرے گا اس اسلوب سے تمام علوم وجود خطی میں جلوہ گر ہو سکتے ہیں۔ اور تمام علوم کتابت کی صورت سے مستفاد ہوتے ہیں اور صور خطی حروف کے مفردات سے مرکب ہیں اور مفرد حروف ۲۸ ہیں اور جامعہ جفر کبیر میں ان حروف میں سے ہر ایک کے لئے ۲۸ صفحہ رکھے گئے ہیں اور ہر صفحہ میں ۲۸ سطریں ہیں اور ہر سطر میں ۲۸ خانے ہیں اور ہر خانہ میں چار حرف رکھے جاتے ہیں پہلے حروف، حافظ حرف ہے دوسرا حرف حافظِ صفحہ اور تیسرا حرف حافظ سطر اور چوتھا حرف حافظِ خانہ۔ حافظ یعنی اس چیز کی طرف اشارہ کرے اور اس کے مرتبہ کو محفوظ رکھے مثلاً صفحہ میں الف حرفِ اول ہے سطرِ اول کے پہلے خانہ میں چار الف رکھنے چاہئیں پہلا الف اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حرفِ اول الف ہے ”حرف اول“ اور دوسرا الف اس بات کی علامت ہے کہ صفحہ اول ہے اور تیسرا الف اس بات کا غماز ہے کہ پہلی سطر ہے اور چوتھا یہ بتاتا ہے کہ پہلا خانہ ہے۔ تیسرے خانہ میں تین الف اور ب رکھنا چاہیئے کیونکہ حرف وسط اور صفحہ اپنی حالت پر باقی ہے اور خانہ اول دوسرے میں مبتدل ہو گیا، آخر تک اس طریقہ پر عمل کرنا چاہیئے۔ اسے جامعہ

[1] شاید خطی

جفر کبیر کہتے ہیں کیونکہ یہ ان تمام چیزوں کا جامع ہے جس کی ترکیب کا اس میں احتمال ہوتا ہے۔ یہ ہے صورت جامعہ۔ لیکن اس صور خطی کے اپنے مدلولات پر دلالت کرنے کو صرف اہل بیتؑ اور آئمہ اثنا عشری جانتے ہیں۔ ہمیں اس کا علم نہیں ہے۔ ہاں وجہ دلالت کے احتمالی طریقوں کو کسی قدر سمجھتے ہیں اس کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ امام رضاؑ اس کامل و فائق استنباط میں تمام آئمہ سے زیادہ مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب خلیفہ مامون رشید نے ولیعہدی تفویض کرنے کے لئے آپؑ کو مدینہ سے بلایا تھا۔ بلانے کا سبب یہ تھا کہ مامون رشید کی اس کے بھائی محمد امین سے جنگ شروع ہو گئی تھی طاہر بن الحسین نے خراسان سے بغداد پہنچ کر محمد امین کو قتل کر دیا اور مامون بلا شرکت غیرے بادشاہ بن گیا۔ مامون رشید کا وزیر فضل بن سہل بہت زیرک و تجربہ کار تھا، اس نے اپنے بھائی حسن بن سہل کو بغداد کا حاکم بنا کر بھیجا حسن بن سہل عرب امراء میں سے نہیں تھا ہاں اہل قلم اور علم نجوم کا ماہر تھا کوفہ اور عراق کے امراء عرب اس کی حکومت سے خوش نہیں تھے اس لئے انھوں نے علوی سادات سے اتحاد کر لیا اور مامون کے خلاف خروج کرنے لگے ہر صوبہ میں علویوں نے خروج کیا جس سے مامون پریشان ہو گیا۔ ہر چند اس نے فضل بن سہل سے پوچھا کہ آخر اس بحران کا سبب کیا ہے مگر فضل نے کوئی تشفی بخش جواب نہ دیا۔ ظاہر ہے کہ اس کا سبب امراء عرب کا حسن بن سہل کی حکومت سے راضی نہ ہونا اور علویوں سے اتحاد کر لینا تھا۔

جب علوی مضبوط ہو گئے اور مامون کی حکومت میں رخنہ پڑ گیا تو فضل بن سہل نے مامون سے کہا، یہ علوی لوگ خلافت کی طمع میں پڑ گئے ہیں اور عرب کی فوج نے بھی ان سے اتحاد کر لیا ہے۔ اب اس کے سدباب کے لئے ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ علوی سادات میں سے سب سے زیادہ معزز و شریف، کہ جس کی شرافت سب کے لئے مسلم ہو، کو بلایا جائے اور اسے ولیعہدی تفویض کر دی جائے۔ اس وقت علوی سادات یہ سمجھیں گے کہ خلافت انھیں واپس مل گئی ہے، اس کے بعد خروج و شورش کا سلسلہ ختم ہو جائے گا، اس کے بعد صرف خراسان کے امور کی تدبیر

کرنا پڑے گی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مامون پڑھا لکھا آدمی تھا، حقیقت وہ خلافت کو بنی عباس سے نکال کر اولادِ علیؑ کو واپس دینا چاہتا تھا، حیلہ بازی نہیں تھی بلکہ اس کا مقصد احقاقِ حق تھا اور امانت کو اہلِ امانت کے سپرد کرنا چاہتا تھا۔[1]

ولیعہدی قبول کرنے کے سلسلہ میں امام رضاؑ نے جو خط لکھے ہیں وہ اس بات کی طرف اشارہ ہیں: چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

بے شک امیر المومنین نے ہمارے حق کو پہچانا جبکہ دوسروں نے فراموش کر دیا تھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خلافت ہمارا حق تھا اور امیر المومنینؑ نے اسے پہچان لیا اور ہمیں واپس لوٹا دیا جبکہ۔ مامون کے علاوہ۔ دوسروں نے ہمارا یہ حق نہ پہچانا اور خود خلیفہ بن بیٹھے۔ کہتے ہیں کہ بنو عباس امام رضاؑ کے ولیعہد بنائے جانے سے ناخوش تھے وہ کہتے تھے کہ مامون حرام زادہ ہے، لہٰذا انھوں نے مامون کے خلاف شورش برپا کر دی اور بغداد میں مامون کے چچا ابراہیم کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ جب مامون نے کام بگڑتا ہوا دیکھا تو اس نے آخرت پر دنیائے فانی کو ترجیح دی

---

[1] یہ عقیدہ کہ امام رضاؑ کے ساتھ مامون کا برتاؤ فریب کارانہ اور شر والا نہیں تھا۔ اور امام رضاؑ کو اس نے شہید نہیں کیا ہے یہ علی بن عیسیٰ اربلی کی کشف الغمہ ج ۲ صـ ۲۸۲ ـ ۲۸۳ سے ماخوذ ہے انھیں اس بات میں شک ہے کہ امام کو مامون نے شہید کیا ہے اس عقیدہ کے نسبت انھوں نے سید بن طاؤس کی طرف دی ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار کی ج ۴۹ صـ ۳۱۲ پر اربلی کے اشکالات کے جواب دیئے ہیں نیز ملاحظہ فرمائیں الفوائد الرضویہ صـ ۳۱۶ ـ ۳۱۷، شیخ مفید نے بھی شہادتِ امام رضاؑ کے سلسلہ میں مامون کے بارے میں اظہارِ نظر نہیں کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں تصحیح الاعتقاد صـ ۱۳۲ (مصنفات الشیخ المفید ج ۵) اگرچہ موصوف نے "ارشاد" میں امام رضاؑ کی شہادت سے متعلق خبریں قلم بند کی ہیں، علی بن عیسیٰ اربلی نے، مفید کے اس نظریہ پر تنقید کی ہے کچھ عرصہ قبل جناب حسن الامین اس نظریہ کی تائید میں ایک کتاب تحریر کی ہے۔

ہے اور امام رضاؑ کو زہر دیدیا۔ اس حقیقت سے خدا ہی واقف ہے کہ مامون نے ایسا کیوں کیا ہے؟

مختصر یہ کہ فضل بن سہل کی سوچی ہوئی تدبیر سے مامون نے اتفاق کیا کیونکہ اس وقت علویوں میں حسبی ونسبی لحاظ سے امام رضاؑ ہی افضل واشرف تھے۔ مامون نے آپؑ کو خط لکھا، آپؑ مشغول عبادت تھے، خلافت ومملکت کی طرف قطعی التفات نہیں فرماتے تھے۔ نہایت ہی احترام واکرام کے ساتھ مامون آپؑ کو مدینہ سے خراسان لایا اور استقبال وتعظیم کے تمام فرائض انجام دیئے۔ اور آپؑ کو ولیعہدی قبول کرنے پر مجبور کیا، ہرچند امام رضاؑ نے انکار کیا لیکن مامون نے قبول نہ کیا، ایک بڑے اجتماع کا اہتمام کیا گیا پرچموں پر آپؑ کے شایان شان کے نعرے لکھے گئے۔ لشکر کے سردار امراء عرب بنی عباس اور بنی ہاشم کے سربرآوردہ اشخاص اور قریش کے سرو سار کو اس اجتماع میں بلا گیا اور حکم دیا گیا کہ امام رضاؑ کے ہاتھ پر مامون کے بعد ولیعہد کے عنوان سے بیعت کریں۔

ایک دوستدارِ اہل بیتؑ نے روایت کی ہے کہ جس روز مامون نے امام رضاؑ کو اپنا ولیعہد مقرر کرنا چاہتا تھا اس دن ایک مجلس آراستہ کی تھی آپؑ کے سر پر سبز پرچم بلند کئے تھے امام رضاؑ نے سبز لباس زیب تن کر رکھا تھا، چودھویں کے چاند کی مانند جلوہ گر تھے۔ میں امام رضاؑ کی شکل وشمائل اور شان وشوکت سے متحیر حیرت میں تھا اور اس خوشی میں کہ آپؑ کو خلافت مل گئی ہے۔ قریب تھا کہ میں اچھل پڑوں! امامؑ نے میری طرف دیکھا، مجھے بہت مسرور پایا تو مجھے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا جب میں قریب گیا تو میرے کان میں فرمایا: بہت زیادہ خوش نہ ہو یہ کام ہونے والا نہیں ہے اور وہی ہوا جو امامؑ نے فرمایا تھا۔

اس کے بعد مامون نے تمام حکام اور ملت کو خط لکھے کہ امامؑ کی بیعت قبول کریں اور امام رضاؑ سے اپنی بہن کا عقد کردیا۔ بہت بڑا جشن منایا۔ روز بروز آپؑ کی تعظیم وتوقیر بڑھتی چلی گئی ولیعہدی کا عہد نامہ خود اپنے ہاتھ سے لکھا۔ اس بنا پر امام رضاؑ نے بھی ایک دستاویز لکھی، هذا ما كتبتنا على حسب حالك، و انا الجفرُ و الجامعة فيدلانِ على ضدِّ ذلك[1] یعنی یہ وہ چیز ہے کہ جو ہم تمہارے حسب حال لکھدی ہے لیکن جفر وجامعہ اس چیز کی اجازت نہیں دیتے ہیں جو لکھی ہے۔ اس

[1] کشف ج ۲ ص ۸۷۔

فقرہ سے یہ بات سمجھائی کہ جفر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام پایہ تکمیل تک پہونچے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مستقبل کے حالات آپؑ جفر کے ذریعہ کشف کرتے تھے[1] جیسا کہ مذکورہ میں سے فقرہ اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

اَلْمَقُوْلِ فِی شَرَفِ ابائِهِ: سِتَّةَ ابائِهِ كُلُّهُمْ أَفْضَلُ مِنْ شُرْبِ صوب العنان

کہا گیا ہے کہ آپؑ شرف میں اپنے آباء کے شریک ہیں[2]

یہ بیت اس چیز کی طرف اشارہ ہے جو کہ مناقب کی کتب میں مذکور ہوئی ہے جب مامون لوگوں سے امام رضاؑ کی بیعت لے چکا اور اہل مکہ و مدینہ بیعت کر چکے تو اس نے یہ حکم صادر کیا کہ: خطبہ میں اس کے نام کے بعد امام رضاؑ کا نام لیا جائے۔ مدینہ رسولؐ کا خطیب بڑا فصیح و بلیغ تھا امام رضاؑ کا نام اس نے اس طرح لیا: اللهم أصلح امور المسلمين بمولاناو وليّ عهد أمير المؤمنين الرضا على بن الكاظم موسى بن الصادق جعفربن الباقر محمدبن زين العابدين على بن الشهيد الزكى حسين بن المرتضى على ستة اباته كلهم افضل [م] من شرب صوب العنان[3]

یعنی آپؑ کی چھ پشتیں ان تمام لوگوں سے زیادہ فاضل ہیں جنھوں نے آسمان کے بادل کا پانی پیا ہے کہنا یہ چاہتے ہیں کہ چھ پشتوں تک آپؑ کے آباء سارے انسانوں سے زیادہ فاضل و با علم ہیں کیونکہ سارے انسان بارش کا پانی پیتے ہیں۔ یا اس سے مراد عرب و بادیہ نشین ہیں کہ وہ بارش کا پانی پیتے تھے جیسا کہ رسول اسلامؐ کا ارشاد ہے: یا عرب یا بنی ماء السماء اے آب آسمان کے بیٹو! اس

---

[1] منصوص من اللہ امامؑ کا علم موہوبی ہوتا ہے وہ کسب و تحصیل کا محتاج نہیں ہوتا ہے اور جس چیز کو جاننا چاہتا ہے جان لیتا ہے۔ مترجم

[2] عبارت میں سکتہ واقع ہوا ہے۔

[3] مہمان بخارا ص۳۳۶ مؤلف نے یہی نسب نامہ امام رضاؑ کے لئے نقل کیا ہے ہاں عبارت کے آخر میں "العنان" کی بجائے "الغمام" مرقوم ہے ملاحظہ فرمائیں الفصول المہمہ ص۲۵۶

بنا پر آپؑ کے جد آبا و اجداد تمام عرب سے افضل ہیں اور جب عرب سے افضل ہیں تو عجم سے بھی افضل ہیں کیونکہ عرب عجم سے افضل ہیں؛

اَلْمُقْتَدِی بِرَسُولِ اللهِ فِی کُلِّ حالٍ و فی کُلِّ شَأْنٍ

امام رضاؑ ہر حال اور ہر پیش آنے والی صورت حال میں رسول اللہ کی اقتدا کرنے والے ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ تمام امور میں رسولؐ کی اقتدا فرماتے تھے۔ روایت ہے کہ جب مراسم ولیعہدی ختم ہو چکے اور مامون نے ہر امر میں آپؑ کی اقتدا کرنے کا اظہار کیا تو آپؑ نے اس شرط پر خلافت قبول کی کہ جب تک مامون زندہ ہے اس وقت تک میں حکومت و خلافت، ولایت اور صوبوں کے امور میں کوئی حصہ نہیں لوں گا۔ جب ولیعہدی کے بعد پہلی عید آئی تو عید کی صبح میں مامون نے کسی کو امام رضاؑ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا؛ ہر چند میں نے یہ شرط مان لی تھی کہ آپؑ کو کسی کام کی تکلیف نہیں دی جائے گی۔ لیکن عید کا دن ہے میں چاہتا ہوں کہ عید کی نماز آپؑ ہی پڑھائیں تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ولیعہدی آپؑ کو تفویض کی گئی ہے۔

امامؑ نے جواب دیا؛ میں نے یہ شرط رکھی تھی کہ خلافت کے امور میں سے کسی امر میں بھی مجھے زحمت نہ دی جائے اور عید کی نماز پڑھانا ان ہی امور میں سے ہے جو خلافت سے متعلق ہیں۔ امیر المومنین سے یہ گذارش ہے کہ اس امر سے مجھے معاف رکھیں۔ مامون نے جواب میں کہلایا؛ ہم نماز میں آپؑ کی سیرت سے واقف ہونا چاہتے ہیں تاکہ لوگ آپؑ کی سیرت پر چلیں اس لئے آپؑ کی عذر خواہی سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ امامؑ کے بعض محبین نے کہا؛ اس امر میں مبالغہ کی ضرورت نہیں ہے، آپؑ نماز پڑھا کر خلیفہ کا دل جیت لیجئے۔ امامؑ نے فرمایا؛ وہ اسے برداشت نہیں کرے گا۔

بے حد اصرار کے بعد امامؑ نے قبول فرمالیا۔ مامون نے حکم صادر کیا کہ بنی عباس کے سربرآوردہ اشخاص، فوج کے سردار، امراء عرب، قریش کے بزرگ، علماء و محدثین اور قضاۃ و عوام امام رضاؑ کے دروازہ پر حاضر ہو جائیں اور آپؑ کے ہمراہ عید گاہ جائیں۔ یہ واقعہ نیشاپور کا ہے[1]۔ آپؑ کے

[1] اصولی طور پر اس واقعہ کو مرکز خلافت "مرو" میں رونما ہونا چاہیے تھا نہ کہ نیشاپور میں۔

خانہ مبارک پر لوگوں کا اژدہام ہو گیا، جمع ہونے والے سوچ رہے تھے کہ آپؑ گذشتہ خلفاء کی سیرت کے مطابق خلافت کی مشنری کے سواروں کی ایک جماعت کے ساتھ عید گاہ جائیں گے لیکن آپؑ نے سیرت رسولؐ پر عمل کیا، غسل کیا گیسو سنوارے نصف ساق تک سفید پیراہن زیب تن کیا، سفید عمامہ باندھا، دونوں شانوں کے درمیان اس کا طرہ لٹکایا اور نعلین مبارک پہنے۔ اس صورت میں آپؑ اچانک درخشاں آفتاب کی مانند، سرتاپا نور مترشح تھا، بیت الشرف سے برآمد ہوئے اور باواز بلند فرمایا الله أكبر الله أكبر. سوار اپنے گھوڑوں سے نیچے اتر پڑے اور آپؑ کے ساتھ سب تکبیر کہنے لگے۔ آپؑ نعلین پہن کر پیدل چلے ہر قدم پر تکبیر کہتے تو سارا مجمع تکبیر کہتا یہاں تک کہ آپؑ کی تکبیر کے ساتھ در و دیوار سے بھی تکبیر کی آواز آنے لگی لوگوں پر رقت طاری ہو گئی، تکبیر و فغاں کی صدائیں آنے لگیں۔ گویا ساری کائنات سے تکبیر و تسبیح اور حمد کی آواز آرہی تھی، عجیب و غریب کیفیت پیدا ہو گئی اور آپؑ کے ہر قدم پر اس صورت حال میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ لوگوں کی فریاد و آہ اور تضرع و زاری بڑھتی ہی جاتی تھی۔ مامون اپنے محل میں بیٹھا تھا، اس کے چاہنے والے اس کے پاس گئے اور صورت حال سے اس کو آگاہ کیا۔ اور کہا اپنی حکومت کو بچاؤ اگر امام رضاؑ اسی صورت میں مصلے تک پہونچ گئے تو تمھیں کوئی خلیفہ کی حیثیت سے سلام نہیں کرے گا۔ امامؑ مصلے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مامون نے کسی کو آپؑ کے پاس بھیجا آنے والے نے کہا: خلیفہ نے کہا ہے ہم نے آپؑ کو زحمت و تکلیف دی آپؑ اپنے گھر لوٹ جائیے[1] امام رضاؑ راستہ ہی سے واپس لوٹ گئے اور اپنے اصحاب سے فرمایا: میں نے نہیں کہا تھا کہ یہ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ جب امام واپس چلے گئے تو مامون سوار ہوا اور نماز عید پڑھائی۔ مذکورہ فقرہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام رضاؑ تمام امور میں پیغمبر اسلام کی اقتدا کرتے تھے۔

أبي الحسن علي بن موسى الرضا الإمام القائم الثامن

---

[1] کشف الغمہ ج۲ ص۲۷۸ و ص۲۷۹ (نیشاپور اربلی سے منقول نہیں ہے)

حضرت امیرالمومنینؑ کی طرح ابوالحسن آپؑ کی کنیت ہے۔ آپؑ کے بعد آپؑ کے بیٹے امام جوادؑ امام ہوئے رضاؑ آپؑ کا لقب ہے، کہتے ہیں کہ مامون نے آپؑ کو رضا کا لقب دیا چنانچہ اس عہد نامہ میں ہے جو کہ مامون نے لکھا تھا اس میں تحریر ہے "و جَعَلْتُ لَهُ الإمرة الكبرى مِنْ بَعْدِي و سَمَّيته الرضا" یعنی میں نے اپنے بعد انہیں حکومت دی اور ان کا نام رضا رکھا ہے

آپؑ کے القاب میں سے امام قائم و ثامن بھی ہے جو رسول اکرمؐ کی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ آپؑ نے فرمایا تھا: امام بارہ ہیں اور آٹھواں ان میں سے امام موعود ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو مراد یہ نہیں ہے کہ آپؑ کو مامون کی ولیعہدی ملے گی۔ کیونکہ وہ مکمل نہیں ہوئی بلکہ امامت سے ظاہر ہونے والے آثار اور حجج باہرہ اور براہین ثابت مراد ہیں۔

الشَّهيدِ بِالسَّمِّ فِي الغَمِّ و البُؤْسِ؛ اَلْمَدْفُونِ بِمَشْهَدِ طُوس

آپؑ نے رنج و محن میں زہر سے شہادت پائی ہے آپؑ زمین طوس میں مدفون ہیں۔

یہ آپؑ کی سبب شہادت اور جسد اطہر کے محل دفن کی طرف اشارہ ہے۔ روایت ہے کہ ولیعہدی کے مراسم و امور تمام ہونے کے بعد آپؑ خراسان میں مامون کے پاس ساکن ہوگئے اور مامون کے یہاں آمد و رفت شروع ہوئی مامون بھی آپؑ کی بہت تعظیم و احترام کرتا تھا اور مشکلوں میں امامؑ کے علوم سے استفادہ کرتا تھا۔ اسی طرح مامون کی مجلس میں شریک ہونے والے "حکما" فقہاء اور ارباب ادب بھی تمام علوم میں آپؑ ہی کے علوم سے استفادہ کرتے تھے۔ امام رضاؑ نے مامون کی درخواست پر حفظان صحت کے موضوع پر ایک رسالہ تحریر کیا جو کہ مامون کے حکم سے سونے سے لکھا گیا اور اس کا نام رسالۂ ذہبیہ رکھا گیا۔ آپؑ کی مجالس کی حکایات اور حاضرین مجالس و مامون پر آپؑ کے فائق ہونے کے بہت سے واقعات ہیں اس مختصر کتاب میں ان کی گنجائش نہیں ہے۔

لہ کشف الغمہ ج ۲ ص ۳۲۹ - و ۳۲۳ - ۳۳۷ - ۲۹۶ -

صاحب کشف الغمہ اپنی کتاب میں روایت کرتے ہیں کہ امام رضاؑ ہر صبح کو مامون سے ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تھے ہر طبقے کے لوگ بنی عباس کے شرفاء، فوج کے سردار، علماء، امراءِ عرب اور قریش کے سربر آوردہ اشخاص بھی مامون کے دربار میں حاضر ہوتے تھے۔ حاجبوں کی عادت تھی کہ جیسے ہی امامؑ تشریف لاتے تھے ویسے ہی سب سے پہلے آپؑ کیلئے دروازہ کھول دیتے تھے اور بڑھ کر آپؑ کا استقبال کرتے تھے اور خدام کے فرائض بجالاتے تھے اور جب آپؑ پردہ کے قریب پہونچتے تھے تو پردہ اٹھاتے اور امامؑ اندر داخل ہوجاتے تھے۔

ایک روز حاجب ایک دوسرے سے کہنے لگے جتنی تعظیم ہم علی بن موسیٰؑ کی کرتے ہیں اتنی تو خلیفہ کے قوم قبیلہ والوں کی بھی نہیں کرتے اور نہ امراءِ بنی عباس کی کرتے ہیں آج اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ جب وہ آئیں گے تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوں گے۔ اور نہ آپؑ کے لئے پردہ نہیں اٹھائیں گے۔ پھر دیکھتے ہیں کہ آپؑ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ جب امام رضاؑ تشریف لائے اور پردہ کے قریب پہونچے تو کسی نے پردہ نہ اٹھایا لیکن اسی وقت ہوا چلی اور خود بخود پردہ اٹھ گیا اور امامؑ مامون کے پاس تشریف لے گئے، ہوا بند ہوگئی اور جب آپؑ باہر تشریف لے جانے کے لئے پردہ کے قریب پہونچے تو پھر شدید ہوا چلی اور پردہ اٹھ گیا یہ کیفیت دیکھ کر حاجبوں نے امامؑ کے دست مبارک کو بوسہ دیا، وہ سمجھ گئے کہ آپؑ برحق امام اور وارث انبیاء ہیں، اسی لئے خدا نے ہوا کو حکم دیا جیسا کہ سلیمان کے لئے ہوا کو مسخر کر رکھا تھا[1]

اسی طریقہ سے مامون کے ساتھ آپؑ کا زمانہ گزر رہا تھا کہ بنی عباس نے مامون کی مخالفت شروع کردی اور بغداد میں مامون کے چچا ابراہیم بن مہدی کو خلیفہ تسلیم کرلیا، جگہ جگہ مامون کے خلاف شورش برپا ہوگئی بعض امراء نے اس بحران کا ذمہ دار فضل بن سہل کو قرار دیا اور مامون کو فضل سے متنفر کردیا اور چونکہ امام رضاؑ کو ولیعہد مقرر کرنے میں فضل بن سہل کوشاں تھا اور درپردہ شیعہ

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۷۰، الفصول المہمہ ص ۲۴۵

اور حضرت امام رضاؑ کا دوست تھا۔ یہ باتیں بھی مامون کے ذہن نشین کرائی گئیں اور یہ بات باور کرائی کہ اگر تم نے امام رضاؑ اور فضل بن سہل کو قتل نہ کیا تو خلافت تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی لہذا مامون۔ علیہ اللعنۃ۔ ان لوگوں کی باتوں میں آگیا اور اس نے امامؑ کے قتل کرنے کا عزم کر لیا۔ اور ابراہیم بن مہدی سے نپٹنے اور بنی عباس کو خوش کرنے کے لئے خراسان سے بغداد گیا۔ امام رضاؑ کو جفر اور جامعہ کے ذریعہ یہ معلوم ہو چکا تھا مامون کیا چاہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ مامون نے انگور کے خوشہ کے نصف حصہ کو زہر آلودہ کر کے طبق میں رکھا اور امام رضاؑ کو بلایا اس روز مملکت طوس کے موضع سناباد میں، جسے آج کل مشہد کہتے ہیں، امام تشریف لے گئے۔

جب امام تشریف لائے تو مامون نے انگور کا خوشہ ہاتھ میں اٹھایا اور خوشہ کے اس نصف حصہ سے انگور کھانا شروع کر دیئے جو زہر آلود نہیں تھا۔ امامؑ سے مخاطب ہوا۔ اے ابوالحسن یہ بہترین انگور ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپؑ بھی تناول فرمائیں۔ امامؑ جانتے تھے کہ یہ زہر آلود ہیں لیکن خدا کے فیصلہ پر راضی تھے۔ لہذا کھانے سے انکار نہ کر سکے چنانچہ مامون کے ہاتھ سے خوشہ لے کر چند انگور تناول کیے، حالت غیر ہو گئی لہذا خوشہ رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور گھر تشریف لے گئے حالت اور زیادہ بگڑ گئی مامون (علیہ اللعنۃ والعذاب) آپؑ کی عیادت کے لئے آیا، زہر اپنا کام کر چکا تھا چنانچہ تیسرے روز شہادت پائی اور اس دار فنا سے باغ جناں کی طرف کوچ کیا۔

۱۴۸ھ میں ولادت پائی۔ کچھ لوگوں کا نظریہ ہے کہ گیارہ ذی قعدہ بروز جمعہ ۱۵۳ھ کو ولادت پائی اور صوبہ خراسان کے موضع سناباد میں ماہ صفر کے آخر میں شہادت پائی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں ۲۳ رمضان بروز جمعہ ۲۰۳ھ میں شہادت پائی۔ وفات کے وقت آپؑ کی عمر شریف ۵۵ سال اور بعض کے نزدیک ۴۹ سال تھی۔ صلی اللّٰہ علیہ و علی آبائہ الطاھرین و اولادہ الطیبین الی یوم الدین.

لہ یہ بات گذشتہ بیان کے منافی ہے۔

جس نے آپؑ کو زہر دیا اور آپؑ کی شہادت سے خوش ہوا، اور جو اس میں شریک تھا اور جس نے زہر دینے کا حکم دیا ان سب پر تاقیامت ہزار ہزار بار خدا کی لعنت۔

ایک محبِ اہل بیتؑ نے روایت کی لے ہے کہ زہر خورانی سے چند روز قبل امامؑ نے مجھے تنہائی میں بلایا اور فرمایا: میں تم سے ایک راز کی بات بتاتا ہوں لیکن میرے جیتے جی کسی سے نہ بتانا: جان لو کہ میری اجل قریب ہے، یہ ظالم مجھے قتل کریں گے، میں زہر آلود انگور کھاؤں گا اور اسی سے میری موت واقع ہو گی اور جب میں دنیا سے اٹھ جاؤں گا تو مامون مجھے اپنے باپ کے پاس دفن کرنا چاہے گا لیکن وہاں کی زمین سخت ہو جائے گی ہر چند وہ کھودنے کی کوشش کریں گے مگر کامیاب نہیں ہوں گے اس جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جہاں آج آپؑ کا مرقد ہے کہ وہاں میرا مدفن ہے جب اسے کھودا جائے گا تو وہاں ایک باغ نظر آئیگا وہاں جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ جاری ہے اور وہاں جنت کے تختوں میں سے ایک تخت بہترین کپڑوں سے سجا ہوا رکھا گیا ہے تم انھیں اس جگہ کا پتہ بتا دینا تا کہ وہاں قبر کھود کر دفن کریں۔ جب آپؑ نے وفات پائی تو مامون نے آپؑ کے جنازہ پر بہت گریہ و بکا کیا اور ماتمی انداز اختیار کیا۔ مامون نے آپؑ کے دفن کے لئے اس جگہ کی تعیین کی جو کہ اس کے باپ کی قبر سے متصل تھی لیکن ہر چند لوگوں نے وہاں قبر کھودنا چاہی لیکن نہ کھود سکے جب وہ عاجز ہو گئے تو میں نے آگے بڑھ کر پورا واقعہ نقل کیا اور مذکورہ جگہ کا نشان بتایا چنانچہ جب وہاں قبر کھودی گئی تو امامؑ کے بیان کے مطابق روضہ، چشمہ، تخت، اور جنت کی حور دیکھی لہذا اسی روضۂ مرقد منور اور مشہد معطر میں دفن کیا گیا اور روضہ تاقیامت تمام حاجتمندوں کی حاجت روائی کے لئے کعبۂ امید بنا رہے گا۔ صلوات اللہ و سلامہ علیہ و تحیاتہ و رضوانہ علی تلک الروضۃ المقدسہ و رزقنا زیارتہا و عمر بالانوار الالہیہ و الفتوح القدسیہ عمارتہا

احقر العباد فضل اللہ بن روزبہان الامین کو الطاف الٰہی سے قوی امید ہے کہ اس فقیر کو آپؑ

لے یہاں سے (م) میں ایک صفحہ نہیں ہے۔

کے مرقد مطہر اور مشہد منور کی بخیر و عافیت زیارت نصیب ہو گی اور میں اس کتاب "وسیلۃ الخادم الی المخدوم" کو اہل بیتؑ کے دوستوں کے لئے آپؑ کے آستانہ مطہر کی نذر کروں گا۔ آپؑ سے تولا تو اس حقیر کی دیرینہ عادت ہے اور آپؑ کی محبت حقیر کے سینہ کا نقد خزینہ ہے۔ اس کمترین کو جو واقعہ بھی پیش آتا ہے اس میں آپؑ ہی سے مدد مانگتا ہوں اور آپؑ کو ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں، ہر مصیبت و شدت میں آپؑ کی ہی روح پاک سے مدد طلب کرتا ہوں۔ چنانچہ حقیر نے دس صفر ۹۰۶ھ کو دارالامان اصفہان کے شہرستان میں، جو کہ میری جائے پیدائش اور پرورش گاہ، خواب میں دیکھا کہ امام معصوم حضرت علی ابن موسیٰ الرضاؑ اصفہان جیسے ایک شہر میں ایک اونٹ برابر شیر پر سوار تھے، شیر پر ہلکا سا زین پڑا تھا، لگام بھی لگی تھی اور آپؑ رعب و دبدبہ کے ساتھ اس شہر کے بازار میں داخل ہوئے یہ کمترین (مولف) بھی آپؑ کے ہمرکاب تھا، آپؑ کے جمال و کمال، حسن و صورت سے میری آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں اس شب کی صبح کو شوق خواب میں درج ذیل منقبت کہی:

سلام علی روضة للامام　　علی بن موسی علیه السلام
سلام من العاشق المنتظر　　سلام من الواله المستهام
بر آن پیشوای کریم الشیم　　بر آن مقتدای رفیع المقام
ز شهد شهادت حلاوت مذاق　　ز زهر عدو در جهان تلخ کام
ز خلد برین مشهدش روضه‌ای　　خراسان از او گشته دارالسلام
از آن خوانمش جنّت هشتمین　　که شد منزل پاک هشتم امام
محبّان ز انگور پر زهر او　　فکندند می‌های خونین به جام
مرا چهره بنمود یکشب بخواب　　شد از شوق او خواب بر من حرام
علی وار بر شیر مردی سوار　　امین در رکابش کمینه غلام

ترجمہ:

روضۂ امام علی بن موسیٰ علیہ السلام پر سلام
عاشق منتظر کا سلام والہ و شیدا کا سلام

اس نیک خصلت پیشوا پر سلام، اس بلند مرتبہ مقتدا پر سلام
جو شہید شہادت سے شیریں دہن اور دشمن کے زہر سے جہاں میں تلخ کام
خراسان میں آپؑ کا مرقد دارالسلام بن گیا ہے
اس لئے اس مرقد کو آٹھویں جنت کہتے ہیں کہ آٹھویں معصوم امامؑ کی آرامگاہ و منزل ہے
ان کے زہر آلود انگور سے مجھوں نے خونین شراب جام میں ڈالی ہے۔
ایک رات خواب میں اپنا دیدار کرا دیجئے، آپؑ کے شوق دیدار میں میری نیند حرام ہے
علیؑ کی طرح ایک آدمی شیر پر سوار اور، امینؔ ایک ادنیٰ غلام کی مانند ان کی رکاب میں ہے۔

ان تشویش ناک حالات و اوقات میں کہ جب یہ کمترین حوادثِ زمانہ اور چرخ ناپائیدار کی ستم ظریفیوں سے وطن و احباب سے دور، شہر کاشان میں، خراسان کے سفر کے ارادہ سے معذور تھا، اس وقت عارفوں کی آسان موت اور دنیائے جنت کی طرف ان کے سفر کی سہولت کے بارے میں ایک غزل لکھی تھی اور اس کے خاتمہ پر ایک بیت ہے جو کہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انشاءاللہ روضۂ امام رضاؑ کی زیارت عنقریب ہوگی، یہاں تفال کے طور پر اس غزل کو درج کیا جاتا ہے۔

ما چو رویم از این جهان نی به عبوس می‌رویم　　حجلهٔ ماست دار و ما سوی عروس می‌رویم
رقص کنان بهر قدم، بوسه زنان لب عدم　　نی چو خران بسته دم، با غم و بوس می‌رویم
ملک دیار نیستی ناله کنان گرفته‌ایم　　دبدبه هست هر طرف زآنکه به کوس می‌رویم
کنده دل از همه جهان رسته ز سود و از زیان　　با دل خوش سوی جنان نی به فسوس می‌رویم
ما نه شکسته‌ایم پر در ره دل چون ماکیان　　جانب عرش هر سحر همچو خروس می‌رویم
از دل و جان امین شده، بندهٔ سیّد رضا　　بهر زیارت علی جانب طوس می‌رویم

ترجمہ:

اس جہان سے ہم ایسے جاتے ہیں جیسے دلہن کے پاس، وار ہمارا حجلہ ہوتا ہے اور ہم دلہن کے پاس جاتے ہیں، ہر قدم پر رقص کناں، لب عدم پہ بوسہ زن خاموشی سے اور رنج و الم کے ساتھ نہیں جاتے ہیں، دیار عدم کو ہم نے نالہ کناں گرفت میں لیا ہے، ہر سو دبدبہ ہے اس لئے کہ ہم ڈنکے اور نقارہ کے ساتھ جاتے ہیں، ساری دنیا سے دل ہٹالیا ہے، نفع وضرر کی فکر سے نجات مل گئی ہے لہٰذا ہم جنت کی طرف افسوس کے ساتھ نہیں بلکہ مسرت وخوش دلی کے ساتھ جاتے ہیں، ہم نے پرندوں کی طرح راہ دل میں پر دل کو نہیں گنوایا ہے ہم تو مرغ کی مانند ہر سحر عرش کی جانب پرواز کرتے ہیں، امین جان و دل سے سید وسردار امام رضاؑ کا غلام ہو گیا ہے، لہٰذا آپؑ کی زیارت کے لئے طوس کی جانب جارہا ہے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنا بِلُطْفِكَ و فَضْلِكَ و كَرمِكَ و امْتِنانِكَ زيارة قبره المقدس و مرقده المونس، و اغْفِرْلَنا ذُنوبَنا واقْضِ جميع حاجاتِنا ببركته.

اے اللہ، اپنے لطف وکرم اور فضل وامتنان سے ہمیں ان کی قبر مقدس اور مرقد کی زیارت نصیب فرما۔ اور ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ان کے طفیل میں ہماری تمام حاجتوں کو پورا کردے۔

اللهم صَلِّ عَلى سَيِّدِنا مُحَمَّدٍ و آلِ سَيِّدِنا مُحَمَّدٍ سِيَّما الإمام المجتبى أبى الحَسَنِ عَلى بْنِ مُوسَى الرِّضا و سَلِّمْ تَسليماً.

اے اللہ ہمارے سید وسردار محمدؐ اور ہمارے آقا محمدؐ کی آل پر خصوصاً امام مجتبیٰ ابی الحسن علی بن موسیٰ الرضاؑ پر رحمت نازل فرما اور کما حقہ سلامتی سے نواز۔

[قصیدهٔ مؤلف در ستایش امام رضا ﷺ از کتاب مهمان‌نامهٔ بخار]

زگل نسیم تو جوید دل چو غنچهٔ من — که یوسفست مرادم ز بوی پیراهن
تو توگلی و منم جانگداز کورهٔ غم — تو یوسفی و منم مبتلای چاه حزن
رواست با رخ تو ترک دیدن خورشید — خطاست بی‌خط تو یاد آهویان ختن
به قصد کشتن احباب زلف را مگشا — پی شکست دل خسته طره را مشکن
سرم چو حق تو شد در ره وفاداری — بیا و حق خود آخر زگردنم بفکن
ز زلف کج که رخت راست می‌کند چوگان — دلم فتاده چو گویی درون چاه ذقن
ز جور چین سر زلف کافرت شاید — که من به درگه سلطان دین کنم مأمن
امام روضهٔ رضوان علیّ بن موسی — رضا و راضی و مرضی و مرتضای زَمَن
همام و هادی و مهدی و هاشمی هیئت — امام و آمر و مشکور و مکه‌ای مسکن
بزرگ اهل هدایت به علم و حلم و کرم — حبیب اهل روایت به اتفاق حسن
مرا دلیست به سوی وصال او مایل — مرا رخیست به خاک رهش نهاده ذقن
اگر ز خار ره وصل او کشم خواری — به دیده خار رهش را نهم به جای سمن
چو شمع آتش شوقش مرا برافروزد — تنم بود دل مشتاق را به جای لگن
ز دست قدرت و بازوی شاه عالی قدر — روایتی دهمت در سخن چو دُرّ عدن
چو زهر قاتل اعدا گرفت حضرت را — به راه موت ببایست بیشکی رفتن
ز محرمان دَرِ خویش بنده‌ای را گفت — که من چو روح روان را جدا کنم ز بدن
برای مدفن من این محلّ قبر مرا — شکاف و نیک نظر کن که هست منزل تن

درو ببین که یکی چشمه‌ای است روح‌افزا　　که هست منبع او جنّت اله منن
نهاده تخت وز سندس لباس من پیدا　　روان بیار و مرا ساز از آن لباس کفن
پسم بیار درین روضهٔ بهشت برین　　ز قبر ساز تن اشرف مرا مکمن
روایتست که بعد از وفات شاه رضا　　زبهر قبر گشودند منزل احسن
نمود تخت بهشت و لباس اخضر او　　چنانچه گفته بدان شاه آشکار و علن
چو سرو روضهٔ آن قبر ساخت مسکن خویش　　برست از غم و آزار این سرای حزن
به سوی موطن اصلی خویش راجع شد　　همین بود بر ارباب فهم حبّ وطن
به قول شاه علی رضی بهشت بود　　محل قبر شریفش زهی بیان حسن
کسی که میل بهشتش بود درین عالم　　بگو که بوسه ده این خاک را به روی و دهن
مهیمنا به حبیب محمد عربی　　به حق شاه ولایت علی عالی فن
بهر دو سبط مبارک به شاه زین عباد　　به حق باقر و صادق به کاظم احسن
به حق شاه رضا ساکن حظیرهٔ قدس　　به حق شاه تقی و نقی صبور محن
به حق عسکری و حجة خدا مهدی　　کزین دوازدهم ده نجات روح و بدن
فدای خاک رضا باد صد روان امین　　که اوست چارهٔ درد و شفیع زلّت من[1]

ترجمہ:
غنچہ کی مانند میرا دل تیرے پھول کی خوشبو ڈھونڈتا ہے، پیراہن کی خوشبوؤں سے میری مراد یوسف ہے۔ آپؑ نورسیدہ گل ہیں اور میں غم کی بھٹی میں جانگداز ہوں، آپؑ یوسف ہیں اور میں حزن و ملال کے کنویں میں ہوں، جائز ہے کہ تیرے رخ کو دیکھ کر سورج کا دیدار چھوڑ دوں۔ آپؑ کے خط کے بغیر ختن آہوؤں کی یاد خطا ہے۔ احباب کے بسمل کرنے کے لئے زلف نہ کھولئے، خستہ دل کو توڑنے کے لئے پیشانی پر پڑے ہوئے بالوں کو نہ جھٹکئے، طریقۂ وفاداری میں میرا سر آپؑ کا ہو گیا ہے آئیے اور میری

گردن پر اپنا حق قائم کیجیے۔ وہ خمیدہ زلف جو کر لباس کو ٹیڑھی لکڑی طرح سیدھا کرتی ہے شاید تیرے سر کی خمیدہ زلف کے جوڑے اب میرا دل تھوڑی کی خمیدگی میں گیند کی طرح گر پڑا ہے، سلطانِ دین کی درگاہ میں پناہ گاہ بناتا ہوں، اور وہ ہیں جنت رضوان کے امام علی بن موسیٰ رضا، راضی اور مرتضائے زمان شہنشاہ ہادی، ہدایت یافتہ، ہاشمی نسب، امام، حاکم، مشکور اور مکی، علم و حلم اور کرم سے اہل ہدایت کے سردار اور باتفاق اہل روایت کے حبیب ہیں، میرا قلب ان سے کے وصال کا مشتاق ہے، میرے راہوار نے ان کی چوکھٹ پر سر جھکا دیا ہے، اگر ان کے وصال کی راہ کے خار سے مجھے خوار ہونا پڑے تو بھی میں ان کانٹوں کو یاسمن کا رتبہ دوں گا، ان کا اشتیاق مجھے شمع کی آگ کی مانند جلا رہا ہے، میرا بدن دلِ مشتاق کے لئے لگن بنا ہوا ہے بادشاہ عالی قدر کے دستِ قدرت اور بازو سے آپ کے سامنے در عدن کی مانند ایک روایت نقل کرتا ہوں، جب آپؑ کو زہر ہلاہل دیا گیا تو بے شک آپؑ کو موت کی دہلیز پر جانا تھا لہذا اپنے رازداروں میں سے ایک سے فرمایا: جب بدن سے میری روح پرواز کر جائے تو فلاں جگہ میرے مدفن کے لئے قبر کھودنا اور اچھی طرح دیکھنا کہ تن و بدن کی منزل ہے وہاں تم ایک روح افزا چشمہ دیکھو گے کہ جس کا سرچشمہ خدائے منن کی جنت ہے، وہاں تخت اور میرا دیبا کا لباس پاؤ گے، اسی سے مجھے کفن دینا اور پھر مجھے اس روضۂ بہشت بریں میں لانا۔ قبر بنا کر میرے بدن کو اس میں چھپا دینا۔ روایت ہے کہ امام رضاؑ کی وفات کے بعد، جب منزل الحسن پر قبر کھودی گئی تو وہاں تختِ بہشت اور آپؑ کا سبز لباس ایسے ہی موجود پایا جیسا کہ آپؑ نے فرمایا تھا۔ آپؑ نے اس روضہ و باغ میں اپنا مسکن بنالیا اور اس سرائے کرعم و آزار سے رہائی پائی اور اپنے اصلی موطن کی طرف پلٹ گئے جیسا کہ ارباب فہم اور محب وطن لوگوں کا یہی شیوا ہے

شاہ علی رضی کے بقول آپؑ کا مزار شریف بہشت ہے، جو اس دنیا میں آپؑ کے بہشت کا اشتیاق رکھتا ہے اس لیے کہہ دو کہ اس خاکِ پاک رو و دہن سے بوسہ دے حبیبِ خدا محمدِ عربی کو مبارک ہو، شاہ ولایت علی، عالی فن سبطین اور زین العابدینؑ محمد باقرؑ و صادقؑ اور امام کاظمؑ، ساکنِ حظیرۂ قدس امام رضاؑ، رنج و محن پر صابر تقی و نقی، امام حسن عسکریؑ اور حجتِ خدا مہدیؑ کہ یہ بارہویں روح و بدن کو نجات دینے والی ہے، ان کی روح خاکِ رضاؑ کے قربان کہ وہی میری لغزش کے شفیع اور میرے درد کے چارہ ساز ہیں۔

لہ مہمان نامہ بخارا ص ۳۳۶ ـ ۳۳۸

امام جواد علیہ السلام

اللهم صَلِّ و سَلِّم عَلَى الْإِمام التاسع

اے اللہ نویں امامؑ پر رحمت و سلامتی سے نواز

یہاں سے نویں امام حضرت امام محمد تقی، جوادؑ پر صلوات کے سلسلہ کا آغاز ہوتا ہے۔ آپؑ اپنے والد کے بعد والد کی نص سے امامؑ ہوئے۔ اور اس پر امامیہ کا اتفاق ہے کہ علی بن موسیٰ الرضاؑ کے بعد آپؑ برحق امام ہیں۔ جب طوس میں آپؑ کے والد نے قضا کی تو اس وقت آپؑ بچے تھے باپ کی وفات کے بعد مامون ۔ علیہ اللعنہ ۔ آپؑ کو خراسان سے بغداد لے آیا چنانچہ بغداد ہی میں ساکن رہے اور وہیں وفات پائی۔

اَلْأَوَّابِ السَّجاد، اَلْفائِقِ فِی الْجودِ عَلَى الْأَجْواد

آپؑ ہر امر کو خدا کی طرف پلٹانے والے ہیں اور بارگاہ ایزدی میں بکثرت سجدہ کرنے والے ہیں۔

یہ آپؑ کی عبادت کی طرف اشارہ ہے۔ روایت ہے کہ امام زین العابدینؑ کے بعد کسی امامؑ نے اتنی عبادت نہیں کی جتنی آپؑ کیا کرتے تھے۔ اور سخاوت میں آپؑ تمام سخاوت کرنے والوں سے بلند ہیں یہ آپؑ کی کثرت عطا کی طرف اشارہ ہے چنانچہ روایت ہے کہ آپؑ زمانہ کے سب سے بڑے سخی تھے یہاں تک آپؑ کو جواد کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ آپؑ کی عطا

قطرہ اور بارش آپؑ کے کرم سے بہرہ مند ہوتی تھی حاجتوں میں ناتواں لوگوں کے لئے پناہگاہ اور عطایا میں سائلوں کے لئے قلعہ تھے۔

مانِحِ الْعَطايا و الْاَوْفادِ لِعامَّةِ الْعِبادِ

آپؑ خدا کے عام بندوں کو عطیات اور بخششیں دینے والے ہیں۔

یہ آپؑ کی عام عطا کی طرف اشارہ ہے، روایت ہے آپؑ کا آستانہ مانگنے والوں اور حاجت مندوں سے کبھی خالی نہ رہتا تھا۔ آپؑ نے خدا کی عام مخلوق کے لئے کرم و عطا کے دروازے کھول رکھے تھے اور کوئی مخلوق بھی آپؑ کے در سے محروم نہیں لوٹتی تھی۔ آپؑ کے خوان پر عرب و عجم سب ہی حاضر ہوتے تھے۔

ماحِي الْغَوايَةِ و الْعِناد، قامِعِ اَرْبابِ الْبَغْيِ و الْفَسادِ

آپؑ گمراہی اور عناد کو محو اور ظالموں اور فساد پھیلانے والوں کی بیخ کنی کرنے والے ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ نے اپنی واضح حجت اور برہانِ قاطع کے ذریعہ ظلم کرنے، فساد پھیلانے اور عناد رکھنے والے لوگوں کا قلع قمع کیا ہے۔ روایت ہے کہ جب خلیفہ مامون رشید نے آپؑ کو اپنا داماد بنالیا تو وہ ہمیشہ آپؑ کو اپنی مجلس میں بلاتا۔ مامون کی مجلس میں مختلف مذاہب کے لوگ بھی حاضر ہوتے۔ اور اعتقادات و علوم کے مشکلات کے بارے میں بحث کرتے تو آپؑ ان کی حجتوں کو باطل کر دیتے اور سپر انداختہ ہونے پر مجبور کر دیتے تھے۔ چنانچہ ہر فن کا ماہر آپؑ سے استفادہ کرتا تھا۔ جب آپؑ اپنی حجت و برہان سے سب پر غالب آجاتے تو مامون آپؑ کی تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا تھا۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ مامون کی بیٹی باپ کے پاس آئی اور امام محمد تقیؑ کی یہ شکایت کی کہ امامؑ میرے جذبات کا خیال نہیں کرتے ہیں بلکہ مجھ پر کنیزوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ مامون نے کہا: کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ میں نے تمہاری شادی اس سے کی ہے جو حسب و نسب میں سب سے اعلیٰ ہے؟ اور ان کے لئے خدا نے کنیزوں کو حلال قرار دیا ہے اور ان کے اختیار میں دیا ہے[1]۔

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۳۵۸

صاحِبِ مَعالِمِ الْهِدايَةِ و الْاِرْشادِ اِلٰى سُبُلِ الرَّشادِ

آپؑ ہدایت کے منارے اور سیدھے وبھلائی کے راستہ کے راہنما ہیں

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ نے لوگوں کو راہِ حق دکھائی اور مشکلات سے بچاکر راہِ راست پر لگایا، روایت کی گئی ہے کہ مامون آپؑ کو بغداد لے آیا لیکن مہمات میں مشغول ہونے کی وجہ سے ایک مدت تک امامؑ کی خبرگیری سے غافل رہا۔ مامون سوار ہوکر شکار کے لئے جارہا تھا آپؑ کچھ بچوں کے ساتھ سرِراہ کھڑے تھے جب مامون نے بعض ہمرکاب سواری سے اترے تو بچے بھاگ گئے لیکن امامؑ اپنی جگہ کھڑے رہے قطعی جنبش نہ کی بچہ کی دلیری پر مامون کو بڑا تعجب ہوا۔ پوچھا! دوسرے بچوں کی طرح آپؑ کیوں نہیں بھاگے اور کیوں نہ ڈرے؟ امامؑ نے فرمایا: راستہ اتنا تنگ نہیں تھا کہ جس سے تمہاری سواری کے گزرنے میں زحمت ہوتی اور مجھے تمہارے راستہ کی کشادگی کے لئے ہٹنا پڑتا، میں تمہارے انصاف سے امان میں ہوں۔ میں جانتا تھا کہ بغیر جرم کے تم مجھے سزا نہیں دو گے، اس بنا پر میں نہ تم سے ڈرا اور نہ راستہ چھوڑکر بھاگا۔ مامون نے پوچھا تم کس کے بیٹے ہو؟ فرمایا: میں علی بن موسیٰؑ کا بیٹا ہوں۔ یہ سن کر مامون بہت رویا۔ اور امام علیؑ کے فراق میں بہت جزع فزع کی اور کہا: میں جانتا ہوں کہ آپؑ علی بن موسیٰ الرضاؑ کی طرح فرزندِ رشید ہیں گے۔

مامون شکار کے لئے چلا گیا۔ جب صحرا میں پہونچا تو اپنے اشہب باز کو پرندہ کے شکار کے لئے چھوڑا باز ہوا میں اڑا اور بہت دیر تک سب لوگوں کی نظروں سے غائب رہا اور ایک پرندہ کا شکار کرکے لایا۔ اس شکار پر بال و پر نہیں تھا گوشت ہی گوشت تھا کسی نے ایسا پرندہ نہیں دیکھا تھا ہر چند مامون نے لوگوں سے اس باز کے بارے میں معلوم کیا لیکن کوئی اس کی حقیقت سے واقف نہ تھا۔ مامون شکار سے واپس آیا تو دیکھا کہ امام محمد تقیؑ اسی جگہ کھڑے ہیں مامون نے کہا: اے فرزندِ رضاؑ! اس پرندے کی حقیقت کیا ہے؟ آپؑ نے برجستہ فرمایا: مجھے میرے آباء نے خبر دی ہے: جیسے زمین کے نیچے سمندر ہے حق تعالیٰ نے بالکل ایسے ہی ہوا میں ایک سمندر بنایا ہے اور اس میں سمندروں کی طرح مرغابی ہیں، خلیفہ کے باز نے اسے شکار کیا ہے تاکہ

لوگ خدا کی عجیب و غریب قدرت کے بارے میں غور کریں۔ اور امین رسولؐ کا وصی لوگوں کو اس کی حقیقت بتا رہا ہے۔ مامون نے آپؑ کی یہ بات سن کر کہا، خدا کی قسم آپؑ علیؑ کے بیٹے ہیں آپؑ ہی ان کے علم و معارف کے وارث ہیں، خدا نے آپؑ کو اور آپؑ کے اہل بیتؑ کو ایسے علوم و خصائص سے مخصوص کیا ہے کہ جس سے دوسروں کو حصہ نہیں ملا ہے[1]

مامون آپؑ کو اپنے ساتھ دارالامارہ لے گیا اور تمام علوم کے مشکلات سے متعلق امام محمد تقیؑ سے سوالات کئے اور آپؑ نے کم سنی کے باوجود تمام سوالات کے جواب دیئے ہر چند وہ مشکل سے مشکل سوال پوچھتے مگر آپؑ ہر ایک سے عہدہ برآ ہوتے تھے۔ آپؑ نے انھیں علم غیب سے واقف و آگاہ کیا۔ مامون اور دوسرے لوگ جانتے تھے کہ آپؑ اپنے والد کے وارث ہیں لہذا مامون نے ایک جشن کا اہتمام کیا لوگوں کو بلایا اور اپنی بیٹی کا امام محمد تقیؑ سے عقد کر دیا۔ کہتے ہیں کہ دارالخلافہ میں ایسا جشن نہیں منایا گیا۔ جشن نکاح منجملہ اور چیزوں کے ایک مجرا۔ خوشبوجات کے لئے سونے چاندی سے بہت بڑا طشت بنایا گیا اور اس میں ہر قسم کی خوشبو رکھی گئی تھی کہ سارے مجمع کو اس نے معطر کر رکھا تھا اور لوگوں نے اس سے عطر کا ذخیرہ کیا، خود مامون نے خطبہ پڑھا اور امام جوادؑ سے اپنی بیٹی کا عقد کیا اور حضرت فاطمہ زہراؑ کے مہر کی مانند اپنی بیٹی کا مہر پانچ سو درہم مقرر کیا[2]

اَلْمُقْتَبَسِ مِنْ نُورِ عُلُومِهِ ' الْاَفرادُ مِنَ الْاَبْدالِ وَ الْاَوتاد

اولیاء و ابدال اور اوتاد نے آپؑ ہی کے نور علم سے اقتباس کیا ہے۔

یہ ائمہ ہدیٰ کے خصائص کی طرف اشارہ ہے، دنیا کے ابدال و اوتاد کہ جن کے ذمہ عالم کا

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۳۸۸ تا ۳۸۹ کشف الغمہ ج ۲ ص ۳۴۴۔ الفصول المہمہ ص ۲۵۲۔ ۲۵۳ اس خبر اور اس کے صحیح ہونے کے بارے میں جتنے مسائل بیان ہوئے ہیں علامہ سید جعفر مرتضیٰ نے انھیں یکجا کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں، الحیاۃ السیاسیۃ للامام الجوادؑ ص ۶۸ ۔ ۷۵۔

[2] کشف الغمہ ج ۲ ص ۳۵۵-۳۵۶۔

حفظ و نظم ہے وہ ائمہ ہی سے علوم و معارف حاصل کرتے ہیں۔ امام محمد تقیؑ کو مزید خصوصیت حاصل ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ آپؑ کے زمانہ کے اولیاء و اوتاد تمام علوم و معارف کو آپؑ ہی سے حاصل کرتے تھے۔

أبی جعفر محمد التقی الجواد ابن علی الرّضا

ابوجعفر آپؑ کی کنیت ہے۔ آپؑ کی اولاد میں سب سے بڑے علی نقیؑ ہیں جو کہ آپؑ کے بعد امام ہوئے۔ آپؑ کی والدہ ام الولد تھیں اور امام علی نقیؑ بھی ام الولد کے بطن سے پیدا ہوئے۔ امام محمد تقیؑ کے القاب میں سے ایک جواد ہے کیونکہ جود و سخا میں آپؑ اپنے زمانہ میں منفرد تھے اور بہت زیادہ سخاوت کرتے تھے۔ تقیؑ بھی آپؑ کا لقب ہے، تقی، پرہیزگار کو کہتے ہیں۔ اگرچہ تمام ائمہ معصومینؑ کمالِ تقویٰ پر فائز تھے لیکن آپؑ نے اس صفت سے زیادہ شہرت پائی ہے۔

ساكِنِ رِوْضَةِ الْجَنَّةِ بِأَنْعَمِ الْعَيْشِ، اَلْمَقْبُورِ عِنْدَ جَدِّهِ بِمَقابِرِ قُرَيْش

آپؑ روضۂ جنت میں ساکن ہیں بہترین عیش و حیات کے ساتھ مقابر قریش میں آپؑ اپنے جد امام موسیٰ کاظمؑ کے پاس مدفون ہیں۔

آپؑ کے سبب شہادت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپؑ کو زہر دیا گیا تھا۔ تمام ائمہ ہدیٰ کو شہید کیا گیا ہے۔ بعض ائمہ سے روایت کی گئی ہے کہ فرمایا: ما منّا الاّ قد سمّ[1] یعنی ہم سے ایسا کوئی نہیں ہے جسے زہر نہ دیا ہو۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپؑ اپنی موت مرے ہیں۔

آپؑ چالیس سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ شہادت پائی۔ ۱۷ رمضان المبارک شب جمعہ ۱۹۵ھ میں ولادت پائی بعض کا کہنا ہے کہ نصف ماہ شب جمعہ میں ولادت پائی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ دس رجب المرجب بروز جمعہ ولادت پائی۔ ۲۲۰ھ ذی قعدہ کے اواخر میں وفات پائی

---

[1] بحار الانوار ج ۲۷ ص ۲۰۹، عن الصادق: واللہ ما منّا الا مقتول شہید ص۲۱۳، عن الرضا ما منا الا مقتول ص۲۱۴

کہتے ہیں وفات کے وقت آپؑ کی عمر شریف ۲۵ سال تھی۔ آپ کی قبر آپؑ کے جد امام موسیٰ کاظمؑ کی قبر سے متصل ہے بغداد کے مغرب میں مشہور روضہ اور فیض الٰہی سے معمور درخشاں و منور گنبد ہے۔

اللّٰھم صلّ علی سیّدِنا مُحمّدٍ و آلِ سَیّدنا سیّما الإمام السجاد مُحمّد تقی الجَواد

اے اللہ ہمارے آقا محمدؐ پر اور ہمارے سردار کی آل خصوصاً امام سجاد محمد تقی جوادؑ پر رحمت نازل فرما۔

علیہ السلام
امام ہادی

اللهم صلّ و سلّم علی الإمام العاشر

اے اللہ دسویں امامؑ پر رحمت وسلامتی نازل فرما۔

یہاں سے دسویں امام حضرت علی نقیؑ پر صلوات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ آپؑ اپنے والد محمد تقیؑ کے بعد والد ہی کی نص سے امام برحق ہیں آپؑ کی امامت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ والد کی وفات کے بعد آپؑ مدینہ میں ساکن ہوئے اور طاعات و عبادات میں مشغول رہے یہاں تک کہ واثق آپ کو سرمن رأ (سامرہ) لے گیا۔

مُقْتَدَی الْحَیِّ و النَّادی، سَیِّدِ الْحاضِرِ و البادی

آپؑ حاضر اور بادیہ نشیں تمام لوگوں کے امام و پیشوا ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امت میں سے ہر جماعت، شہری، صوبائی لوگوں کو حاضر (تہذیب یافتہ) کہتے ہیں۔ صحرا میں رہنے والوں کو بادیہ نشیں کہتے ہیں آپؑ ان سب کے امام و مقتدیٰ تھے۔ چنانچہ روایت ہے کہ آپؑ کی عظمت یہ تھی کہ عرب و عجم کی ہر جماعت و قبائل آپؑ کی اقتدار کرتے تھے۔ شہر سرمن رأ (سامرہ) میں آپؑ کی بود باش تھی یہ ملک عراق کا شہر ہے جو کہ دجلہ کے کنارے پر واقع ہے۔ وہاں آپؑ کا گھر مشہور تھا۔ سب لوگ آپؑ سے مستفید ہوتے تھے۔ بنی عباس بنی ہاشم اور امراء عرب آپؑ کو اپنا امام سمجھتے تھے۔

صاحب کشف الغمہ[1] نے اپنی کتاب میں ابن فتح بن خاقان، جو کہ خلیفہ واثق کے بزرگوں میں سے تھا، روایت کی ہے کہ اس نے شہر قم کی گورنری کے زمانہ میں ایک شب میں لوگوں سے بیان کیا کہ خلیفہ واثق کے زمانہ میں میرے والد فتح بن خاقان کی یہ شان تھی کہ واثق کی خلافت کی باگ ڈور ان ہی کے ہاتھ میں تھی اور ملک کے تمام مہمات، مال، فوج اور رعیت کے امور والد ہی سے مربوط تھے۔ وہ اتنا مغرور اور خود پسند تھے کہ امرائے بنی عباس اور لشکر کے سپہ سالاروں میں سے کسی کی تعظیم نہیں کرتے تھے اور کسی کی تعظیم کے لئے نہیں اٹھتے تھے وہ ایک روز اپنے گھر میں مسند حکومت پر بیٹھے تھے میں ان کے سر کے پیچھے کھڑا تھا۔ حاجب آتے تھے اور کہتے تھے بنی ہاشم کے اکابرین سے اور خلیفہ کے قوم و قبیلہ میں سے اور بزرگ و امراء میں سے فلاں آئے ہیں لیکن وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ناگہاں حاجب اندر آیا اور کہنے لگا ابوالحسن بن الرضاؑ تشریف لائے ہیں، میں نے دیکھا کہ میرے والد اپنی جگہ سے اٹھے اور کہا اندر بلاؤ، اندر بلاؤ۔ یہ کیفیت دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ یہ کون ہے جس کا نام میرے والد کے سامنے کنیت سے لیا گیا ہے۔ ان کے سامنے خلیفہ کے علاوہ کسی کا نام کنیت سے نہیں لیا جاتا ہے۔ پھر بنی ہاشم کے اکابر کے بارے میں خبر دی گئی کہ فلاں فلاں آئے ہیں لیکن انھوں نے کوئی اعتنا نہ کی مگر جیسے حاجب نے ان۔ امام علی نقیؑ۔ کا نام لیا ویسے ہی والد نے شادمانی اور مسرت کا اظہار کیا۔

میں متحیر تھا جب وہ اندر تشریف لائے تو میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ اس سے پہلے ایسے کمال و جمال اور شان و شوکت کا انسان میں نے نہیں دیکھا تھا۔ جیسے ہی میرے والد نے انھیں دیکھا فوراً اپنی مسند سے اٹھ کھڑے ہوئے، استقبال کے لئے آگے بڑھے اور اپنی مسند پر جگہ دی بوسہ دیا اور گفتگو کرنے لگے۔ اثنائے گفتگو میں متعدد بار کہا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔ اس برتاؤ کو دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ اس درمیان کسی نے آکر کہا۔ واثق کا بیٹا خلیفہ متوکل

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۳۰۷ - ۳۰۹ کافی ج ۱ ص ۵۰۳ - ۵۰۵ - الارشاد ص ۳۳۸ - ۳۴۰ مذکورہ منابع میں یہ خبر امام حسن عسکریؑ کے لئے نقل ہوئی ہے۔ اس کا بھی راوی احمد بن عبید اللہ بن خاقان ہے۔

آیا ہے تو والد نے کہا کہ دونوں طرف غلام صف بستہ کھڑے ہو جائیں۔ ان صفوں کو "سماطین"[1] کہتے تھے۔ متوکل آئے۔ اس سے مجھے اور بھی تعجب ہوا۔ میرے والد نے امامؑ سے کہا: میرے ماں باپ آپؑ پر فدا ہو جائیں آپؑ صف کے پیچھے تشریف لے جائیں تاکہ متوکل آپؑ کو نہ دیکھ سکے آپؑ اٹھ کر چلے گئے۔ میں ابھی ورطۂ حیرت ہی میں تھا۔ میرے والد کی عادت یہ تھی کہ وہ شب میں ایک گھنٹہ بیٹھتے تھے اور دن کے مہمات اور دیگر امور کا جائزہ لیتے تھے۔ حسب عادت جب وہ بیٹھے تو میں حاضر ہوا اور کہا: آج مجھے آپؑ کی حالت پر اس وقت بہت تعجب ہوا جب ایک جوان آیا کہ جسے میں نہیں جانتا تھا، آپ نے اسے کنیت سے یاد کیا اور خلاف عادت آپ نے اس کی بے پناہ تعظیم کی، میں نے اس طرح آپ کو کسی بنی ہاشم کے سربرآوردہ اور دہ آدمی کے ساتھ پیش آتے نہیں دیکھا ہے۔ میرے والد نے کہا، بیٹے یہ علی بن الرضاؑ ہیں، بزرگترین خلائق ہیں فضل و کمال اور مناقب میں بنی ہاشم میں سے کوئی بھی ان کے پایہ کا نہیں ہے۔ اس کو سب جانتے ہیں یہ شیعوں کے امام ہیں اگر بنی عباس کے ہاتھ سے خلافت نکلتی تو بنی ہاشم میں ان کے علاوہ کوئی خلافت کا اہل نہیں ہے۔ آپؑ کی سیاست و عظمت مسلم ہے۔

حارِزَ نتیجۃِ الْوصایَۃِ و الْاِمامَۃِ مِنَ الْمَبادی

آپؑ مبادی سے وصایت و امامت کا نتیجہ جمع کرنے والے ہیں۔

یعنی نبوت کے منصب وصایت اور مرتبۂ ولایت جو کہ نبوت ولایت کا سرچشمہ آپؑ کو آباء و اجداد سے ملا ہے، آپؑ کو نتیجہ عطا ہے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وصایت و امامت کے منصب کا نتیجہ علم و تقوی اور نیک و صالح اعمال ہیں جو امام علی نقیؑ کو حاصل ہیں اور حسن عمل کے ذریعہ اس بلند مقام پر فائز تھے۔

اَلسَّیْفِ الْغاضِبِ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ مُخالِفٍ مُعادی

---

[1] سماط۔ کھینچنا، صف بنانا۔

آپؑ ہر دشمنی کرنے والے مخالف کی گردن پر شمشیر بُرّاں ہیں

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ بھی تمام آئمہ ہدیٰ کی طرح دشمنانِ دین پر شمشیر حجت اور برہان قاطع ہیں اور حکم خدا و قوت امامت سے مخالفوں کو حلقۂ اطاعت و تسلیم میں لائے ہیں۔
روایت ہے کہ آپؑ کے بھائی آپؑ کی اور آباء و اجداد کی سیرت پر عمل نہیں کرتے تھے آپؑ کی مخالفت کیا کرتے تھے، اپنی امامت کا دعویٰ کرتے تھے۔ لیکن آپؑ انھیں سپر انداختہ ہونے پر مجبور کر دیتے تھے اور ان کے منصوبوں کو نقش بر آب کر دیتے تھے۔ اور امامت کی علامتوں اور وصایت کے ثبوت اس طرح پیش کرتے تھے کہ ان میں مخالفت کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

كَهْفِ الْمَلْهُوفِين فِي النَّوائِبِ و الْغَوادي

آپؑ حوادث زمانہ اور مصائب کے وقت ناتواں اور عاجزوں، لوگوں کی پناہ گاہ ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ ناداروں اور ناتواں لوگوں کے لئے پناہگاہ تھے۔ جس شخص کو بھی کوئی مشکل پیش آتی تھی وہ آپؑ ہی سے رجوع کرتا تھا۔ اور آپؑ اسے پناہ دیتے تھے اور فقر و ضرر کے بیابان میں حیران و پریشان لوگوں کی اس وقت دستگیری فرماتے تھے جبکہ حوادثِ زمانہ اور مصائب انھیں عاجز و پریشان کر دیتے تھے صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

قاطِعِ العَطَشِ مِنَ الْأَكْبادِ الصَّوادِي

آپؑ تشنہ دلوں سے پیاس کو ختم کرنے والے ہیں۔

یہ آپؑ کے اخلاق و مکارم کی طرف اشارہ ہے چنانچہ روایت ہے کہ آپؑ محتاجوں پر اس درجہ مہربان تھے کہ جس شخص کو بھی آپؑ سے کام ہوتا تھا، آپؑ اس سے نہایت نرمی و مہربانی سے پیش آتے تھے۔ اس طرح لوگوں کو مطمئن کر دیتے تھے جس طرح صاف و خوشگوار پانی پیاسے دلوں کو آرام و اطمینان بخشتا ہے۔ ہر زمانہ میں آئمہ ہدیٰ کا یہی اخلاق رہا ہے۔

الشّاهِدِ بِكَمالِ فَضْلِهِ الْأَحْبابِ و الْأَعادي

آپؑ کے کمالِ فضل اور عظمت کے دوست و دشمن سب گواہ ہیں۔

یعنی کمال میں آپؑ اتنے ممتاز تھے کہ جسے دوست و دشمن سب بیان کرتے تھے۔ دوستوں کا مسئلہ تو واضح ہے۔ لیکن! امامؑ کا فضل و کمال اتنا واضح و آشکار تھا کہ جس کی دشمن بھی گواہی دیتے تھے کوئی کسی طرح بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا تھا اور کمال فضل یہ ہے کہ جس کا دشمن بھی اعتراف کرتا ہو بلکہ اس کی گواہی دیتا ہو چنانچہ کہتے تھے الحُسن ما شهدتْ به الضرات یعنی حسن وہ ہے جس کی گواہی عورتوں کے شوہر دیں۔

مَلجَأ أوْلِيائِهِ بِوَلائِهِ يَوْمَ يُنادِي الْمُنادِي

آپؑ محبت والفت کی وجہ سے اپنے دوستوں اور محبوں کی پناہ گاہ اور محلِ التجا ہیں۔ یا آپؑ اپنے دوستوں کی پناہ گاہ ہیں، اس دوستی کی بنا پر جو محبوں کو آپؑ سے ہے جب روز منادی ندا کرے گا۔

اس روز سے مراد روز قیامت ہے مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن آپؑ اپنے دوستوں کی پناہ گاہ قرار پائیں گے۔ اور یہ اس دوستی کی بنا پر ہوگا جو کہ احباب کو آپؑ سے ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روز قیامت جب منادی۔ «يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُناسٍ بِإِمامِهِم» ندا کرے گا اور ہر آدمی کو اس کے امام کے ساتھ بلائے گا تو اہل بیتؑ سے محبت رکھنے والے آپؑ کی پناہ میں ہوں گے اللهم احشرنا في زمرتهم.

أبي الحسن عليّ النقي هادي بن محمّد «النقي»

ابوالحسن آپؑ کی کنیت ہے۔ جیسا کہ آپؑ کے جد علی بن موسیٰؑ کی کنیت بھی ابوالحسن ہی تھی۔ امام حسن عسکریؑ آپؑ کے فرزند ہیں جو کہ آپؑ کے بعد امامؑ ہیں۔ آپؑ کی والدہ ام الولد تھیں منجملہ آپؑ کے القاب کے ایک نقی ہے۔ یعنی تمام عیوب سے پاک اور یہ آپؑ کی عظمت و طہارت اور حسبی و نسبی عیوب سے پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے۔ آپؑ ائمہ عظام اور اپنے اجداد کرام کے برگزیدہ ہیں ہادی آپؑ کا دوسرا لقب ہے کہ آپؑ لوگوں کو راہ صواب و حق دکھانے والے ہیں۔ واللہ الهادي.

الشَّهِيدِ بِكَيْدِ الأَعْداءِ، الْمَقْبُورِ بِسُرَّ مَنْ رَأى

آپؑ دشمنوں کے مکر سے شہید ہوئے ہیں۔

یہ آپؑ کو زہر دینے کی طرف اشارہ ہے آپؑ کی وفات کے سبب کے بارے میں اختلاف

ہے اکثر اس بات کے معتقد ہیں کہ واثق خلیفہ نے آپؑ کو زہر دیا ہے۔ کشف الغمہ میں روایت ہے کہ جب امام علی نقیؑ مریض ہوئے تو سر من راد (سامرہ) کے سربرآوردہ اور اکابر بنی ہاشم آپؑ کے پاس رہتے تھے اور طبیب آتے جاتے رہتے تھے۔ خلیفہ نے یہ حکم دیا تھا کہ طبیب آپؑ کے پاس سے نہ ہٹیں، حکومت میں آپؑ کا عظیم مرتبہ تھا سب لوگوں کی آپؑ کے پاس آمد و رفت تھی، آپؑ کے بیمار ہونے سے لوگوں کے کاروبار تعطل کا شکار ہو گئے تھے۔ چند روز کے بعد آپؑ کے مرض میں شدت پیدا ہوگئی اور آپؑ نے دار فانی سے جنتِ جاودانی کی طرف کوچ کیا، لوگوں کے دلوں پر غم کے بادل چھا گئے، بہن آپؑ کی موت اور جدائی سے بہت ملول و محزون تھیں چنانچہ آپؑ کی وفات کے چند روز بعد وہ بھی دنیا سے اٹھ گئیں۔ شہر مدینہ کے ایک موضع میں نصف ذی الحجہ ۲۱۲ھ کو اور دوسری روایت کے مطابق ۵ رجب بروز سہ شنبہ ولادت پائی اور سامرا، ماہ رجب میں ۲۵۴ھ کو وفات پائی۔ وفات کے وقت آپؑ کی عمر شریف ۴۱ سال تھی۔ آپؑ کی شہادت کے دن، سامرا میں صبح کے وقت صبح قیامت جیسا اضطراب تھا۔ خلیفہ، لشکر اور معزز اشخاص آپؑ کے در دولت پر حاضر ہوئے اور آپؑ کو سامرا میں اس جگہ دفن کیا جو آپؑ سے منسوب ہے آپؑ کا مزار مشہور ہے۔

اللهم صلّ علی سیّدنا محمّدٍ و آل سیّدنا محمّد سیّما سیّد الحیّ و النّادي عَلی النّقی الهادي و سَلِّمْ تَسلیماً

اے اللہ ہمارے آقا محمدؐ اور ہمارے سردار محمدؐ کی آل خصوصاً علی نقیؑ کو سلام و سلامتی سے نواز۔

امام عسکری علیہ السلام

اللهم صلِّ و سلِّمْ علَى الإمام الحادي عَشَر

اے اللہ گیارہویں امامؑ پر رحمت وسلامتی نازل فرما۔

یہاں سے گیارہویں امام حسن عسکریؑ پر صلوات شروع ہوتی ہے۔ آپؑ اپنے والد حضرت امام علی نقیؑ کے بعد ان کی نص سے امام ہیں جیسا کہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ آپؑ کی امامت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اپنے والد کی وفات کے بعد آپؑ نے بھی سامرا ہی میں سکونت اختیار کی خلیفہ وقت متوکل تھا۔

المُقتَدَی الرَّضِیِّ المُجتَبَی الوَفِیِّ

آپؑ پسندیدہ خصائل، برگزیدہ اور باوفا پیشوا ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ عالم کے مقتدا تھے اور آپؑ کے خصائل وعادات ایسے تھے کہ خدا کے نزدیک بندوں میں مقبول وپسندیدہ تھے۔ آپؑ خدا کے برگزیدہ تھے اور حق تعالیٰ کی عبادت کا عہد پورا کرتے تھے۔

المُقتَفِی فِی العِبادَةِ آثارَ النَّبِیِّ وَ الوَلِیِّ

عبادات میں آپؑ نبیؐ اور ولی ۔ علیؑ ۔ کے نقش قدم پر گامزن ہوئے۔

یعنی عبادت میں آپؑ نبیؐ اور علیؑ کے تابع ہیں۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ سخن چینوں نے

متوکل[1] خلیفہ سے آپؑ کی یہ غیبت کی کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کے گھر میں ایک خلوت خانہ ہے اس میں آپؑ دنیا بھر سے آنے والے اموال کو ذخیرہ کرتے ہیں اور اس خلوت خانہ میں کسی کو راستہ نہیں دیتے ہیں وہاں کسی کا گزر نہیں ہے خلافت کے ظہور کے تمام اسباب وہاں جمع ہیں، شبوں میں وہیں رہتے ہیں۔ متوکل نے چند اشخاص کو معین کیا کہ سحر کے وقت اچانک وہاں جائیں اور صورت حال کا جائزہ لیں اور مذکورہ چیزوں میں سے جو کچھ بھی پائیں اٹھالائیں۔

سحر کے وقت وہ لوگ شمع اور مشعل کے ساتھ امامؑ کے گھر میں داخل ہوئے اور اجازت کے بغیر اس خلوت خانہ میں پہونچے تو دیکھا کہ وہاں کچھ ریت پڑی ہے اور ایک کہنہ حصیر۔ چٹائی۔ جو کہ آپؑ کا مصلیٰ تھا پڑی ہے اور ایک پرانا گلدان رکھا ہے خود امامؑ نے اونی اور موٹا لباس زیب تن کر رکھا ہے اور ایک گناہ گار کی طرح گلے میں طوق ڈال کر پورے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں تضرع اور نیاز میں مستغرق ہیں۔ جب متوکل کے افراد نے آپؑ کو اس صورت میں دیکھا تو وہ گلدان کو اٹھا کر متوکل کے پاس لے گئے اور اس کے سامنے صورت حال بیان کی کہ یہ وہ ٹوکری ہے جس میں امام حسن عسکریؑ اپنا اونی اور موٹا لباس اور طوق عبادت رکھتے ہیں۔ یہ سن کر متوکل رونے لگا اور اپنے فعل پر پشیمان ہوا اور دوسرے دن امامؑ سے عذر خواہی کی، چغلخور کو سزا دی اور اس کے بعد آپؑ کا معتقد ہوگیا۔

وَالْمُسَخِّرِ لِعَسْكَرِ الْمَلَائِكَةِ بِالْعَزْمِ الْقَوِيِّ

آپؑ اپنے عزم محکم سے ملائکہ کے لشکر کو مسخر کرنے والے ہیں۔ یعنی آپؑ پروردگار کی عبادت وطاعت میں قوی العزم تھے اس لئے خدا نے ملائکہ کے لشکر کو آپؑ کے تابع کر دیا تھا۔

یہ جملہ اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ ایک مرتبہ متوکل سے بدخواہوں نے کہا: حضرت امام

---

[1] متوکل ۲۴۷ھ میں اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوگیا تھا امام حسن عسکریؑ کی امامت کا آغاز ۲۵۴ھ میں ہوا بنابر این مذکورہ واقعہ اور اس کے بعد والی روایت متوکل سے مربوط نہیں ہو سکتی ہے۔

حسن عسکری اپنی خلافت کے لیے خروج کرنا چاہتے ہیں کوفہ و عراق اور اہل خراسان آپ کے ساتھ ہیں۔ خلیفہ متوکل نے ساری فوج کو شہر سامراء سے باہر نکلنے کا حکم دیا اور کہا: اگر لشکر میں سے کسی کے پاس تھیلا بھی ہے تو اس میں ریت و خاک بھر کر ایک جگہ ڈھیر لگا دیں۔ لشکر والوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے تھیلے میں ریت بھر کر ایک جگہ ڈال دیا جس سے ایک بڑا ٹیلہ بن گیا۔ تل المخال اس کا نام رکھا گیا۔ یعنے توبردں کا ٹیلہ۔ اس کے بعد امام حسن عسکریؑ کو بلایا اور متوکل آپ کے ساتھ اس ٹیلہ پر گیا اور فوج کو جنگی لباس پہنے اسلحہ سے اور آراستہ ہو کر سوار ہونے اور پریڈ کرنے کا حکم دیا۔ اس کا مقصد امامؑ کے سامنے اپنی طاقت نمائی تھی۔

جب فوجیں سامنے سے گزر گئیں تو متوکل نے امامؑ سے کہا: یہ میری فوجیں ہیں اور جو میری مخالفت کرتا ہے اسے ان فوجیوں کے مقابلہ کی طاقت حاصل کرنا چاہیئے۔ امامؑ نے فرمایا: تم اپنی فوجیں دکھا چکے اب میرا لشکر دیکھو! جب متوکل نے آنکھیں کھولیں تو ابلق گھوڑوں پر سوار، اسلحوں سے آراستہ صف بستہ ملائکہ سے زمین و آسمان کے درمیان کی فضا پر ہو گئی ہے۔ اس صورت حال کو دیکھ کر متوکل بے ہوش ہو کر گر پڑا جب ہوش میں آیا تو کہا: یہ کون لوگ ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: یہ میری فوجیں ہیں۔ لیکن مجھے مُلک و خلافت کی طمع نہیں ہے میں تو عبادت میں مشغول ہوں۔ تم بے فکر رہو۔

النُّورِ الْجَلِیّ، اَلْبَدْرِ الْوَضِیّ

آپ روشن نور ہیں۔

یہ ائمہ کبار کے صفاد باطن اور ان میں خدا کی جلالی و جمالی تجلیات کے ظہور کی طرف اشارہ ہے کہ جس سے وہ سراپا نور بن جاتے ہیں۔

آپ چودھویں کا چمکتا ہوا چاند ہیں۔

یہ آپ کے کمال کی طرف اشارہ ہے، آپ کمالات میں مکمل تھے۔

ذِی الْقَدْرِ الْعَلِیِّ وَ الْمَجْدِ الْبَهِیِّ وَ الْعِزِّ السَّنِیِّ

آپؑ ذوالقدر اور بلند مرتبہ ہیں۔ آپؑ عظمت و جلال کے نقطۂ آخر پر فائز ہیں اور بے پناہ عزت کے مالک ہیں۔

ان تین صفات کے ذریعہ آپؑ کی تعریف و توصیف کی گئی ہے اول قدر اعلیٰ ہے یہ امامت کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرے مجد بہی ہے۔ یہ آپؑ کے نسبی مفاخر کی طرف اشارہ ہے۔ تیسرے عز سنی ہے "یہ آپؑ کے حسبی عظمت و جلال اور مکارم جو کہ آپؑ سے مخصوص سے تھے" کی طرف اشارہ ہے۔

وَارِثِ الْاِمَامَةِ مِنَ الْوَصِیِّ

آپؑ وصی؛ یعنی امیرالمومنینؑ سے ملنے والی میراثِ امامت کے وارث ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ کو حضرت امام علیؑ کی میراث ملی ہے، جیسا کہ سارے آئمہ کو ملی تھی۔ واللہ اعلم۔

وَالِدِ الْحُجَّةِ الصَّفِی وَ وَلَدِ النَّبِی الزَّکی

آپؑ برگزیدہ حجت کے والد ہیں اور وہ حجت رسولؐ کے پاکیزہ فرزند محمد مہدیؑ ہیں۔

یعنی آپؑ ان دو بحر شرف کے لئے مجمع و سنگم ہیں جس کی اصل محکم اور فرع باعظمت ہے اور ان دونوں بزرگوں کے درمیان جود و احسان کا برزخ ہے۔

ابی محمد حَسَن العسکری اِبْنِ علی النقی

ابو محمدؑ آپؑ کی کنیت ہے اور آپؑ کے فرزند کے بارے میں شدید اختلاف ہے

اس زمانے کے لوگوں کا خیال تھا کہ آپؑ لاولد ہیں۔ اور آپؑ کسی بیٹے کے والد کی حیثیت سے مشہور نہ تھے لیکن امامیہ کا تقریباً ہر زمانہ میں اعتقاد رہا ہے کہ حضرت محمد مہدی موعودؑ آپؑ کے فرزند ہیں جنہیں امام حسن عسکریؑ لوگوں سے مخفی رکھتے تھے کیونکہ متوکلؑ ان کے قتل کے درپے تھا اور جب حضرت محمد مہدیؑ کی ولادت کے وقت حضرت محمدؐ کے وقت ولادت کی طرح آثارِ غریبہ اور انوارِ عجیبہ ظاہر ہوئے، تو آپؑ کی ولادت کو پوشیدہ رکھا گیا اور یہ ظاہر کیا گیا، آپؑ کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہے۔

بعض محبانِ اہلِ بیتؑ نے روایت کی ہے کہ ہم امام حسن عسکریؑ کی آخری عمر میں سے ایک روز آپؑ کی خدمت میں شرف یاب ہوئے اور عرض کی: مولا! قضا برحق ہے اگر کوئی واقعہ پیش آجائے تو ہم کس کے پاس جائیں اور آپؑ کے بعد کون امام ہوگا؟ آپؑ نے پردہ اٹھایا تو چار سال کا چاند سا بچہ، جس کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا، برآمد ہوا، ایسی شان و شکوہ کا آدمی ہم نے ہرگز نہیں دیکھا تھا۔ امام حسن عسکریؑ نے فرمایا: یہ میرا بیٹا ہے، محمد مہدیؑ یہی مظہرِ موعود ہے۔ یہ تا قیامت امامؑ ہیں۔ یہ تھی بعض دوستدارِ اہلِ بیتؑ کی روایت۔

عسکری آپؑ کا لقب ہے کیونکہ آپؑ نے متوکل کو ملائکہ کا عسکر (لشکر) دکھایا تھا جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپؑ کو اس لئے عسکری کہا جاتا ہے کہ آپؑ نے بغداد میں اس جگہ ولادت پائی تھی جس کو عسکر کہتے تھے۔

اَلْمُتَوَفّٰی فِی شَبَابِهٖ بِالْبَلَاءِ، اَلْمَدْفُوْنِ عِنْدَ اَبِيْهِ بِسُرَّ مَنْ رَاٰی

آپؑ نے زحمت و بلا میں عین عالمِ شباب میں وفات پائی اور اپنے والد کے پہلو میں شہر سامرا میں دفن ہوئے۔

لہ اس زمانہ میں متوکل زندہ نہیں تھا یقیناً خلفائے بنی عباس میں سے کوئی مراد ہے جو امام حسن عسکریؑ کے بیٹے سے مکرر بشارتوں کی وجہ سے خوف کھاتا تھا۔

ھ ربیع الاول ۲۳۲ھ کو آپؑ نے مدینہ میں ولادت پائی اور ۲۸ سال کی عمر میں متوکل کے زمانۂ خلافت میں وفات پائی۔[1] کہتے ہیں کہ متوکل نے آپ کو زہر دیا جس سے آپؑ نے جوانی میں دنیائے فانی سے جاودانی کی طرف کوچ کیا اور آپؑ کے پدر کے قریب دفن کیا گیا۔ سامرا ایک شہر ہے جو دریائے دجلہ کے کنارے آباد ہے۔ اسے معتصم خلیفہ نے اپنے لشکر کی چھاؤنی کے لئے بسایا تھا کیونکہ معتصم کے لشکر میں ترکی غلاموں کی اکثریت تھی، اہل بغداد کو ان سے نقصان پہونچا رہتا تھا۔ اس لئے معتصم نے بغداد سے دو روز کی مسافت کے فاصلہ پر سامرا بسایا تاکہ اہل بغداد کو اس کے فوجیوں سے کوئی نقصان نہ پہونچے، چنانچہ معتصم اور اس کا بیٹا واثق اور واثق کا بیٹا متوکل ومعتز اور منتصر وہیں ساکن رہے، آج کل اسے سامرا کہتے ہیں، شہر تو اجڑ گیا ہے ہاں ایک مسجد اور دو ائمہ علی ہادیؑ اور حسن عسکریؑ کے روضے باقی ہیں چنانچہ وہ اہل دنیا کے قبلہ حاجات ہیں اور ہر طرح سے آراستہ ہیں۔

روایت[2] ہے کہ منتصر[3] جو کہ متوکل و واثق کی اولاد سے تھا، بہت زمانہ کے بعد خلیفہ ہوا تو اپنی خلافت کے زمانہ میں دونوں کے روضات کی زیارت کے لئے سامرا گیا تو مرقد کو نہایت ہی آراستہ پایا اور بہترین پردے، قندیلیں آویزاں اور عالی شان فرش بچھا ہوا دیکھا، بہت سے خادموں اور زائروں کو خضوع وخشوع کے ساتھ زیارت کرتے دیکھا وہاں کی زیارت سے فارغ ہو کر اپنے باپ کی قبر پر گیا تو اس کے قبہ کو فرسودہ کہنہ اور کبوتروں اور کووں کی بیٹ سے بھرا ہوا پایا وہاں روشنی کا کوئی انتظام ہے نہ فرش بچھا ہے اور نہ ہی کوئی خادم ہے منتصر نے کہا سبحان اللہ ہر چند ہمارے آباؤ اجداد نے ائمہ کی عظمت وامامت کو محو کرنا چاہا یہاں تک کہ انھیں قتل کرنے اور جلاوطن کرنے

---

[1] ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ امام حسن عسکریؑ نے متوکل کے زمانہ میں وفات نہیں پائی ہے کیونکہ متوکل ۲۴۷ھ میں قتل کیا گیا جبکہ امام حسن عسکریؑ نے ۲۶۰ھ میں رحلت کی ہے۔

[2] کشف الغمہ ج ۲ ص ۵۱۹۔ مولف نے ترجمہ میں چند جگہوں پر وضاحت کی وجہ سے کچھ تصرف کیا ہے۔ [3] در کشف مستنصر ہے۔

کے درپے رہے اس کے باوجود ان کے آثار باقی ہیں. کیونکہ وہ حق پر تھے لہذا آج دنیا میں ان کی قبروں کے نشان آشکار و روشن ہیں اور ہمارے آباو اجداد کی قبور کے نشان ہماری خلافت و حکومت ہونے کے باوجود کالعدم ہیں اور یہ اس لئے ہے تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ آخر کار حق غالب و کامیاب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ منتصر نے نجف و کربلا کے مزاروں کی تعمیر میں کوشش کی اور وہاں عمارت بنوائی۔

فَاصْبِرْ إِنَّ الْعاقِبَةَ للمتقين، و الحمدلله ربِّ العالمين، و صلّى الله على سيدنا محمدٍ و آل سيدنا محمّدٍ سيّما الامام الصفي الحسن العسكري و سَلَّمْ تسليماً

ذرا صبر کریں، عاقبت متقین کے لئے ہے اور حمد عالمین کے رب اللہ سے مخصوص ہے، اے اللہ ہمارے آقا محمدؐ اور ہمارے سردار محمدؐ کی آل خصوصاً منتخب امام حسن عسکریؑ پر رحمت وسلامتی نازل فرما۔

امام مہدی علیہ السلام
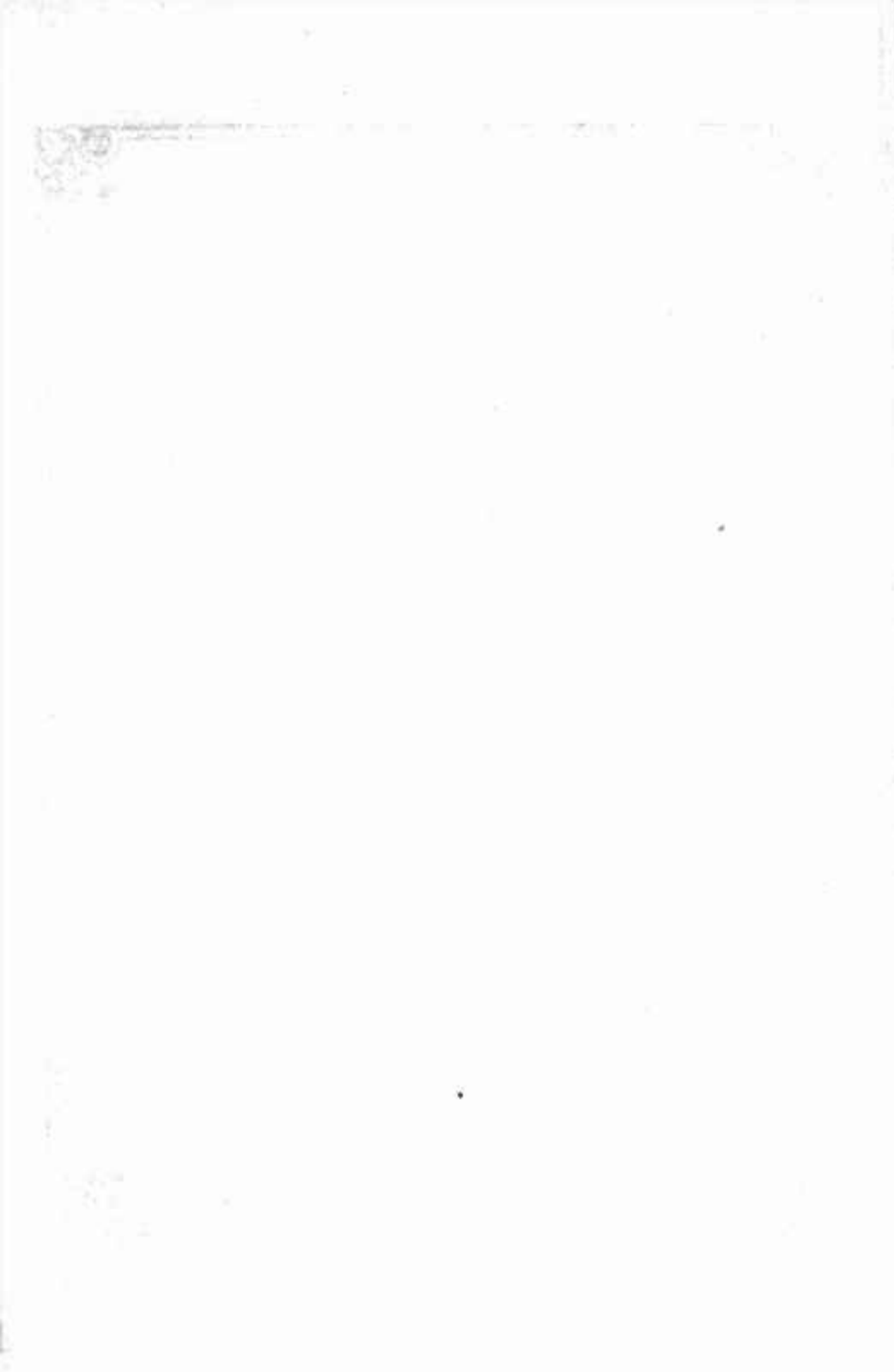
اللّٰھمّ صلّ وسلّمْ علی الإمامِ الثانی عشر

اے اللہ بارہویں امامؑ پر رحمت وسلامتی نازل فرما۔

یہاں سے بارہویں امام حضرت امام محمد مہدیؑ پر درود وسلام کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ مہدیؑ اور یہ کہ وہ کون ہیں، کس زمانہ میں ہونگے، حسن عسکریؑ کے فرزند ہیں یا کسی اور کے۔ اس سلسلہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ اس بحث کو ہم یہاں سپرد قلم کرتے ہیں اور انشاء اللہ اپنے علم کے مطابق اس کی وضاحت کریں گے۔

اس بات پر پوری امت کو اتفاق ہے کہ آخری زمانہ میں رسولؐ کی اولاد میں سے ایک شخص ظہور کرے گا جو کہ دنیا کو اسی طرح عدل وانصاف سے پُر کرے گا جیسا کہ وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔

اور امت کا یہ اتفاق ان صحیح احادیث کی وجہ سے ہے جو کہ اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں چنانچہ جناب ام سلمہ کہتی ہیں: میں نے رسولؐ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: مہدی میری عترت سے اولاد فاطمہؑ میں ہوگا۔ اور ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: کشادہ پیشانی، بڑی ناک والا مہدی میرا بیٹا ہے جو کہ زمین کو اسی طرح عدل وانصاف سے پُر کرے گا جیسا کہ وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔ ابو سعید خدری ہی سے مروی ہے کہ رسولؐ نے مہدیؑ کے بارے میں فرمایا: ایک شخص امام مہدیؑ کے پاس آئے گا اور کہے گا مجھے کچھ عطا کیجئے تو مہدیؑ اس کے کپڑے پر اتنا مال ڈالیں گے جتنا کہ وہ

اٹھا کر لے جا سکے۔[1]

عبداللہ بن مسعود نے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: اگر دنیا کا ایک دن بھی باقی رہ جائیگا تو خدا اس دن کو اتنا طول دے گا کہ میری امت اور میرے اہل بیتؑ میں سے اس شخص کو ظاہر کرے گا کہ جس کا نام میرے نام پر ہوگا اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا اور وہ زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے پُر کرے گا۔ جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسولؐ نے اس امت پر نازل ہونے والی بلا کا ذکر کیا اور فرمایا حالت یہ ہوگی کہ کسی کو ظلم سے اماں نہیں ملے گی، پناہ گاہ میسر نہیں آئے گی تو خداوند عالم میری عترتؑ میں سے ایک شخص کو بھیجے گا جو کہ میرے اہل بیتؑ سے ہوگا اور وہ زمین کو ایسے ہی عدل و انصاف سے پُر کرے گا۔ جس سے آسمان و زمین والے خوش ہو جائیں گے، اور اس زمانے میں آسمان سے برکتیں نازل ہونگی اور زمین اپنے خزانے اگل دے گی۔ یعنی بہت زیادہ بارش ہوگی اور دنیا میں نعمت کی فراوانی ہوگی۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا: اس شخص کی عمر جو کہ میرے اہل بیتؑ میں سے ہوگا۔ سات یا آٹھ یا نو سال ہوگی۔

ام سلمہ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: ایک خلیفہ کی موت سے لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے گا اور اہل مدینہ سے ایک شخص فرار کرکے مکہ پہونچے گا تو مکہ والے اسے باہر لائیں گے، اور وہ اس بات سے راضی نہ ہوگا لیکن لوگ زبردستی رکن و مقام کے درمیان اس کی بیعت کریں گے۔ شام سے اس کی طرف لشکر بھیجا جائے گا۔ جو مکہ کے راستہ میں بیدا نامی مقام پر زمین میں دھنس جائے گا، اس کے بعد شام و عراق کے سربرآوردہ لوگ اس کی بیعت کریں گے۔ پھر قریش سے وہ شخص کہ جس کی ماں بنی کلب سے ہوگی اس کی طرف لشکر بھیجے گا یہ لشکر بھی اس سے شکست کھا جائے گا، اور وہ امت کے درمیان سنت رسولؐ پر عمل کرے گا، اسلام کے پائے مضبوط ہو جائیں گے جیسا

---

[1] بحار الانوار ج ۵۱ ص ۱۰۳

کہ اونٹ زمین پر گردن رگڑ کر متمکن ہو جاتا ہے یہ شخص سات سال زندہ رہے گا، پھر موت کو لبیک کہے گا اور لوگ اس پر نماز پڑھیں گے۔

مہدیؑ کون ہے؟

مہدیؑ اور آخری زمانہ میں ان کے ظہور کے بارے میں کچھ احادیث وارد ہوئی ہیں کہ جن کے صحیح ہونے پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے اور ایسے شخص کے ظہور کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اختلاف اس میں ہے کہ یہ ظہور کرنے والا حسن عسکریؑ کا فرزند ہے یا نہیں ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حسن عسکریؑ کے فرزند نہیں ہیں کیونکہ یہ ثابت نہیں ہے کہ حسن عسکریؑ کے یہاں کوئی بیٹا تھا اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حسن عسکریؑ کے یہاں بیٹا تھا تو یہ بعض لوگوں کی خبریں ہیں اور جو خبر مشہور و مستفاض نہ ہو اس سے نسب ثابت نہیں ہوتا ہے خصوصاً ایسا عظیم نسب اور اسے اعتقاد کا محور نہیں قرار دے سکتے ہیں اور بالفرض اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حسن عسکریؑ کے یہاں بیٹا تھا، لیکن اسے کسی نے نہ دیکھا اور نہ وہ مسند امامت پر متمکن ہوئے اور نہ ان سے کوئی اثر ظاہر ہوا، اور بالفرض اگر لوگوں نے اسے دیکھا اور وہ امام مقرر ہوئے بھی ہوں گے تو وفات پا چکے ہوں گے اور یہ بات بعید ہے کہ ایک شخص سات سو سال زندہ رہے اور کوئی اسے نہ دیکھ سکے۔

ان تمام باتوں کے باوجود اس جماعت کا اعتقاد ہے کہ وہ ہیں اور بالفعل امام ہیں اور لوگ اس وقت ان کی امامت کے عہد میں ہیں اور وہ لوگوں کے لئے خدا کا لطف ہیں کہ طاعات میں آپ بندوں سے تقرب کا سبب ہوتے ہیں، جب وہ موجود نہیں ہیں اور ہرگز کسی نے نہیں دیکھا ہے تو طاعات میں کیسے تقرب کا باعث ہوتے ہیں اور جو شخص ظاہر نہ ہو وہ کیونکر امام و خلیفہ ہو سکتا ہے اور لوگوں کو اس کے عدل سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا ہے۔ نیز رسولؐ نے فرمایا ہے: اس کا وہی نام ہوگا جو میرا ہے اور اس کے والد کا وہی نام ہے جو میرے والد کا نام ہے اور امام مہدیؑ کے والد کا نام حسنؑ اور رسولؐ کے والد کا نام عبد اللہ تھا۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ عقل و نقل کے لحاظ سے مہدیؑ کا حسن عسکریؑ کا

بیٹا ہونا بہت بعید ہے۔ لہذا مہدیؑ وہ شخص ہے جو کہ آخری زمانہ میں رسولؐ کی اولاد میں سے ظاہر ہوگا اور وہ ابھی تک پیدا نہیں ہوا ہے۔ یہ ہے حضرت مہدیؑ کے بارے میں بہت سے مسلمانوں کا نظریہ اور جو کچھ انھوں نے بیان کیا ہے وہ ان کی دلیلیں ہیں۔

اہل اسلام کی دوسری جماعت امامیہ کا عقیدہ ہے کہ بارہویں امام محمد بن الحسن العسکریؑ ہیں اور ان کی کنیت ابو القاسمؑ ہے۔ جب آپؑ نے ولادت پائی اس وقت متوکل خلیفہ تھا اس نے امام حسن عسکریؑ کو زہر سے شہید کیا تھا، امام حسن عسکریؑ کے انتقال کے وقت آپؑ چار سال کے تھے آپؑ کو امام حسن عسکریؑ کے گھر کے سرداب میں مخفی رکھا جاتا تھا چنانچہ خدا نے آپؑ کو دشمنوں کے شر سے بچایا اور محفوظ رکھا۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جس بچہ کو پوشیدہ رکھا جائے اس کا وجود متواتر ہو اور اسے سب دیکھیں اور چونکہ شیعہ جانتے ہیں کہ امام حسن عسکریؑ کے یہاں بیٹا تھا کہ جس کا نام محمدؐ تھا اور امام حسن عسکریؑ کی نص سے آپؑ کی امامت ثابت ہے، آپؑ کو امام حسن عسکریؑ کے گھر کے سرداب میں مخفی رکھا جاتا تھا۔ امام حسن عسکریؑ کا ارشاد ہے کہ وہ منتظر موعود ہیں اور شیعوں نے آپؑ کو دیکھا ہے اور کبھی کبھی آپؑ دوستوں سے ملتے ہیں۔

آپؑ کے لطف کے آثار دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، آپؑ کے وجود اور امامت سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے؟ یہ نظریہ کہ مہدیؑ وفات پاگئے تھے تو یہ ثابت نہیں ہے پھر شیعوں کے نزدیک آپؑ کی حیات و آثار واضح اور معلوم ہیں اور یہ کہنا کہ تقریباً سات سو سال تک کسی شخص کا زندہ رہنا بعید ہے۔ تو یہ شرع کے اعتبار سے بعید ہے نہ عقل کے لحاظ سے کیونکہ اطباء کہتے ہیں کہ موت ضروری ہے لیکن جب تک رطوبت عزیزیہ سے تحلیل نہ ہوگی اس وقت تک انسان زندہ رہے گا اور خداوند عالم اس بات پر قادر ہے کہ وہ انسان کے مزاج میں رطوبت عزیزی کو اس کیفیت میں رکھے کہ وہ کلی طور پر تحلیل نہ ہو تو ایسے مزاج کا آدمی سالہا سال زندہ رہ سکتا ہے۔ منجموں نے عطیہ حیات کی ایک سو پچیس سال غایت معین کی ہے۔ انھوں نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ اگر کوئی شخص سال قران میں پیدا ہوا ہو تو اس کی عمر سات سو سال سے بھی زیادہ ہوگی، جبکہ ہیلاج قران زحل میں ہو۔ اس سے عقلی طور پر بعید ہونا رفع ہو جاتا ہے۔

لیکن شرعی اعتبار سے تو اکثر اہل شرع اس بات پر متفق ہیں کہ خضرؑ، الیاسؑ دونوں حیات ہیں ایک خشکی کا محافظ ہے دوسرا دریاؤں کا اور اکثر محققین کے نزدیک ان کے موجود ہونے کے بارے میں کوئی نزاع نہیں ہے ان کی عمر بہت زیادہ ہے لہذا حق تعالیٰ خضر و الیاس کی مانند محمد بن الحسنؑ کو اتنی طولانی عمر عطا کر سکتا ہے کہ وہ آخری زمانہ میں ظہور کریں اور نور عدل سے دنیا کو منور کریں جیساکہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ لیکن یہ کہ امام لطفِ خدا ہیں تو جو خود غائب ہو وہ بندوں تک کیسے پہونچ سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپؑ بہت سے لوگوں کی مدد کرتے ہیں ہر وقت و ہر جگہ ان کی دست گیری کرتے ہیں، اور اپنا دیدار کراتے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بہت سے واقعات و حکایات نقل ہوئے ہیں انشاء اللہ ہم آئندہ تحقیق کے ساتھ بیان کریں گے۔

لیکن یہ جو کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا ہے کہ: مہدیؑ کے والد کا نام وہی ہے جو میرے (رسولؐ کے) والد کا نام ہے اور مہدیؑ کے والد کا نام حسنؑ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ چیز بعض روایات میں وارد ہوئی ہے جبکہ اکثر روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ مہدیؑ کا نام میرے نام پر ہوگا اور پہلی روایات کو اگر صحیح مان لیا جائے تو تمام ائمہ معصومینؑ کا لقب عبد صالح ہے جس سے مراد عبداللہ ہے اور لقب کا وہی حکم ہے جو نام کا ہے۔ اس اعتبار سے مہدیؑ کے والد کا نام عبداللہ ہے یہ مہدیؑ کے بارے میں ہے شیعہ امامیہ کا موقف اس پر بہت سی دلیلیں ہیں۔ ہم نے پہلی جماعت کے لئے مختصر بیان کیا ہے کیونکہ طرفین کے تفصیلی خیالات کو قلم بند نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے تلخیص بیان کر دی ہے۔

مہدیؑ کے بارے میں مولف کا عقیدہ

ہمارا موقف یہ ہے کہ مذکورہ احادیث کی بنا پر آخری زمانہ میں امام مہدیؑ کا وجود ضروری و واجب ہے اسی طرح مہدیؑ کا اولاد فاطمہ علیہا السلام سے ہونا اور ان کا محمد نام ہونا بھی واجب ہے۔ اب یہ تمام صفات محمد بن الحسنؑ میں جمع ہیں مومنین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ وہ محمد بن الحسنؑ ہیں۔ بہت سی روایات و احادیث جو کہ تواتر و استفاضہ کی حد کو پہونچی ہوئی ہیں وہ

اس پر دال ہیں پھر یہ بات کہنا کہ مہدیؑ موعود محمد بن الحسنؑ ہیں اسلام کے کسی بھی قاعدے کے منافی نہیں ہے۔ اور نہ اس سے کسی حکم شریعت میں کوئی خلل پیدا ہوتا ہے بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ محمد بن الحسنؑ ہی مہدیؑ موعود ہوں کیونکہ حدیث میں جن بارہ ائمہ کی طرف اشارہ ہوا ہے ان کی تعداد آپؑ ہی کے وجود سے پوری ہوتی ہے۔ پھر حدیث میں جس مہدیؑ موعود کی طرف اشارہ ہوا ہے کہ وہ آخری زمانہ میں ظہور کر کے دنیا میں عدل وانصاف قائم کریگا اگر وہ محمد بن الحسنؑ ہوں تو زیادہ مناسب ہیں اور سب سے زیادہ شریف ہیں اور سلک بارہ امام بھی آپؑ کے وجود سے کامل ہوگی اور اس سے امامت وخلافت کی تکمیل ہوگی اور آپؑ کے عدل سے دنیا کو نئی زندگی نصیب ہوگی۔ اور رسولؐ کے فرمان کے مطابق کہ ائمہ بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد کے برابر بارہ ہیں، اس کا فائدہ بھی اسی نہج سے ظاہر ہوگا۔

اب ہم احتیاط کے پیش نظر شیعہ امامیہ کی موافقت کرتے ہیں اور ہمارے نقطۂ نظر سے محمد بن الحسنؑ ہی مہدیؑ موعود ہیں وہی قائم ومنتظر ہیں جب ان کا وعدہ پورا ہو جائے گا، ظہور کریں گے اور دنیا کو عدل وانصاف سے پُر کریں گے۔ اور طغیان وسرکشی سے دنیا کو پاک کریں گے ان کا لطف خواص کے شامل حال رہتا ہے اگر یہ موقف، جو کہ ہم نے اختیار کیا ہے، واقع کے مطابق ہوگا اور مہدی موعود محمد بن الحسنؑ ہونگے اور وہ ابھی تک زندہ ہیں تو ہم نے راہ نجات پائی ہے اور ہم اس مقدس ذات پر صلوات وسلام بھیجکر ثواب کے طالب ہیں اور ہم ان الطاف سے بہرہ مند ہوں گے انشاء اللہ اور اگر مہدی موعود اولادِ رسولؐ میں سے کوئی اور ہوگا جو ابھی پیدا نہیں ہوا ہے تو ہمارا اسلام ودرود اس پر پہونچ جائے گا اور اس کا ثواب ہمیں پہونچے گا۔ کیونکہ اگرچہ وہ ابھی ظاہر نہیں ہوئے ہیں لیکن ان کا مقدس نور تو بے شک موجود ہے ان کا وجود بعد میں ظاہر ہوگا۔ جیسا کہ ہمارے رسولؐ پر ولادت سے پہلے انبیاء وصالحین درود وسلام بھیجتے تھے اور اجر وثواب حاصل کرتے تھے۔ اس بنا پر محمد بن الحسنؑ کو اس کا مصداق قرار دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ آپؑ اس فرض کی بنا پر ائمہ کی اولاد سے ہیں اور امام حسن عسکریؑ کے بیٹے ہونے اور تمام ائمہ سے نبوت کی نسبت بھی صحیح ہے کیونکہ علویوں

کو امام زادہ کہا جاسکتا ہے۔

بہر حال احتیاط تقاضا ہے کہ ہم اس بات کے معتقد ہو جائیں کہ مہدیٔ موعود آخر الزمان حضرت امام معصوم ابو القاسم محمد المہدی ابن الامام ابی محمد الحسن العسکریؑ ہیں۔

القائِم الْمُنْتَظر. العالِم الْمُقْتَدِر

آپؑ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہنے کے زمانہ میں فرائض امامت کے قائم کرنے والے ہیں۔

یعنی آپؑ غیبت کے زمانہ میں لوگوں کی حالت سے غافل نہیں ہیں بلکہ ہر اس چیز پر قادر ہیں کہ جس پہ امام کو قائم ہونا چاہیئے۔ یہ غیبت کے زمانہ میں لوگوں پر آپؑ کے الطاف کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ دنیا کے حالات سے بے خبر نہیں ہیں آپؑ کے غائب ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپؑ سرداب میں پوشیدہ ہیں اور وہاں بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ آپؑ دنیا کے ہر گوشہ میں موجود ہیں اور ہر زمانہ میں دوستوں تک ان کے الطاف پہونچتے رہتے ہیں اور جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے کہ آپؑ مجبوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔ آپؑ کو ظہور کے زمانہ کا انتظار ہے یعنی جس وقت اجازت مل جائے گی لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے اور لوگ آپؑ کی امامت و خلافت کے فوائد سے مالامال ہو جائیں گے اور آپؑ زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے پُر کریں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔

آپؑ مقتدر عالم ہیں۔

یہ آپؑ کے علم وقدرت کی طرف اشارہ ہے یہی دونوں صفت تمام کمالات کی اصل ہیں سے آپؑ مظہر موعود ہیں اس لئے آپؑ کو ہر صفت کمال سے متصف ہونا چاہیئے اور یہ دونوں صفت تمام کمالات کا سرچشمہ ہیں خصوصاً خاتم الائمہ کے کامل وجود میں ان صفات کا ہونا ضروری ہے۔

وارِثِ الصَّفْوَةِ الْمُصْطَفَوِيَة

صفوت مصطوی کے وارث ہیں۔ یعنی آپؑ کو دنیا میں وہ صفوت و برگزیدگی ملی ہے جو محمدؐ کو حاصل تھی۔

مہدیؑ پر ختم ولایت کے معنی

یہاں سے مہدیؑ کے صفات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ واضح رہے ائمہ واولیاء سے حضرت مہدیؑ کو وہ نسبت ہے جو خاتم الانبیاء کو تمام انبیاء سے ہے یعنی سابقین کے تمام صفات کمال کے جامع اور ہر ایک کے کمالات خاصہ کے وارث ہیں خاتم الانبیاءؐ تمام گذشتہ انبیاء کے صفات کے حامل وجامع تھے معنیٔ ختم کی حقیقت یہ ہے کہ نبوت وامامت کا آخری نقطہ دائرہ کے نقطۂ مبداء سے منطبق ہو۔ اور جب نقطہ آخر نقطہ آغاز پر منطبق ہوگا تو دائرہ مکمل ہو جائے گا ہم اس بات کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ سب سمجھ لیں۔

جان لو کہ دائرہ کے نقاط کا ہر نقطہ وجودِ دائرہ کے صفات کے حامل ہونے سے کامل ہوتا ہے اور جب تک وہ صفات نقاط میں متحقق نہ ہونگے اس وقت تک دائرہ وجود میں نہیں آئے گا اور جب تک دائرہ کا نقطۂ آخر اس کے نقطۂ آغاز پر منطبق نہ ہوگا اس وقت تک ذات کامل نہیں ہوگی ہر چند دائرہ کے صفات نقاط کے واسطہ سے ظہور پذیر ہو چکے ہوں اور جس انطباق سے دائرہ کا وجود کامل ہوتا ہے اسے نقطۂ ختم کہتے ہیں درحقیقت وہ نقاط کے تمام صفات کا جامع ہوتا ہے کیونکہ نقاط اپنے وجود کے ذریعہ اپنے صفات کو ظاہر کرتے ہیں پس اس کے ظہور سے قبل نقاط کے صفات کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے مظہر میں صفات کا اثر ظاہر ہوتا ہے لہذا وہ دائرہ کے نقاط کے تمام صفات کا جامع ہے کیونکہ اس کے ظہور سے نقاط کے صفات ظاہر ہوتے ہیں۔

اس مقدمہ کے بعد اس بات کو واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ دائرۂ نبوت میں نقطۂ ختمیہ حضرت رسولؐ ہیں اور آپؐ دائرہ کے نقاط، کہ انبیاءؑ ہیں، کے تمام صفات کے جامع ہیں اور آنحضرتؐ ہی کے وجود سے تمام انبیاءؑ کے صفات ظاہر و آشکار ہوئے ہیں۔ اور دائرہ نبوت آپؐ ہی سے کامل ہوا ہے۔ آپؐ کا نام محمدؐ تھا۔ محمد کے معنی ہیں بہت زیادہ تعریف کیا گیا اور چونکہ آنحضرتؐ تمام انبیاء کے صفاتِ کمال کے جامع ہیں اور انبیاء تمام مخلوقات کے صفاتِ کمال کے جامع ہیں لہذا صفات

کمال کی جامعیت کا اقتضا ہے پس صفاتِ کمال کی جامعیت کا مقتضی حمد ہے اور اس کا اظہار مظہر میں مبالغہ کے طور پر ہے تو یہ صفاتِ کمال ہے لہذا آنحضرتؐ کا نام محمدؐ ہے۔

چونکہ وجودِ حضرت مہدیؑ امامت ولایت کے دائرہ کا نقطۂ ختمیت ہے لہذا آپؑ ضرور ائمہ عظام کے تمام صفاتِ کمال کے جامع ہیں اور رسولؐ نے اپنے اس قول کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ان کا نام میرے نام پر ہوگا۔ اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مہدیؑ تمام ائمہ سے افضل ہیں کیونکہ صفاتِ کمال کی جامعیت ضروری نہیں ہے کہ افضلیت کا باعث ہو۔ اس لئے کہ ائمہ کی ہر فرد میں ممکن ہے ایک صفت کمال زیادہ اور بدرجہ احسن و اتم پائی جاتی ہو اور اس کے مظہر جامع میں اس درجہ احسن نہ ہو۔ ہاں آپؑ میں جامعیت کا وصف ہے اور آپؑ ہر وصف میں غایت کمال پر فائز ہیں۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ آپؑ کے دائرہ کار کا نقطہ ختمیت یہی ہے کہ آپؑ نے دائرہ کو مکمل کیا ہے اور جب دائرہ مکمل ہوگیا تو دائرہ کے تمام افراد مساوی ہیں اور ہر ایک دائرہ کا نقطۂ آغاز نقطۂ آخر بن سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت مہدیؑ کا وجود دائرہ امامت کا خاتم ہے اور جب آپؑ نے اسے ختم و تمام کر دیا تو سارے اجزاء مساوی ہو گئے اور ان کے درمیان کوئی تفاوت نہیں رہا اس لئے دائرہ کا نقطۂ آغاز نقطۂ آخر ہے اور سب کی فضیلت کمال ایک ہے۔

اسی لئے رسولؐ نے فرمایا ہے: انبیاء کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو اور یہ نہ کہو کہ کون کس سے افضل ہے۔ اور ائمہ اثنا عشر کا بھی یہی حکم ہے چنانچہ ہرگز کسی نے کسی امامؑ کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی ہے اور یہ نہیں کہا ہے کہ کون افضل ہے بلکہ جو بھی مبداء سے قریب ہے وہ شرف و فضل میں مقدم ہے۔ اس تمثیل و توضیح سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ حق یہ ہے کہ حضرت مہدیؑ پیدا ہو چکے ہیں اور اس وقت موجود ہیں کیونکہ رسولؐ کے دین کی تکمیل کا اقتضاء ہے اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ، کے اقتضا ہے کہ دین کامل ہے۔ جس طرح آنحضرتؐ کے وجود سے دائرۂ نبوت مکمل ہوا ہے اور امامت نبوت کی فرع ہے وہ بھی کامل ہے۔ جس سے دین کامل ہوا ہے اگر دین کی تکمیل آخرالزمان پر موقوف ہو گی تو مدتوں تک دنیا امام برحق سے خالی رہے گی اور امامت کے دائرہ کے نقاط زمانہ ظہور تک

کامل نہ ہونگے، کیونکہ امام حسن عسکریؑ کے زمانۂ امامت کے بعد کوئی امام ظاہر نہیں ہوا ہے جبکہ دائرہ نبوت کا تسلسل آدم سے خاتم تک رہا ہے ہر زمانہ میں انبیاء آتے رہے ہیں ہاں زمانہ فترت، حضرت عیسیٰ کے بعد سے حضرت محمدؐ تک کے درمیان کے زمانہ میں کوئی صاحب دعوت پیغمبر نہیں تھا نہ کہ کوئی پیغمبر ہی نہیں تھا کیونکہ حنظلہ بن صفوان، خالد بن سنان اور جرجیس صلوات اللہ علیہم سب ہی پیغمبرؑ تھے جو کہ عیسیٰؑ اور آپؐ کے درمیان کے زمانہ میں گزرے ہیں۔

لابدی طور پر آپؑ کے وجود سے دائرۂ امامت کی تکمیل ہوئی ہوگی تاکہ اکمال دین محقق وثابت ہو جائے۔ حکمت الٰہی مقتضایہ ہے کہ آپؑ آخری زمانہ تک پوشیدہ رہیں کیونکہ اگر آپ ہر زمانہ میں ظاہر رہتے تو کسی کام میں خلل واقع نہ ہوتا اور سلاطین وبادشاہان کا ظلم وجور نہ ہوتا اور امت بلاؤں میں مبتلا نہ ہوتی اور آخرت کا اجر وثواب نہ ملتا اور مومن ومنافق اور طیب وخبیث کو جدا کرنے کے لئے خدا امت کا امتحان لیتا ہے اور یہ امتحان اکثر ظالم حکام کے وجود سے ہوتا ہے یہ نہ ہوتا۔

بنابرایں اس طویل زمانہ میں آپؑ کا وجود پوشیدہ ہے اور آخری زمانہ میں آپؑ کا ظہور ضروری ہے تاکہ تمام ائمہ کے صفاتِ کمال کا نتیجہ اور امامت کا لازمہ، روئے زمین پر شوکت سلطنت اور حکومت و عدل گستری ظاہر ہو جائے۔ اسی لئے رسولؐ نے فرمایا تھا کہ اگر دنیا کا صرف ایک ہی دن باقی بچے گا تو خدا اس دن کو اتنا طولانی بنا دے گا کہ میرے اہل بیتؑ میں سے ایک شخص ظہور کرے گا اور وہ دنیا کو اسی طرح عدل وانصاف سے پُر کرے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔ اور خدا کی یہ ساری حکمتیں خاتم الاولیاء والائمہ حضرت امام معصوم محمد مہدیؑ کے وجود مبارک میں جلوہ گر ہیں۔

آپؑ اپنے آباء واجداد کے صفات کے حامل ہیں اور خاتمیت اور نام میں رسولؐ کی شبیہ ہیں آپؑ نے اپنے آباء واجداد میں سے کیا میراث پائی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔ مذکورہ فقرہ میں بیان ہوا ہے رسولؐ سے صفوت، میراث میں پائی ہے، صفوت یعنی برگزیدگی اور چونکہ امامت کو ختم کرنے کے لئے خدا نے آپؑ کو برگزیدہ کیا ہے لہذا صفوت امام مہدی کو رسولؐ سے میراث میں ملی ہے۔

وَالْقُوَّةِ الْمُرْتَضَوِیَة

آپؑ طاقتِ مرتضویہ کے وارث ہیں

یعنی آپؑ نے حضرت امیرالمومنین علیؑ سے معنوی و صوری طاقت میراث میں پائی ہے کیونکہ خاتم کو قوت باطن اور شوکت ظاہر، جو کہ قوت صفات سے حاصل ہوتی ہے، متصف ہونا چاہیئے اور یہ اس صفت کا کمال خیبر اکھاڑنے والے علی مرتضیٰ میں موجود تھا۔

والْمَكَارِمِ الْحَسَنِيَّة

آپؑ مکارمِ حسنی کے وارث ہیں

یعنی مکارم صوری و معنوی، حسن و جمال اور اخلاق و کمال آپؑ نے امیرالمومنین حسنؑ سے میراث میں پائے ہیں تاکہ ان صفات میں بھی آپؑ کو کمال حاصل رہے۔

وَالْعَزَائِمِ الْحُسَيْنِيَّة

آپؑ عزائم حسینی کے وارث ہیں یعنی امام حسینؑ سے عزم و ارادہ میراث میں پایا ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مہدیؑ موعود راہِ خدا میں عزائم کے پیکر ہیں جیسا کہ امام حسینؑ اپنے عزم میں ایسی ہی عظمت و مردانگی کے حامل تھے کہ آپؑ کو دشمنان خدا سے مقابلہ کرنے سے کوئی بھی باز نہیں رکھ سکتا۔

وَالْعِبَادَةِ الْعَلَوِيَّة

آپؑ امام زین العابدینؑ کی عبادت کے وارث ہیں

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عبادت آپؑ نے امام زین العابدینؑ سے میراث میں پائی ہے اور عبادت و تقربِ خدا میں آپؑ امام زین العابدینؑ کی اقتدا کرتے ہیں۔

وَالْعُلُومِ الْبَاقِرِيَّة

آپؑ علومِ امام محمد باقرؑ کے وارث ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ علوم باقرؑ کے مالک ہیں چنانچہ جس طرح امام محمد باقرؑ علوم

کی تہہ تک پہونچنے والے اور حقائق کے کشف کرنے والے ہیں اسی طرح آپؑ بھی ان صفات سے متصف ہیں۔

وَالْإِمامَةِ الصّادِقِيَة

آپؑ امام جعفر صادقؑ کے وارث ہیں۔

یعنی حضرت امام جعفر صادق سے خواصِ امامت، دین و مذاہب کے قواعد کی تدوین حقائق ملت کی تنقیح اور علوم شریف کے اظہار کی میراث پائی کیونکہ خاتم الاولیاء و ائمہ میں امامت کے لوازم کے اظہار کی صفت ہونا ضروری ہے۔

وَالْأَخْلاقِ الْكاظِمِيَة

آپؑ اخلاقِ امام موسیٰ کاظمؑ کے وارث ہیں۔

یہ آپؑ کے کمالِ اخلاق کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ امام موسیٰ کاظمؑ غصہ پی جاتے تھے اور امام موسیٰ کاظمؑ کے مکارمِ اخلاق کا جو مختصر حصہ بیان ہوا ہے وہ سب حضرت مہدیؑ میں موجود ہے۔

وَالْمَعارِفِ الرَّضَوِيَة

آپؑ امام رضاؑ کے معارف کے وارث ہیں۔

یعنی جو معارف حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ کی ذات والاصفات میں تھے وہ آپؑ میں بھی موجود ہیں یہ علم جفر و جامعہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَالْكِراماتِ التَّقَوِيَة

آپؑ امام محمد تقیؑ کی کرامتوں کے وارث ہیں۔

یہ ان کرامتوں اور عجیب علامتوں و نشانیوں کی طرف اشارہ ہے جو کہ امام محمد تقیؑ میں موجود تھیں اور امام محمد مہدیؑ میں موجود ہیں۔

وَالْمَقاماتِ النَّقَوِيَة

آپؑ مراتبِ امام علی نقیؑ کے وارث ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم و معرفت اور وصایت و امامت کے جن مراتب پر امام علی نقیؑ فائز تھے وہ آپؑ کو بھی حاصل ہیں۔

وَالْعَسَاكِرِ الْعَسْكَرِيَّة

آپؑ امام حسن عسکریؑ کے لشکروں کے وارث ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام حسن عسکریؑ نے ملائکہ کے جو لشکر متوکل کو دکھائے تھے ظہور کے وقت وہ آپؑ کے لشکر ہونگے۔ یہ واضح قرینہ ہے کہ حضرت امام محمد مہدیؑ امام حسن عسکریؑ کے فرزند ہیں۔ امام حسن عسکریؑ نے متوکل کو یہ لشکر اس لئے دکھائے تھے کہ عنقریب یہ لشکر امدینہ میں میرے فرزند ــ کے حکم سے ــ عالم کو مسخر کرلیں گے ورنہ لشکروں کی نمائش بے فائدہ ہوتی۔

اَلَّذِي فَاقَ الْأَنَامَ كَرَامَةً وَ فَضْلاً

آپؑ وہ ہیں جو کہ اپنی عظمت و کرامت سے لوگوں پر فوقیت و برتری رکھتے تھے۔

یہ آپؑ کے فضل و کرامت کی طرف اشارہ ہے اور جو صفات کرامت کا باعث ہوتے ہیں وہ آپؑ میں تمام لوگوں سے زیادہ موجود ہیں اور سب سے زیادہ فضائل کے حامل ہیں کہ آپؑ میں ائمہ کے فضائل جمع ہیں۔ جیسا کہ اس بات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

آپؑ عنقریب زمین کو عدل سے پُر کریں گے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں: وَ سَيَمْلَأُ الْأَرْضَ عَدْلاً؛ آپؑ عنقریب زمین کو عدل سے پُر کریں گے۔ یہ رسولؐ کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ: مہدیؑ میرے اہل بیتؑ سے ہے وہ زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے پُر کرے گا جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ رسولؐ کی حدیث کے مطابق مہدیؑ کا ظہور اس وقت ہوگا کہ جب دنیا ظلم و جور سے پُر ہو چکی ہوگی۔ جیسا کہ رسولؐ کا ظہور اس وقت ہوا تھا جب دنیا میں شرک پھیل چکا تھا۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب رسولؐ مبعوث بہ رسالت ہوئے تھے اس وقت روئے زمین پر شرائط توحید کے ساتھ ایک شخص بھی لا الہ الا اللہ کہنے والا نہیں تھا کیونکہ اس وقت یہودیت و نصرانیت ہی دینِ حق تھا۔ اور یہ دونوں ہی تحریف و تغییر کی وجہ سے

اپنی اصلی صورت وحیثیت کھو چکے تھے۔ شرائط توحید دونوں میں مفقود تھے۔

اسی طرح حضرت مہدیؑ کا ظہور اس زمانہ میں ہوگا جب ظلم وجور اپنی انتہا کو پہونچ چکا ہوگا چنانچہ رسولؐ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مہدیؑ دنیا کو ایسے ہی عدل سے پُر کریں گے۔ جیسے وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔ اس کا راز یہ ہے کہ پیغمبرؐ اور آپؑ کے وارث خاتمہ الائمہ کا ظہورِ کمالِ حق کے ظہور کا سبب ہے جو کہ کمالِ باطل کی ضد ہے اور کمالِ حق کا ظہور باطل کی ضد کے کمال کے بعد ہے چنانچہ نور وظلمت میں جس مشاہدہ کیا جاتا ہے جب ظلمت کمال پر ہوتی ہے تو ظہورِ نور بھی کمال پر ہوتا ہے اگر ظلمت ایک طرح نور کے ساتھ مخلوط ہے تو یہ نور ظاہر کمالِ ظہور نہیں ہے۔ یہ بہت ہی دقیق نکتہ ہے۔ «یَهْدِی اللّٰهُ لِنُورِهٖ مَنْ یَشَاء»[1]

اَلْاِمامِ الْمَوْدُودِ وَ الْمَظْهَرِ الْمَوْعُود

آپؑ ایسے امام ہیں جو دلوں کے محبوب ہیں

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؑ مومنوں کے دلوں کے محبوب ہیں، لہذا دنیا میں جس شخص پر ظلم وجور ہوتا ہے یا مشقت ودشواریوں میں مبتلا ہوتا ہے وہ اس ظلم سے نجات پانے کے لئے حضرت امام مہدیؑ سے لو لگاتا ہے اور آپؑ کے ظہور کی امید رکھتا ہے تاکہ آپؑ اس بلا وظلم سے نجات دلائیں اور تمام مومنوں کے دل کا یہی حال ہے، چنانچہ ہر زمانہ کے لوگ آپؑ کے ظہور کے منتظر رہے ہیں اور دلوں میں آپؑ کے ظہور کی آس رہی ہے اور یہ اس لئے کہ آپؑ مومنوں کے دلو ںکے محبوب ہیں اور امام مہدیؑ وہ مظہر موعود ہیں۔ جن کے بارے میں رسولؐ نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ظہور فرمائیں گے اور دنیا کو نورِ عدالت سے منور کریں گے اور آپؑ کی بخشش ہر نادار ومفلس تک پہونچے گی اور آپؑ کے زمانہ میں کوئی محتاج نہ ہوگا۔

أبی القاسم محمّد المهدي العبد الصالح

---

[1] نور ۳۵

ابوالقاسم "رسولؐ کی مانند" آپؑ کی کنیت ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ان کا نام میرے نام پر ہوگا۔ لیکن کنیت کی تصریح نہیں ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ امامت آپؑ پر ختم ہوئی ہے۔ لہذا آپؑ کی کنیت بھی وہی ہے جو رسولؐ کی تھی۔ رسولؐ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میرا نام اپنے بچوں کا نام رکھو لیکن میری کنیت سے انھیں کنیت نہ دو۔ حدیث کے ان معنی کے سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ممانعت رسولؐ کے زمانہ سے مخصوص تھی۔ ایک مرتبہ آپؐ نے سنا کہ ایک آدمی کہہ رہا ہے کہ اے ابوالقاسم۔ آپؐ سمجھے کہ وہ آپؐ سے مخاطب ہے جبکہ اس کا مخاطب کوئی اور شخص تھا کہ جس کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ اس پر رسولؐ نے فرمایا: میری کنیت سے کسی اور کو نہ پکارو تاکہ مغالطہ نہ ہو کیونکہ کنیت تعظیم پر دلالت کرتی ہے اور نام سے اشتباہ و مغالطہ نہیں ہوتا ہے اور رسولؐ کو کوئی بھی آپؐ کے نام سے نہیں پکارتا تھا اس لئے آپؐ نے فرمایا: جس کنیت کے ذریعہ مجھے از روئے تعظیم پکارا جاتا ہے اس میں کسی کو میرا شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور آنحضرتؐ کے بعد اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ لوگوں کی کنیت ابوالقاسم رکھی جائے۔

مذکورہ حدیث کے معنی کے بارے میں بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نام و کنیت کو جمع نہ کرو یعنی اگر بیٹے کا نام محمد رکھا ہے تو ابوالقاسم اس کی کنیت نہ رکھو، ہاں جداگانہ طور پر نام رکھا جاسکتا ہے۔ اس جماعت کا نظریہ ہے کہ یہ بات یعنی نام و کنیت کو جمع کرنے کی ممانعت ہر زمانہ کے لئے ہے رسولؐ کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے اور تمام جماعتوں کا اتفاق ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیؑ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور رسولؐ نے فرمایا تھا کہ خدا آپؑ کو ایک فرزند عطا کرے گا اس کا نام میرے نام پر رکھنا یہ محمد حنفیہ ہیں جن کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ اس بنا پر آنحضرتؐ کی کنیت سے مکنّی کرنے کی نفی سے امیرالمومنینؑ مستثنیٰ ہیں ممکن ہے یہ حکم آپؑ کی اولاد میں کے لئے بھی ہو پس امام مہدیؑ کی کنیت ابوالقاسم رکھنا جائز ہے۔

اس کنیت کا راز یہ ہے کہ رسولؐ دنیا و آخرت کی سعادت تقسیم کرنے والے ہیں اور ہر شخص آنحضرتؐ کی سعادت سے مستفید ہے، کسی دوسرے کو یہ سعادت حاصل نہیں ہے کہ وہ کمالِ قاسمیت پر

فائز ہو۔ پس یہ کنیت آنحضرتؐ سے مخصوص ہے اور چونکہ یہ صفت منظر موعود سے ظاہر ہوگی لہذا آپؑ بھی اس کنیت میں شریک ہیں مہدیؑ آپؑ کا لقب ہے کیونکہ حقائق الٰہی کی طرف راہ یافتہ ہیں عبد صالح بھی آپؑ کا لقب ہے کہ آپؑ خدا کے صالح بندہ ہیں اور کمال عبودیت پر فائز ہیں۔

وَالْحُجَّةِ الْقَائِمِ الْمُنْتَظَرِ لِزَمانِ الظُّهُورِ

حجتِ قائم بھی منجملہ آپؑ کے القاب میں سے ایک ہے۔

کیونکہ آپؑ بندوں پر خدا کی حجت اور قائم ہیں۔ کیونکہ بندوں پر خدا کی حجت ہونے اور آپؑ ائمہ انبیاء کے وارث ہیں کیونکہ امامت درحقیقت تمام خلائق پر خدا کی طرف سے اتمام حجت ہے اور حجتِ خدا کو ہر زمانہ میں بندوں پر قائم رہنا چاہئے اور چونکہ آپؑ ہر زمانہ میں موجود ہیں لہذا آپؑ کا وجود تاقیامت بندوں پر حجت قائم رہیگا تاکہ بندے یہ کہہ سکیں کہ خدا کی طرف راہنمائی کرنے والے سے ہمارا زمانہ خالی تھا۔ چنانچہ خداوند عالم کفار کے بارے میں فرماتا ہے: أَنْ تَقُولُوا ما جاءَنا مِنْ بَشِيرٍ وَ لا نَذِيرٍ فَقَدْ جاءَكُمْ بَشِيرٌ وَ نَذِيرٌ۔[1] اور چونکہ محمد مصطفیٰؐ سے پہلے زمانوں میں بھی پیغمبرؑ ہوتے رہیں جو حجت تمام کرتے تھے۔ اور آنحضرتؐ خاتم الانبیاء ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔ لہذا ائمہ ہدیٰ تمام حجت میں آنحضرتؐ کے قائم مقام ہیں اور لطف الٰہی کا تقاضا ہے کہ حجت قائم رہے۔ پس حضرت امام مہدیؑ کا وجود قیام حجت کا باعث ہے اس لئے حجتِ قائم آپؑ کا لقب ہے۔

منتظر ظہور زمان بھی آپؑ کا لقب ہے۔

کیونکہ آپؑ ظہور کے لئے حکم خدا کے منتظر ہیں تاکہ ظاہر ہوکر دنیا کو عدل وانصاف سے اور احسان سے مالامال کریں۔ امامیہ کے پاس مدت انتظار، حکایات اور بہت سے روایات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام مہدیؑ روئے زمین پر شان وشوکت سے زندگی بسر کرتے

---

[1] مائدہ ۱۹۔

ہیں اور جو انھیں پکارتا ہے اس تک پہونچتے ہیں۔ روایت ہے کہ جب آپؑ نے غیبت اختیار کی تو ابتدائی سو سال اور ایک قول کے مطابق کچھ زیادہ عرصہ تک آپؑ کی توقیعات ظاہر ہوتی تھیں اور کچھ ایسے لوگ تھے جو ہر زمانہ میں دوستوں اور محبوں تک آپؑ کی توقیعات پہونچاتے تھے چنانچہ کشف الغمہ[1] میں ان لوگوں کے نام اور امامؑ کی وہ توقیعات کہ جن کے ذریعہ شیعوں کو حکم دیتے اور یا کسی بات سے منع فرماتے تھے، درج ہیں۔ سو سال سے زیادہ عرصہ کے بعد ایک توقیع ظاہر ہوئی اس میں مرقوم تھا کہ ابھی تک غیبت صغریٰ تھی، جس میں ہم خود غائب تھے اس کے بعد غیبت کبریٰ کا سلسلہ شروع ہوگا اور اب توقیع صادر نہیں ہوگی۔ لیکن ہم اپنے محبوں سے بے خبر نہیں ہیں۔

جس مدت میں توقیع صادر ہوتی تھی امامیہ اسے غیبت صغریٰ کہتے ہیں اور جس زمانہ میں توقیعات کا سلسلہ بند ہے اس کو غیبت کبریٰ کہتے ہیں، غیبت کبریٰ کے زمانہ میں دوستوں کے سامنے امام کے ظاہر ہونے کے بہت سے واقعات بیان ہوئے ہیں جو کہ امامیہ کے نزدیک متواتر ہیں اور ان میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔

امام زمانہؑ کے وسیلے اسماعیل ہرقلی کا شفا پانا

قریب ہی ظہور پذیر ہونے والے حکایات و واقعات میں سے دو کشف الغمہ میں نقل ہوئے ہیں اور ہم نے ان لوگوں سے ملاقات بھی کی ہے۔ بغداد و حلہ کے سب ہی لوگ انھیں جانتے ہیں، ہم ان دو روایات میں سے ایک کو، جو کہ طویل ہے، نقل کرتے ہیں۔

صاحب کشف الغمہ علی بن عیسیٰ اربلی کہتے ہیں کہ صوبہ حلہ میں ہرقل نام کا ایک موضع ہے اسی موضع کے رہنے والے اسماعیل ہرقلی کی دائیں ران پر دونوں طرف ایک مشت برابر پھوڑا نکل آیا تھا اور

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۵۲۹-۵۳۰

پھر اس جگہ بہت بڑا زخم بن گیا تھا، مدتوں اس ناسور میں مبتلا رہتا اور اس سے خون و مواد بہتا رہتا تھا جس سے اسے بہت تکلیف ہوتی تھی۔ اس زخم کے علاج کے لئے وہ حلّہ میں سید بزرگوار ابن طاؤس کے پاس آیا۔ سید سے اس کے دوستانہ روابط تھے۔ ابن طاؤس نے حلّہ کے جراحوں اور اطباء کو جمع کیا تاکہ اس کا علاج کریں، اطباء اور جراحوں نے کہا یہ پھوڑا رگ ہفت اندام پر نکلا ہے اگر ہم اس کا آپریشن کرتے ہیں تو رگِ ہفت اندام کے قطع ہونے کا اندیشہ ہے اور اس کے قطع ہونے سے مریض کی موت کا خطرہ ہے اور اگر آپریشن کے ذریعہ اسے نہ نکالیں تو اصل مواد باقی رہ جائے گا اور پھر اس کا علاج نہیں ہو سکے گا۔ فی الجملہ ہم اس کے علاج سے عاجز ہیں۔

شریف ابن طاؤس نے اسماعیل سے کہا، چلو بغداد چلتے ہیں ہو سکتا ہے بغداد کے اطباء و جراح کے پاس اس کا کوئی علاج ہو۔ اسماعیل، شریف کے ساتھ بغداد آیا شریف نے بغداد کے تمام اطباء اور جراحوں کو بلایا۔ جب انھوں نے پھوڑے کا معائنہ کیا تو سب نے بیک زبان کہا: اس کا علاج نہیں ہو سکتا ہے، ہاں اس کا علاج صرف یہ ہے کہ پیر کاٹ دیا جائے کیونکہ پھوڑا رگ ہفت اندام نکلا ہے۔

اسماعیل کہتے ہیں کہ جب میں علاج سے ناامید ہو گیا تو سوچا کہ بغداد تک تو میں پہونچ گیا ہوں لہٰذا سامرہ کی زیارت کے بعد ہی گھر لوٹوں گا۔ میں بغداد سے سامرہ کی زیارت کے لئے روانہ ہوا، درگاہ اقدس پر حاضری دی اور سرداب میں جاکر نہایت ہی گریہ وزاری کی اور شب جمعہ تک سامرا میں قیام کیا، جمعرات کے دن عصر کے وقت درگاہ اقدس سے باہر آیا اور دریائے شط میں جاکر غسل کیا، پاک و پاکیزہ لباس پہنا وہاں سامرہ کے آس پاس کے لوگ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اپنے اونٹ اور گوسفندوں کو چرا رہے تھے۔

جب میں شہر کے دروازہ سے اندر آیا تو میں نے چار گھوڑے سوار دیکھے، دو سواروں کے ہاتھ میں نیزہ تھا ان میں سے ایک ضعیف تھا اور ایک نے صوفیوں جیسا جبہ پہن رکھا تھا اور تلوار لٹکائے ہوئے تھا اور دو نیزہ بردار سوار آگے آگے چل رہے تھے اور وہ جبہ پوش ان کے پیچھے پیچھے اور خود جبہ پوش کے پیچھے وہ ضعیف العمر تھا جب نیزہ بردار سواروں نے مجھے دیکھا تو راستہ سے ہٹ

گئے اور وہ شخص کہ جس نے جبہ پہن رکھا تھا اور تلوار حمائل کر رکھی تھی وہ راستہ ہی میں کھڑا ہو گیا تھا اس نے مجھے سلام کیا، میں نے سلام کا جواب دیا اور میں یہ سمجھا کہ یہ ان شریف لوگوں میں سے ہیں جو کہ شہر سے باہر خیمہ زن ہیں اور گوسفند چرا رہے ہیں۔

اس جبہ پوش سوار نے عنان کھینچی اور مجھ سے کہا: اپنا زخم دکھاؤ۔ میں نے سوچا کہ یہ کوئی بادیہ نشین ہے اور بادیہ نشین لوگ نجاست وطہارت کا خیال نہیں رکھتے ہیں، اور میں نے ابھی غسل کر کے پاک وصاف لباس پہنا ہے، کہیں میرا لباس نجس نہ ہو جائے۔ میں نے زخم نہ دکھانے کے سلسلہ میں حیلے بہانے کئے تو وہ سوار گھوڑے سے جھکا اور میرے جامہ میں ہاتھ ڈال کر زخم دیکھا اور اسے اپنے ہاتھ سے دبا دیا مجھے اس سے بہت تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد وہ گھوڑے کی پشت پر صحیح ہو کر بیٹھے۔ وہ ضعیف آدمی جس کے ہاتھ میں نیزہ تھا اور داہنی طرف کھڑا تھا اس نے کہا: افلحت یا اسماعیل۔ اے اسماعیل تم نے فلاح پائی۔ مجھے تعجب ہوا کہ اسے میرا نام کیسے معلوم ہوا۔ وہ سوار تو روانہ ہو گیا میں نے اس آدمی سے پوچھا: یہ کون تھا؟ اور تم کون ہو؟ اس نے کہا: یہ امام مہدیؑ ہیں اور ہم آپؑ کے ملازم ہیں۔ میں نے ان کے پاؤں چومے اور آپؑ کے ہمراہ چلا۔ فرمایا: تم بغداد جاؤ گے ہمارے بیٹے ابن طاؤس کے پاس جانا اور ہمارا قصہ سنا دینا، وہ تمہیں خلیفہ مستنصر کے پاس لے جائیں گے۔ وہاں تمہیں انعام دینے کی پیشکش ہو گی لیکن تم قبول نہ کرنا۔ اس کے بعد فرمایا: واپس پلٹ جاؤ۔ میں نے عرض کی مولا! میں ہرگز آپؑ سے جدا نہ ہونگا، پھر فرمایا: پلٹ جاؤ۔ لیکن میں واپس نہ پلٹا تو اس ضعیف العمر نے کہا: اے اسماعیل تمہیں خدا سے شرم نہیں آتی کہ امام واپس پلٹنے کے لئے فرما رہے ہیں اور تم واپس نہیں جاتے ہو! میں کھڑا ہو گیا اور وہ چلے گئے لیکن میری نظریں ان کا تعاقب کرتی رہیں یہاں تک کہ وہ غائب ہو گئے۔

میں نہایت حیرت اور وحشت کے عالم میں روضہ مبارک تک پہونچا۔ خادموں نے پوچھا تمہاری کیسی حالت ہو رہی ہے؟ کس چیز سے خوفزدہ ہو کچھ نظر آیا ہے؟ میں نے انھیں واقعہ سنایا، اور اپنی ران دکھائی تو اب وہاں زخم کا نشان بھی نہیں تھا۔ میں نے کہا کیا میں نے دوسری ران سے

کپڑا اٹھایا۔ پھر میں نے دوسری ران کو دیکھا تو دونوں میں کوئی فرق نہیں تھا، یکساں تھیں گویا کہ میری رانوں پر کوئی پھوڑا تھا ہی نہیں۔ جب لوگوں کو میری اس کیفیت کا علم ہوا تو وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور تبرک سمجھ کر میرے لباس کے ٹکڑے نوچنے لگے، قریب تھا کہ لوگوں کے شور و غل سے میں ہلاک ہو جاؤں، خادموں نے مجھے روضہ کے مخزن میں بند کر دیا اور شور و غل ختم کرنے کی خاطر دروازے بند کر دیئے اور اس وقت صورت حال کی خبر بغداد پہونچائی۔ شام کے وقت میں سامرہ سے باہر نکلا اور بغداد کی سمت چلا، صبح سویرے بغداد کے پل پر پہونچا، چونکہ بغداد والوں کو خبر ہو چکی تھی لہٰذا وہ پل پر میرا انتظار کر رہے تھے۔ سید ابن طاؤس کے خاندان کے مرد بھی آئے تھے۔ لوگوں نے مجھ سے پوچھا: تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے کہا: اسماعیل۔ تم ہی نے امامؑ کی زیارت کی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! اب پھر مجمع مجھ پر ٹوٹ پڑا اور میرے کپڑے نوچنے لگا قریب تھا کہ دیکھنے والوں کے شور و غل میں ہلاک ہو جاؤں۔

ابن طاؤس کے خاندان والوں نے مجھے اٹھایا اور لوگوں سے نجات دلائی۔ شریف کے پاس لے گئے۔ اس زمانہ میں موید الدین العلقمی خلیفہ کا وزیر تھا جو کہ شیعہ اور محب اہل بیتؑ تھا۔ اس نے بھی خبر سنی تھی اور خلیفہ مستنصر نے بھی سنی تھی۔ شریف ابن طاؤس مجھے موید الدین کے پاس لے گئے۔ اس وقت بغداد کے اطبا اور جراحوں کو جمع کیا اور کہا: تم نے اس شخص کا زخم دیکھا ہے؟ کہا: ہاں۔ کہا: علاج ہو سکتا ہے یا نہیں؟ کہنے لگے لاعلاج ہے۔ ہاں ایک علاج ہے اور وہ یہ کہ سارا مواد نکال دیا جائے اور مواد نکالنے میں رگ ہفت اندام کٹ جائے گی اور پھر خون بند نہیں ہوگا، اور یہ مر جائے گا۔ وزیر نے کہا: فرض کرو کہ پھوڑے کا مواد کاٹ کر نکال لیا جائے اور رگ ہفت اندام نہ کٹے تو اس کا زخم کتنے دن میں ٹھیک ہو جائے گا؟ کہنے لگے دو ماہ لگیں گے اور زخم کی جگہ پر گیند جیسا ایک سفید نشان باقی رہے گا۔ وزیر نے اطبا سے پوچھا، کتنے دن پہلے تم نے اس کا زخم دیکھا تھا؟ کہا: دس دن پہلے دیکھا تھا۔ وزیر نے مجھ سے کہا: اپنا زخم دکھاؤ۔ جب میں نے ران کھولی تو اس پر زخم کا کہیں نشان بھی نہیں تھا۔ حکیموں اور جراحوں نے بیک آواز کہا: یہ مسیح کا کام ہے۔ وزیر نے کہا:

یہ تمہارا کام نہیں ہے ہم جانتے ہیں کہ یہ کس کا کام ہے۔ اس کے بعد مجھے مستنصر خلیفہ کے پاس لے گئے اس نے میری زیارت کی، مزاج پرسی کی اور تین دینار طلائی میرے لئے انعام مقرر کیا۔ میں نے کہا: مجھے کوئی بھی چیز قبول کرنے سے امامؑ نے منع فرمایا ہے۔ اس پر مستنصر رونے لگا اور کہنے لگا ہمارا ہدیہ قبول نہیں کیا۔ میں واپس پلٹ آیا اور اس کے بعد میں نے اس پھوڑے کا نشان بھی نہیں دیکھا۔

صاحب کشف الغمہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے بغداد کی ایک مجلس میں اس واقعہ کو بیان کیا اتفاق سے شمس الدین محمد بن اسماعیل اس مجلس میں موجود تھے، مجھے ان کی موجودگی کا علم نہیں تھا، جب میں نے واقعہ نقل کیا تو شمس الدین نے کہا: میں اسماعیل کا بیٹا ہوں۔ یہ واقعہ میں نے والد سے خود سنا ہے، اور آبا نے وہ جگہ مجھے دکھائی تھی جہاں زخم تھا۔ وہاں زخم کا نشان نہیں تھا، والد ہر سال سردیوں کے زمانہ میں بغداد آتے تھے اور ہر سردی کے موسم میں چالیس بار سامرہ کی زیارت کرتے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ پُر کیف منظر دیکھنے میں آئے لیکن دوبارہ مطلع ہجر و فراق سے اس آفتاب وصال نے طلوع نہ کیا۔[1]

در رهی دیدم مهی، حیران آن ماهم هنوز

عمر رفت و من مقیم آن سر راهم هنوز

چون نسیم صبحگاهی بر من بی‌دل گذشت

من نسیم وصل آن مه را هواخواهم هنوز

می‌فزاید مهر او هر روز در خاطر مرا

گرچه من کاهیده‌ام از درد می‌کاهم هنوز

گرچه آه آتشینم خرمن جان سوخته

---

[1] کشف الغمہ ج ۲ ص ۴۹۳-۴۹۷۔

می رود تا اوج گردون آتش آهم هنوز

شوق آن دیدار، غافل کرده از عالم مرا

تو نپنداری که من از خویش آگاهم هنوز

انتظار شاه مهدی می‌کشد عمری امین

رفت عمر و در امید طلعت شاهم هنوز

میں نے راستہ میں ایک چاند دیکھا اور ابھی مدہوش ہوں
عمر گزر گئی لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں اسی منزل پر کھڑا ہوں
جب مجھ ایسے مدہوش کے قریب سے نسیم صبح کا گزر ہوتا ہے
تو میں اب بھی اس چاند کی نسیم وصل کا خواستگار ہوتا ہوں
ہر روز میرے دل میں اس کی محبت بڑھتی ہی جاتی ہے
اگرچہ دردِ جدائی نے مجھے مضمحل کر دیا اور ٹوٹ پھوٹ چکا ہوں
اگرچہ میری آہ کے شعلوں نے میرے خرمن جان کو خاکستر کر دیا
لیکن ابھی میری آہ کے شعلے اوج عرش تک پہونچتے ہیں
اس دیدار کے شوق نے مجھے دنیا سے بیگانہ کر دیا
تم یہ نہ سمجھو کہ مجھے میری خبر ہے
شاہ مہدی کا انتظار زندگی بھر کیا
عمر گزر گئی لیکن میں اب بھی اپنے بادشاہ کے جلوہ افروز ہونے کا منتظر ہوں۔

ایسی بہت سی حکایتیں ہیں جنھیں ارباب مکاشفات اور اصحاب مشاہدات بیان کرتے ہیں اور آپؑ کے مشاہدہ کے وقت محفوظ کی گئی ہیں۔

الٰہی، پروردگار، اے حی و قیوم تجھے ان بارہ آئمہ معصومینؑ کی عزت و جلال اور حرمت و کمال کا

واسطہ کر ہمیں امام محمد مہدیؑ موعود کے دیدار سے مشرف فرما۔ اور آپؑ کے فیض و برکت سے محروم نہ فرما۔

اللهم صَلِّ على سيِّدنا محمَّد و آل محمد سيِّدنا سِيماالأمام الموعود محمد المهديِ المنتظر و سَلِّمْ تسليماً، و سَلِّم و بارِكْ عَلَيهم و أنْزِل تَحيّاتِكَ و بلِّغْ صلواتِنا و سلامِنا إليهم.

اے اللہ ہمارے سید و سردار محمدؐ اور ہمارے سید سردار محمدؐ کی آلؑ پر خصوصاً مہدیٔ موعود محمد مہدیؑ پر رحمت و صلوات نازل فرما۔ اور سلام و برکت نازل فرما اور ان کے لئے اپنے تحفے و ہدیئے ارسال فرما۔ اور ہماری طرف سے ان پر صلوات و سلام بھیج۔

یہ صلوات تمام معصومینؑ کے لئے ہے حالانکہ اس سے قبل ہر ایک کی صلوات کا ذکر ہو چکا ہے اور مہدیؑ پر اس کا خاتمہ ہوا ہے، خداوند عالم سے دعا ہے کہ ان کی ارواح مقدسہ پر ہمارا سلام پہونچا دے۔ یہ صلوات دعا کا مقدمہ ہے اور اس صلوات کے بعد تولیٰ و تبریٰ کا اقرار ہے اور پھر طلب حاجت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

تولّیٰ و تبرّیٰ

اللهم هؤلاء ائمتنا و سادتنا و کبراؤنا، بهم نتولّی و من اعدائهم نتبرّی.

اے اللہ یہ آئمہ۔ بارہ۔ ہمارے پیشوا اور سردار ہیں، ہم ان سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے بیزار ہیں۔

جان لو کہ لوگوں کے درمیان تولیٰ و تبریٰ عبادات سے زیادہ مشہور ہے" فرقہ" امامیہ کا کہنا ہے کہ تولیٰ و تبریٰ ایمان کا جزو ہے اور اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہے۔ پہلے ہم تولیٰ و تبریٰ کے معنی بیان کرتے ہیں۔

تولیٰ کے معنی لغت میں کسی کی دوستی اور محبت سے خود کو متصف کرنے اور اسے اپنے تمام امور میں متصرف و مختار سمجھنے کے ہیں اور تبریٰ کے معنی کسی سے بیزاری اختیار کرنے اور اسے اپنا دشمن سمجھنے کے ہیں۔ عرفِ امامیہ میں رسولؐ و علیؑ اور باقی گیارہ آئمہ کی محبت و عقیدت رکھنے اور انھیں اپنے امور میں والی و متصرف سمجھنے کو تولیٰ کہتے ہیں اور ان کے دشمنوں سے بری و بیزار ہونے کو تبریٰ کہتے ہیں۔ مذہب امامیہ یہ ہے کہ تولیٰ و تبریٰ دونوں ایمان کا جزو ہیں اور اگر کوئی مذکورہ معنی کے اعتبار سے تولیٰ و تبریٰ پر ایمان نہیں رکھتا تو وہ مومن نہیں ہے اور اس پر اسلام کے احکام جاری نہیں ہونگے۔ امامیہ کے دلائل وہ آیات اور روایات ہیں جو کہ رسولؐ کی محبت کے وجوب کے بارے میں منقول ہیں "اِنّما وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ و رَسُولُہٗ"[1] و حدیث "مَن

---

[1] مائدہ - ۵۵

كنتُ مولاه فعليٌّ مولاه» ؛ و حديث: «اللهم والِ منْ والاه و عادِ من عاداه» اور ان صحیح اخبار کے علاوہ امامیہ کے روایات اخبار بھی ہیں۔ یہ ہے ان کا مذہب۔ لیکن دشمنوں کی اس جماعت کی تعیین کرنا جس سے تبرّی ایمان کا جزو ہے یہ ایمان کا جزو نہیں ہے اگر کوئی شخص اعدا سے بیزار اور بری ہے اور کسی عدو کی تعیین نہ کرے تو بھی اس کے ایمان میں نقص نہیں ہے۔ اور اس سلسلہ میں امامیہ کے درمیان کوئی نزاع نہیں ہے۔

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ حضرت رسولؐ اور ان کی آلؑ سے محبت اور ان کے دشمنوں سے بیزاری ہر مومن پر واجب ہے اور جو انھیں اپنے امور میں والی اور متصرف نہ سمجھے وہ مومن نہیں ہے اور اسی طرح جو ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار نہ کرے اور ان پر تبرّی نہ کرے مومنین میں سے نہیں ہے۔ اور رسولؐ کی محبت واجب ہونے اور اس کے بغیر ایمان صحیح نہ ہونے پر دلیل ہے رسولؐ کا یہ ارشاد ہے: «لا يؤمنُ أحدُكم حتى أكونَ [أحبَّ اليه مِنْ] والِدِه و وَلَدِه و النّاس أجمعين»[1] اس سے ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ کی محبت کے بغیر ایمان صحیح نہیں ہے اور کبھی محبت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب محبوب کے محبوبوں سے محبت کی جاتی ہے اور محبوب کے دشمنوں کو دشمن سمجھا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت علیؑ اور دوسرے گیارہ امام رسولؐ کے محبوب ہیں آنحضرتؐ جزو ایمان ہیں۔ اور ان کی محبت جزو ایمان ہے[2] اور اسی طرح آنحضرتؐ کے دشمنوں کو دشمن سمجھنا بھی آپؐ کی محبت کا تتمہ ہے کہ جزو ایمان ہے اور محبوب کا دشمن محب کا دشمن ہوتا ہے حضرت امیر المومنینؑ اور گیارہ آئمہ۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم۔ رسولؐ کے محبوب ہیں اور آنحضرت ان کے محب ہیں اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ پیغمبرؐ کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کرنا ایمان کا جزو ہے لہذا آئمہؑ کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کرنا بھی ایمان کا جزو ہے۔

---

[1] بخاری ج ا ص ۱۲ (کتاب الایمان ج ۱۳) بخاری کا متن یہ ہے: (فوالذي نفسي بيده لا يؤمنُ أحدُكم حتى أكون أحبَّ اليه من والده و ولده)۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ تولی و تبری فریقین کے اتفاق سے جزو ایمان ہے۔ نزاع اس بات میں ہے کہ اسے علیحدہ بیان کیا جائے اور ایک مستقل وجدا جزو سمجھا جائے یا رسولؐ پر ایمان ہی میں یہ بھی شامل ہے، امامیہ کا مسلک یہ ہے کہ اسے علیحدہ ایمان کا جزو سمجھنا چاہیئے اور اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ رسولؐ پر ایمان ہی کے زمرہ میں شامل ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، اور یہ نزاع معمولی ہے، بلکہ نزاعِ لفظی ہے[1] اور یہ ایسی ہی نزاع ہے جیسے ایک شخص کہے انسان میں دو جزو ہیں۔ حیوان و ناطق۔ دوسرا کہے انسان میں پانچ جزو ہیں، جسم نامی، حساس، متحرک بالارادہ، ناطق اور عاقل یہ نزاع لفظی ہے اور حقیقت میں نزاع نہیں ہے، کیونکہ جسم نامی، حساس اور متحرک بالارادہ حیوان کے اجزا ہیں اور جزو کا جزو، جزو ہوتا ہے، اس لحاظ سے دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔ اور اس مبحث میں شیعہ و سنی کی نزاع کی یہی کیفیت ہے۔ واللہ اعلم۔

صیغۂ تولی و تبری

اللھم والِ من والاھم و عادِ مَن عاداھُم و انصُر من نَصَرھم و اخْذُل من خَذَلھم و العَن من ظَلَمَھم و عَجِّل فرجھم و أھلِك عدُوَّھُم من الإنس و الجنّ بِرَحْمَتِك یا أرْحَمَ الراحمین.

اے اللہ جو ان سے محبت رکھتا ہے تو اس سے محبت فرما اور جو ان سے دشمنی رکھتا ہے تو اسے دشمن سمجھ جو انھیں رسوا کرے تو اسے ذلیل فرما اور اسے بے یار و مددگار کر دے، اس کی مدد نہ فرما۔ اور ان پر ظلم کرنے والوں پر لعنت فرما۔ اور مہدی موعودؑ کے ظہور سے ان کی راحت و کشادگی میں تعجیل فرما اور اولین و آخرین میں سے جن و انس میں سے ان کے دشمنوں کو ہلاک فرما۔ اپنی رحمت کے

---

[1] شیعہ عقیدہ کی رو سے ائمہ کی محبت و متابعت کا نام تولی ہے۔ (قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی) اگر مولف نے تولی کے یہی معنی مراد لئے ہیں تو نزاع لفظی ہے۔

ذریعہ اے ارحم الراحمین۔ یہ ہے تولیٰ و تبریٰ کا صیغہ۔ اور دونوں مذہبوں کا اتفاق ہے کہ جس نے یہ صیغہ زبان سے ادا کر دیا اس نے تولیٰ و تبریٰ پر عمل کیا۔ کیونکہ اس نے تولیٰ و محبت کے واجب ہونے اور دشمنوں سے بیزاری اختیار کرنے کا اقرار کیا اور عرف عام میں صیغۂ دعا میں اقرار کرنا بہترین اقرار ہے۔

اس شخص پر لعنت کرنا متفقہ طور پر جائز ہے کہ جو اہل بیتؑ رسولؐ پر ظلم کرتا ہے۔ لعنت کے معنی درحقیقت رحمتِ خدا سے دور کرنا ہے اور کافر کے علاوہ کوئی بھی راندۂ رحمتِ خدا نہیں ہے کیونکہ خدا شرک کے علاوہ تمام گناہوں کو معاف کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: «اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ»[1] پس جب اس مشرک کے سوا جو شرک کی حالت میں مرا ہے، تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے تو پھر کسی کو رحمتِ خدا سے دور نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ذاتِ خدا سے مغفرت کی امید ہے تو وہ رحمتِ خدا سے دور نہیں کیا گیا ہے اور اس صورت میں اگر کوئی کہے کہ وہ راندۂ رحمتِ خدا ہے تو اس نے جھوٹ کہا۔ اور ناحق بددعا کی اور وہ بددعا اسی کی طرف لوٹے گی چنانچہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر کوئی اس شخص پر لعنت کرے جو لعنت کا مستحق ہے تو لعنت مستحق تک پہونچتی ہے لیکن اگر اس پر لعنت کرے جو مستحق نہیں ہے تو لعنت خود کرنے والے پر لوٹ آتی ہے اور یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس مشرک کے علاوہ کوئی بھی لعنت کا مستحق نہیں ہے کہ جو شرک کی حالت میں مرا ہے۔ پس جو کفر پر مرنے والے کے علاوہ کسی مخصوص آدمی پر لعنت کرتا ہے تو درحقیقت وہ خود اپنے اوپر لعنت کرتا ہے اور اس کا وبال اسی کے سر ہے!

اب دیکھنا یہ ہے کہ کفر کے خصال و موجبات کیا ہیں؟ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسولؐ اور آپؐ کے اہل بیتؑ سے عداوت رکھنا کفر کی علامت و نشانی ہے کیونکہ ان سے محبت ایمان کا جزو ہے، لامحالہ ان سے دشمنی کفر ہے اور دشمنی کی انتہا یہ ہے کہ کوئی کسی کو قتل کر دے یا اس سے جنگ کرے یا اس کا

---

[1] نساء / ۴۸۔

حق غصب کرے۔ اس بنا پر ابن ملجم، یزید اور معاویہ۔ علیہ اللعنۃ والعذاب۔ اور وہ لوگ کہ جن کے بارے میں امت کے درمیان یہ بات محقق و متواتر ہے کہ انھوں نے ائمہ کبار کو قتل کیا انھیں زہر دیا اور ان کا حق غصب کیا ہے تو بے شک ان پر لعنت کی جا سکتی ہے کیونکہ یہ کفر کی علامت ہے، اور ان کا ایمان کی طرف پلٹنا اور توبہ کرنا ثابت نہیں ہوا ہے، لہذا ان کا کفر ثابت ہے اور ایمان ثابت نہیں ہے پس متفقہ طور پر ان پر لعنت کی جا سکتی ہے۔ لعنة الله عَليهم و على مُحِبّيهم أجمعين.

لیکن جن لوگوں کی اہل بیتؑ سے دشمنی ثابت نہیں ہوئی ہے تو ان پر محض معارض روایات کی بنا پر لعنت نہیں کی جا سکتی ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ آلِ محمدؐ پر ظلم کرنے والے اور ان سے دشمنی رکھنے والے پر لعنت جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے: واِنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الظّٰالِمين[1]. یہ تھی اس مسئلہ کی حقیقت اگر دونوں مذہب والے انصاف کی نظر سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ ہم نے حق بیان کیا ہے۔

ائمہؑ سے توسل

چودہ معصومینؑ پر صلوات کے بیان کا سلسلہ ختم ہوا اور تبریٰ مومنین کے ایمان کا جزو ہے۔ اب کچھ معصومینؑ سے توسل اور ان کے وسیلے سے خداوند عالم سے حاجت طلب کرنے پر روشنی ڈالتے ہیں، ان کے توسل سے دعا انشاء اللہ قبول ہوگی۔

اللهمَّ نَتَوَسَّلُ إليكَ و نَتَشَفَّعُ بِكَ بِهؤلاءِ الأجِلَّةِ الْكِرامِ الْمَعْصُومين في نُصْرَةِ عَساكِرِ الْاسْلامِ و حِفْظِ مَعالِمِ الدِّين

اے اللہ اسلام کے لشکروں کی مدد اور دین اسلام کے شعار کی حفاظت کی خاطر ہم چہاردہ معصومینؑ کو اپنا وسیلہ و شفیع قرار دیتے ہیں پروردگار اے حی و قیوم! تجھے ان چہاردہ معصومینؑ کی

---

[1] اعراف، ۴۴۔

حرمت کا واسطہ، جو کہ تیری بارگاہ میں ہمارے شفیع اور وسیلہ ہیں اسلام کے لشکر جہاں بھی ہوں ان کی نصرت فرما۔ اور دنیا میں دینِ محمدؐ کی نشانیوں کو ظاہر و قائم فرما۔

وَ فی قَضاءِ حاجاتِنا وَ حُصُولِ مَقاصِدِنا فِی الْمَنْزِلَیْن

اے اللہ ہماری حاجتوں کے پورا کرنے اور قبر و قیامت ہمارا مقصد پورا ہونے کے سلسلہ میں ہم تیری بارگاہ میں چودہ معصومینؑ کو اپنا وسیلہ و شفیع قرار دیتے ہیں۔ اے حی و قیوم! تجھے ان چودہ معصومینؑ کی حرمت کا واسطہ، جو کہ تیری بارگاہ میں ہمارے شفیع و وسیلہ ہیں، ہماری دنیوی و اخروی حاجتوں کو پورا فرما اور ہمیں دنیا میں عافیت اور آخرت میں نجات مرحمت فرما۔ ہمارے مقاصد کو فتنہ و عذاب سے محفوظ رکھ، ہمیں روح ایمان سے سرفراز فرما۔ قیامت میں شداید و خوف سے امان میں رکھ اور صراط و میزان پر حساب میں ہم پر کرم فرما۔

وَ فی مَغْفِرَةِ ذُنُوبِنا وَ مَحْوِ سَیِّئاتِنا وَ قَبُولِ حَسَناتِنا

اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں ان چودہ معصومینؑ کو گناہوں کی بخشش اور برائیوں کے محو کرنے اور نیکیوں کی قبولیت کے لئے اپنا شفیع و وسیلہ قرار دیتے ہیں۔ اے بارالہا، اے پروردگار، اے حی و قیوم! ہم ان چودہ معصومینؑ کی حرمت کا واسطہ دیتے ہیں، جو کہ تیری بارگاہ میں ہمارے شفیع اور وسیلہ ہیں، ہمارے تمام چھوٹے، بڑے، ظاہری و باطنی اور پوشیدہ و آشکار گناہوں کو بخش دے۔ ہمارے دل اور اعضاء و جوارح کے گناہوں اور برائیوں کو ہمارے نامہ اعمال سے محو کر دے اور اپنے لطف و کرم سے ہمارے حسنات کو قبول فرما۔

وَ دَوامِ عافِیَتِنا وَ دَفْعِ الْبَلِیّاتِ عَنّا وَ تَفْرِیجِ هُمُومِنا

اے اللہ ہم تجھ سے ان چودہ معصومینؑ کا واسطہ دیکر سوال کرتے ہیں کہ ہمیں دائمی عافیت عطا فرما بلاؤں کو دفع فرما اور ہمارے غم و آلام کو مسرتوں سے بدل دے۔ اے حی و قیوم! ہم تجھ سے ان چودہ معصومینؑ کا واسطہ دیکر سوال کرتے ہیں کہ ہمیں تو نے جو عافیت ایسی عظیم نعمت عطا کی ہے۔ اسے دائمی قرار دے اور ہمیں آخری زمانہ کی بلاؤں، زمانہ کے حوادث، ظالموں کے ظلم اور

جابروں کے جور سے محفوظ رکھ اور اپنے لطف و کرم سے ہماری بلاؤں اور مصیبتوں کو مسرتوں سے بدل دے اور رنج و بلا سے ہمیں نجات مرحمت فرما۔

وَ وَسِّعْ أَرْزاقَنا و تَيَسَّرْ مُهِمّاتَنا

اے اللہ ہم ان چودہ معصومینؑ کا واسطہ دیتے ہیں کہ ہماری نیک خلق، روزی و رزق میں وسعت و ترقی عطا فرما اور اہم مشکلات و مہمات کو آسان کر دے۔ بالٰہا۔ اے پروردگار، اے حی و قیوم! ہم تجھ سے ان چودہ معصومینؑ کی حرمت کے واسطے سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے اخلاق کو سنوار دے صبر و قناعت کو ہمارا اخلاق قرار دے اور طمع و حرص اور غضب سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھ ہمارے رزق میں ترقی عطا فرما اور اس کی طلب و فکر میں ہمیں محزون نہ فرما۔ ہمیں اس طرح روزی و رزق عطا فرما جو تجھے پسند ہے۔ رنج و مشقت اور خلائق کی محتاجی کے بغیر عطا فرما۔ ہماری ہر پیش آنے والی احتیاج و ہم کو آسان کر دے اور اپنی توفیق سے سرفراز فرما۔

وَ فِي السَّلامَةِ فِي الْحَضَرِ و الصِّحَّةِ و الْغَنِيمَةِ فِي السَّفَرِ

اے اللہ ہم اپنے وطن و گھر اور سفر میں سلامتی و عافیت کے لئے ان چودہ معصومینؑ کو اپنا شفیع و وسیلہ قرار کر دیتے ہیں۔ اے بارِ الٰہا۔ پروردگار، اے حی و قیوم! چودہ معصومینؑ جو کہ تیری بارگاہ میں ہمارے شفیع و وسیلہ ہیں، کی حرمت کا واسطہ ہمیں وطن و سفر میں تندرستی و صحت عطا فرما اور سفر و غربت میں صحت و غنیمت سے سرفراز فرما۔

وَ فِي الْمَوْتِ بِالإيمانِ و الْبَعْثِ فِي زُمْرَةِ أَصحابِ الإحْسانِ

اے اللہ ہم ان چہاردہ معصومؑ کا واسطہ دیکر تجھ سے سوال کرتے ہیں، جو کہ تیری بارگاہ میں ہمارے شفیع اور وسیلہ ہیں، ہمیں دنیا سے با ایمان اٹھانا اور موت کے وقت ہمیں شہادت مرضیہ عطا کرنا اور روز قیامت نیکیاں انجام دینے والوں کے ساتھ محشور کرنا۔

وَ فِي أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ هذِهِ لَنا و لِآبائِنا و أُمَّهاتِنا و أَوْلادِنا و أَزْواجِنا و مَوالينا و أَستادينا و مُعَلِّمينا و لِأَرْبابِ حُقُوقِنا و لِسائِرِ الْمُؤْمِنينَ و الْمُؤْمِناتِ

اے اللہ ہم ان چودہ معصومینؑ کو تیری بارگاہ میں شفیع و وسیلہ قرار دیتے ہیں کہ ان چیزوں کو جو کہ ہم نے طلب کی ہیں وہ ہمیں ہمارے والدین، بیٹوں، عورتوں، غلاموں، خادموں، اساتذہ، معلمین شاگردوں اور جو لوگ ہم پر حق رکھتے ہیں اور تمام مومنین و مومنات کو عطا فرما۔

بارِ الہا، پروردگار، حی و قیوم! چودہ معصومینؑ کا واسطہ کہ اس صلوات کے خاتمہ پر ہم نے جو کچھ تجھ سے طلب کیا ہے اس سے ہمارا دامن بھر دے اور اس میں ہمارے والدین، دوستوں، اساتذہ و معلمین اور اربابِ حقوق اور تمام مومنین و مومنات کو شریک قرار دے اور جن مرادوں کے پورا کرنے کا ہم نے تجھ سے سوال کیا ہے ان سے سب کا دامن بھر دے اور سب کی مراد پوری کر دے۔

❖ ❖ ❖